شرع محمدی

مشتمل

بر دو حصہ

جلد اول

مؤلفہ

جناب منشی محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ وکیل ہائیکورٹ
ومنصف ممالک مغربی وشمالی

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام آقا علیخان صاحب مہتمم مطبع طبع شد

فہرست مضامین حصہ اوّل

باب اوّل ہبہ

(مطبوعہ مطبع لامع النور محلہ گلا نجانہ آگرہ)

باب سوم

باب پنجم

فہرست مضامین حصہ دوم

باب اوّل

باب دوم

زوجین کے حقوق و ذمہ داری

باب سوم

باب دوازدہم

فہرست مقدمات بترتیب حروف تہجی حصہ اوّل

تمت

مطبوعہ مطبع لامع النور آگرہ

شرع محمدی

مشتمل

بر دو حصہ

مؤلفہ

جناب منشی محمد حسین صاحب بی - اے - وکیل ہائیکورٹ
و منصف ممالک مغربی و شمالی

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام قادر علیخان صوفی حلیۂ طبع پوشید

سنہ ۱۸۹۹ء

اُردو مین شرع محمدی پر ابتک کوئی مستند کتاب جہانتک مجھے علم ہے کسی صاحب نے تالیف نہین کی حالانکہ اسکی ضرورت اصحاب قانون پیشہ عرصہ سے محسوس کر رہے ہین۔ اس احتیاج کے پورا کرنے کی کوشش اس کتاب کے ذریعہ سے کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ فقہ کی کتابین صدیان گذرین کہ سلطنت اسلامی کے دور دورہ مین تصنیف و تالیف ہوئین۔ امتداد زمانہ و انقلاب سلطنت نے تمدن و طرز معاشرت مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین۔ بہت سے قانون منسوخ ہوگیے اور اونکی جگہہ جدید قانون قایم ہوگیے۔ کتب فقہ مین جو مسائل اصول معاہدہ و شہادت وغیرہ کے متعلق درج ہین اب ہندوستان مین قانون کا حکم نہین رکھتے۔ شرع محمدی کا تہوڑا بہت حصہ[1] جو مسلمانون کے لیے اب بہی قانون کا حکم رکھتا ہے[1]۔ اوسمین بہی ضروریات ملکی کے لحاظ

[1] دیکھو ایکٹ نمبر ۷ سنہ ۱۸۷۱ء (ایکٹ عدالت ہاے دیوانی بنگال) مظہر علی بنام بدہ سنگہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۳۰۲ و یوسف علی بنام کلکٹر تراکلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۱ و فاطمہ بی بی بنام اڈوکیٹ جنرل بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲۔

سے واضعان قانون نے جا بجا تغیر و تبدل کر دیا ہے - ان پر اور اس قسم کی دوسری باتون پر خیال رکھکر یہ مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کی قدیم کتابین اب اس زمانہ کی کل ضروریات کی کفیل ہو سکتی ہین - اس لیے اس کتاب کی تالیف مین مذہب سنّی و شیعہ کی مستند کتب فقہ کے علاوہ فیصلجات عدالت و زمانہ موجودہ کے نامی مصنفان کی کتابون سے (جو انگریزی زبان مین ہین) مدد لیگئی ہے - اور موقع مناسب پر اون ایکٹون کا بہی ذکر کیا گیا ہے جسکے ذریعے سے کچھہ تبدل و تغیر پیدا ہوا ہے -

شرع محمدی کی بنیاد قرآن پاک و حدیث پر ہے - لیکن ان مین تمام جزئیات مذکور نہین ہین - علاوہ اسکے قرآن مجید کے نازل ہونے و رسول عربی کے بعثت کے وقت عرب کا تمدن بہت ابتدائی حالت مین تہا - کچھہ زمانے بعد فتوحات اسلامی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور مختلف قوم و ملت کے لوگون سے بحیثیت فاتح سابقہ پڑا - تجارت و تمدن نے بہی اوسی پیمانہ پر ترقی کی - جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس قدر کثرت سے نئے معاملات پیش آنے لگے جن کے لیے قرآن مجید یا حدیث مین کوئی حکم بتصریح موجود نہ تھا یا حکم کی تصریح تہی مگر حدیثین اسکے معارض تہین ایسی صورتون مین اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی جسکا نام فقہ پڑا - چونکہ رسول مقبول کی وفات کے بعد ہی خلفائے راشدین کے زمانہ مین فتوحات ملکی بڑی سرعت سے شروع ہو گئین اس لیے یہ لازمی تہا کہ فقہ کی بنیاد بہی اوسی وقت سے قایم ہو - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

فقہ کی توسیع اور اوسکا تمام ضروریات کے لیے کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے - کتب فقہ مین قیاس کی یہ تعریف کی گئی ہے "وہ اصل کے حکم کو فرع تک پہونچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونون مین مشترک ہو" قیاس کے لئے دو ضروری شرائط ہین (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنی اوس کے بارے مین کوئی خاص حکم

موجود نہو (۲) مقیس و مقیس علیہ مین علت مشترک ہو - گو استنباط مسائل کے قواعد خلافت راشدہ کے زمانہ مین قایم ہو چکے تھے اور بعدہٗ اونپر اور بزرگون نے بہت کچھ اضافہ کیا مگر فقہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت زیادہ تر امام ابو حنیفہ کی ذات سے حاصل ہوئی گو اس اولیت کے مدعی اور بزرگ بھی کہے جا سکتے ہین -

امام ابو حنیفہ کا نام نعمان - کنیت ابو حنیفہ و لقب امام اعظم ہے - ۸۰ ہجری مین پیدا ہوئے و ۱۵۰ ہجری مین وفات پائی - اِن کے بیشمار شیوخ مین امام مالک و حضرت امام باقر و اونکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہما السلام (جو شیعون کے پانچوین و چھٹے امام ہین) داخل ہین - آخر الذکر دو حضرات سے فیض صحبت سے امام ابو حنیفہ نے بہت فائدہ اوٹھایا - مگر علم فقہ مین اونکے مستقل اوستاد حماد کوفہ کے مشہور امام ہین فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین مین جسمین ۳۰ برس کا زمانہ صرف ہوا علاوہ امام ابو حنیفہ کے اونکے چالیس شاگرد بھی شریک تھے مگر اِن سب مین قاضی ابو یوسف و امام محمد و امام زفر بہت ممتاز ہین -

قاضی ابو یوسف ۱۱۳ ہجری یا ۱۱۷ ہجری مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے و ۱۸۲ ہجری مین وفات پائی اور جب تک امام ابو حنیفہ زندہ رہے ہمیشہ اونکے حلقہ درس مین حاضر ہوتے رہے - ۱۶۶ ہجری مین خلیفہ مہدی عباسی نے اونکو قاضی مقرر کیا - لیکن خلیفہ ہارون الرشید نے تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا - امام احمد حنبل ان کے شاگردون مین ہین قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہین جنہون نے فقہ مین تصنیفین کی ہین -

امام محمد بن الحسن الشیبانی - یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہین - اِن کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گانون تھا - ۱۳۵ ہجری مین پیدا ہوئے و ۱۸۹ ہجری مین وفات پائی -

ان کے شاگردون مین امام شافعی ہین جو کہتے ہین کہ "مین نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے" امام محمد کی تصنیفات فقہ مین بہت زیادہ ہین اور آج فقہ حنفی کا مدار انہین کتابون پر ہے۔

امام زفر ۱۱۰ہجری مین پیدا ہوئے و ۱۵۸ھ مین وفات پائی۔ فقہ مین اُن کا تبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے[1]۔

اسلامی دنیا کا غالب حصہ مذہب حنفی کا پیرو ہے۔

اہل سنت وجماعت کے چار مذہب ہین۔ ایک تو وہ جسکے بانی امام ابو حنیفہ ہین۔ بقیہ تین کے بانی امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل ہین۔

امام شافعی کا وطن مکہ معظمہ تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی مطلبی و مان کی طرف سے ہاشمی تھے۔ انھون نے ۸۱۹ء مین ملک مصر مین انتقال فرمایا۔ مذہب شافعی عرب۔ مصر۔ شمالی افریقہ۔ و بمبئی کے اکثر بورون مین رائج ہے۔

امام مالک مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کے پیرو عرب و شمالی افریقہ مین ہین۔ امام احمد بن حنبل کے پیرو بہت کم ہین۔

شیعہ و سنّی مین جس امر مین اختلاف ہے وہ مسئلہ امامت و خلافت ہے۔ سنیون کا یہ اصول ہے کہ امام یا خلیفہ جملہ مسلمین کی طرف سے انتخاب ہوتا ہے۔ برعکس اسکے شیعہ یہ کہتے ہین کہ امام پیدائشی اور آل رسول سے ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ شیعہ صرف اون احادیث نبوی کو مانتے ہین جسکی تصدیق اہل بیت نے کی ہو۔ برخلاف اسکے سنیون کے نزدیک اس قسم کی کوئی قید نہین ہے۔

---

[1] امام ابو حنیفہ و اون کے شاگردون کا مختصر حال سیرۃ النعمان مولفہ مولانا شبلی نعمانی سے ماخوذ ہوا ہے۔

اہل شیعہ مین بہی چند فرقے ہین - لیکن لفظ شیعہ سے فی زمانہ اثنا عشریہ یعنی پیروان بارہ امام مفہوم ہوتے ہین - اثنا عشریہ کے بہی دو فرقے ہین - اصولی و اخباری - اصولی صرف اون احادیث کو مانتے ہین جو بہت سخت جانچ و تنقیح کے بعد صحیح ثابت ہوئی ہین - اور اصول شرع کی تشریح کرنے اور اون کو روزانہ معاملات سے متعلق کرنے مین اپنی راے کو بہت زیادہ دخل دیتے ہین - برعکس اسکے اخباری شیعہ صرف اپنے مجتہد کی راے و تشریح پر عمل کرتے ہین -

جن نظائر کا حوالہ اس کتاب مین دیا گیا ہے اون کا پورا پورا پتہ فٹ نوٹ مین دیا ہے - خلاصۂ نظائر سے اود مین صاحب کا ڈایجسٹ مراد ہے جو جملہ عدالتون کے کتب خانہ مین موجود ہین - و جن نظیرون کی نسبت یہ لکھا ہے کہ فلان ہائی کورٹ کی فلان جلد اون سے انڈین لا رپورٹ کی وہ مخصوص جلد مراد ہے -

اس تالیف مین کتب ذیل سے مدد لیگئی ہے - عین الہدایہ و در المختار و فتاوی عالمگیری مطبوعہ نولکشوری و سید امیر علی کی مکمل شرع محمدی ہر دو جلد و مختصر شرع محمدی جس کا نام اسٹوڈینٹس ہینڈ بک آف محمدن لا ہے - و ٹیگور لا لکچرس ۱۸۸۴ء و شامان چرن سرکار کا ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء

اخیر مین ان مصنفان و مولفان کا شکریہ ادا کرتا ہون جنکی بیش بہا کتابون سے مین نے اپنی اس ناچیز تالیف مین مدد لی ہے -

راقم
محمد حسین

فتح آباد
ضلع آگرہ
۱۵ نومبر ۱۸۹۹ء

شرع محمدی کے مطابق مالک جائداد اپنی ہر قسم کی جایداد کا خواہ وہ مکسوبہ ہو یا موروثی اپنی حیات مین قطعی مالک ہے۔ وہ اپنی مرضی کے موافق جسطرح چاہے اوسمین تصرف کرسکتا ہے بشرطیکہ اوسکا نفاذ بھی اپنی حیات مین کردیا ہو۔ اگر کسی نے ہبہ کیا تو ضرور ہے کہ جائداد موہوبہ کو اپنی حیات مین موہوب لہٗ کے قبضہ واقعی یا معنوی مین دیدیا ہو۔ واہب کو فی الواقع اپنے تمام حقوق ملکیت کو شے موہوبہ سے خارج کرکے موہوب کو موہوب لہٗ کے حوالہ کرنا چاہیئے۔

انتقال کے دو طریقے ہین۔

۱۔ حیات مین۔ ۲۔ وصیت کے ذریعہ سے جو بعد وفات موصی کے نفاذ مین آتا ہے۔

جو تصرف کہ مرض الموت مین کیا جاتا ہے وہ مثل وصیت کے متصور ہوتا ہے مگر اِسکے متعلق زیادہ وضاحت سے وصیت کے باب مین لکھا جائیگا۔

حالت حیات کے انتقالات مین سے صرف وقف وھبہ کے متعلق ہمکو زیادہ بحث کرنی ہے

۱- کسی مخصوص جایداد کو عمداً بلامعاوضہ کے منتقل کرنے کو ہبہ کہتے ہین-

۲- مخلوق خدا کے فایدہ کے لئے یا کسی مذہبی یا کار خیر کے اغراض کے لیے کسی جائداد کی منفعت کو ہمیشہ کے لیے دیدینا وقف ہے- سُنّی مذہب مین کسی جائداد کی منفعت کو ایک محدود زمانہ کے واسطے بلامعاوضہ اسطرح دیدینا کہ جب چاہے واپس کرلے عاریتہً کہلاتا ہے-

ہبہ وعاریتہ کی تعریف بمقدمہ محمد فیض احمد خان بنام غلام احمد خان سب جج علیگڈھ نے بہت واضح طور پر کتب مستند کے حوالہ سے بیان کی ہے اور اصول قرار دادہ فیصلہ مذکور پریوی کونسل سے بحال رہا-

(بہ وعاریت / ں احمد خان / م غلام احمد خان / ین لا رپورٹ / آباد جلد ۱۳ / صفحہ ۴۹)

مالک کردینا عین شے کا بلامعاوضہ کے ہبہ ہے- اور صرف منافع کا بلامعاوضہ مالک کردینا عاریت ہے (در المختار کتاب ہبہ) واہب کا عاقل و بالغ ہونا اور شے موہوب کا مشاع نہونا اور مقبوضہ واہب ہونا اور ایجاب وقبول ہونا لازم ہے- فاسد شرایط سے ہبہ باطل نہین ہوتا مثلاً ایک غلام اس شرط پر ہبہ کیا ہے کہ موہوب لہ اوسکو آزاد کردے تو شرط باطل و ہبہ جائز ہوگا (در المختار کتاب ہبہ) عاریت مین نہ واہب کا بالغ ہونا ضرور ہے نہ موہوب کا غیر مشاع ہونا نہ ایجاب کے بعد قبول شرط ہے (عالمگیری) عماویہ مین مشاع کی عاریت وودیعت وبیع کے جواز کی صراحت ہے (در المختار کتاب عاریتہ) جن الفاظ سے عاریت واقع ہوتی ہے عالمگیری مین اوسکے واسطے ایک خاص باب ہے اوسکو اس جگہ مین نقل کرتا ہون تاکہ یہ معلوم ہو کہ عاریت کے لیے کون سے الفاظ کس معنی مین مستعمل ہوتے ہین- کتاب العاریتہ باب دوم عالمگیری- اگر کہا کہ مین نے تجھکو بغیر معاوضہ کے اس گھر کی منفعت کا مالک ایک مہینہ کے لیے کردیا یا لفظ مہینہ نہ کہا تو عاریت ہوگی- ایسا ہی قاضی خان کے فتاوی مین ہے اور اگر کہا کہ مین نے تجھکو یہ کپڑا قرض دیا تاکہ تو اوسے ایک دن پہنے یا یہ کہا کہ مین نے تجھے یہ گھر قرض دیا تاکہ تو اسمین برس بھر رہے تو عاریت ہے (فتاوی تاتارخانیہ) اگر کہا کہ مین نے اس مہینہ مین تیری

سکونت کے لیے یا اپنی زندگی بھر بطریق سکونت کے یہ مکان تجھکو دیا تو یہ عاریت ہے (ظہیریہ) اگر کہا کہ مین نے تجھکو اسپر (گھوڑے پر) خدا کے واسطے سوار کر دیا تو یہ عاریت ہے (فتاوی قاضی خان) اگر کہا کہ میرا مکان تجھے ہبہ ہے رہنے کے لیے یا رہنے کے واسطے ہبہ ہے تو عاریتہ ہے (ہدایہ) اگر کہا کہ میرا مکان تیرے رہنے کے لیے عطیہ ہے یا بطریق سکونت صدقہ ہے یا صدقہ عاریتہ یا بطریق عاریت ہبہ ہے پس یہ کل عاریت ہے ایسا ہی کافی مین ہے اگر کہا کہ میرا مکان تیرے لیے رقبٰے ہے (یعنی تیرے واسطے ہے اگر تو میرے بعد تک زندہ رہے اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد تک زندہ رہون) یا حبس تو یہ امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک عاریت ہے و امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ ہے اور اوسکا رقبٰے یا حبس کا کہنا باطل ہے (بدایع) اگر کہا کہ میرا گھر رقبٰے ہے یعنی تیرے لیے ہے اگر میرے بعد تک زندہ رہے۔ اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد تک زندہ رہون یا حبس تو بالاتفاق یہ عاریت ہے۔ (منابیع)۔ اگر کسی نے کہا کہ مین نے تجھے یہ گدہا دیا تاکہ تو اوس سے کام لے اور اوسکو اپنے پاس سے چارہ دے تو یہ عاریت ہے۔ قینیہ۔ اگر اوس نے کہا کہ مین نے تجھے کھانے کے لیے یہ درخت دیا تو عاریت ہے مگر یہ کہ اوس سے ہبہ کا ارادہ کیا ہو۔ تمت تا شی یہی الفاظ ہین جنسے عاریتہ کی تعبیر ہوتی ہے۔ ان تمام الفاظ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وَهَبْتُ کا لفظ ان مین کہین مستعمل نہین ہوا ہے اور جو لفظ هِبَةً سُكْنَى یا سُكْنَى هِبَةً کا استعمال ہوا ہے وہ عین شئے کے ہبہ پر دلالت نہین کرتا ہے اور وہ تفسیر ہے دَارِی لَكَ کی۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ گھر جو دیا گیا ہے وہ سکونتاً دیا گیا۔

اب مین اون الفاظ کو بتاتا ہون جنسے ہبہ ہوتا ہے۔ وہ تین قسم کے لفظ ہین۔ ایک وہ جو بالخصوص ہبہ کے لیے موضوع ہوئے ہین۔ دوسرے وہ جس سے کنایتہ و عرفاً ہبہ واقع ہوتا ہے تیسرے وہ جو ہبہ و عاریتہ کے لیے مساوی احتمال رکھتے ہین۔ عالمگیری مین ہے کہ وہ الفاظ

جس سے ہبہ واقع ہوتا ہے تین قسم کے ہین - ایک وہ الفاظ ہین جو ہبہ کے لیے بالخصوص وضع ہوئے ہین - قسم دوم جن الفاظ سے کنایۃً وعرفاً ہبہ واقع ہوتا ہے - تیسرے وہ الفاظ جو ہبہ و عاریت دونون کے لیے ساوی طور پر محتمل ہین - قسم اول کی مثال مثلاً مین نے یہ شے تجھے ہبہ کردی یا تجھے اسکا مالک کردیا - یا مین نے تیرے واسطے کردیا یا یہ شے تیرے واسطے ہے - یا مین نے تجھے عطا کیا یا دیدی پس یہ سب الفاظ ہبہ ہین - دوسری قسم کی مثال مثلاً یہ کہا کہ مین نے تجھے یہ کپڑا پہنایا یا مین نے تجھے اس گھر مین آباد کردیا تو یہ ہبہ ہے - اسیطرح اگر یون کہا کہ میری عمر بھر یا تیری عمر بھر یا میری زندگی بھر یہ مکان تیرا ہی پھر جب تو مرجاے تو وہ مجھے واپس ملیگا تو یہ ہبہ جائز ہے اور شرط باطل ہے - تیسری قسم کی مثال اگر کہا کہ یہ گھر تیرے لیے رقبلے یا حبس ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک یہ عاریت و امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ ہے - محیط سرخسی -

اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ وَهَبْتُ کا لفظ جسکے یہ معنی ہین کہ مین نے ہبہ کیا وہ لفظ ہے جو ہبہ کے لیے بالخصوص موضوع ہوا ہے اور یہ لفظ عاریت کے معنی مین مستعمل نہین ہوتا اور یہی لفظ ہے جو دستاویز موسومہ ہبہ نامہ مین مستعمل ہوا ہے - دستاویز مین کوئی لفظ محتمل المعنی مستعمل نہین ہوا ہے - اور جو الفاظ کہ اوسمین بعد مین مذکور ہین وہ بطور مشورہ کے ہین کتب فقہ مین ایک مثال ہے جو نہایت موثر مقدمہ ہے اور جس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ معاملہ متنازعہ ہبہ تھا نہ عاریت - یہ مثال ہدایہ اور درمختار و عالمگیری سب کتابون مین موجود ہے -

دَارِیْ لَکَ هِبَةٌ تَسْکُنُهَا یعنی میرا گھر تیری ملکیت ہے بطریق ہبہ کے تو اوسمین سکونت رکھ - عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جملہ اسمیہ کی تفسیر جملہ فعلیہ نہین واقع ہوتا دَارِیْ لَکَ هِبَةٌ جملہ اسمیہ ہے اور تَسْکُنُهَا جملہ فعلیہ اسلیے تَسْکُنُهَا فقرہ اول کی تفسیر نہین ہوسکتی - بلکہ بطور مشورہ واہب او سکو سکونت کی ہدایت کرتا ہے - جسکا ماننا یا نہ ماننا موہوب لۂ

کے اختیار مین ہے۔ ہبہ کی صحت کی بابتہ جہان اور جملے لکھے ہین وہان کتب فقہ مین
یہ لکھا ہے "میر امکان تیرے لیے ہبہ ہے کہ تو اوسمین رہے۔ یہ الفاظ کہ تو اوسمین
سکونت رکھہ مثل مشورہ کے ہین نہ کہ مثل تفسیر کے کیونکہ فعل اسم کی تفسیر نہین ہوسکتا۔ سو بیشک
اوسمین ملکیت کا اشارہ اس طور پر کیا کہ اوس مین رہا کرے پس وہ چاہے اس مشورہ کو قبول
کرے۔ خواہ نہ قبول کرے۔ پس اگر یہ کہا جائی جیسا کہ عاریت کے الفاظ مین مذکور ہوا ہے دَارِیْ لَکَ
هِبَةٌ سُکْنٰی اَوْ سُکْنٰی هِبَةٌ اوسمین هِبَةٌ سُکْنٰی تفسیر ہے (بیان) ملکیت کی
بخلاف دَارِیْ لَکَ هِبَةٌ تَسْکُنُهَا کے کہ اوسمین تفسیر نہین ہے۔ ہدایہ۔ لَوْ قَالَ
هِبَةٌ تَسْکُنُهَا فَهِیَ هِبَةٌ لِاَنَّ قَوْلَهٗ تَسْکُنُهَا مَشْوَرَةٌ وَلَیْسَ بِتَفْسِیْرٍ وَهُوَ هِبَةٌ
عَلَی الْمَقْصُوْدِ۔ بخلاف قَوْلِهٖ هِبَةٌ سُکْنٰی لِاَنَّهٗ تَفْسِیْرٌ لَهٗ یعنی اگر کہا کہ
ہبہ کیا تا کہ اوسمین رہے تو یہ ہبہ ہے کیونکہ اوسکا تَسْکُنُهَا یعنی تو اوسمین رہے گا کہنا بطور مشورہ
کے ہے نہ کہ اوسکی تفسیر اور اوس سے مقصود ہبہ ہے۔ بخلاف اوسکے اگر اوس نے کہا کہ هِبَةٌ
سُکْنٰی تو اسمین سُکْنٰی یعنی رہنے کے لیے تفسیر ہے ہبہ کی۔ جہان ہبہ نامہ مین یہ الفاظ لکھے
ہین کہ ہبہ کیا و دخل و قبضہ کرا دیا۔ اوسکے بعد جو یہ ہدایت کی ہے کہ بھابی صاحبہ انتظام دیہات
کرین اور آمدنی اپنی ضروریات اور مالگذاری سرکار مین صرف کرین یہ تمام بطور مشورہ کے ہے
ہبہ کا معاملہ پہلے الفاظ پر ختم ہوگیا ہبہ کیا کا لفظ اپنے اصلی معنون پر دال ہے اور وہ قانون کی
نسبت بولا گیا ہے۔ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ سے ہمیشہ اوسکے اصلی معنے مراد ہوتے
ہین ہان اگر کہین اصلی معنی درست نہ ہوتے ہون تو مجازی معنی مراد لیے جاینگے۔ غیر زبانون
کی کتاب سے زیادہ سند کی ضرورت نہین۔ یہان جس دستاویز مین یہ عبارت ہے ہبہ کے
اصلی معنی عمدہ طور سے چسپان ہوتے ہین۔ واہب نابالغ نہین۔ شے موہوبہ مشاع نہین۔
کوئی وجہ نہین کہ ہبہ کے معنی عاریت کے لیے جاوین۔ اور جہان صاف لکھا ہے کہ موضع سہاولی

وکمال آباد ہبہ کیا اوسکی تفسیر یہ کیجاوے کہ منافع موضع سہاولی وکمال آباد بطور عاریتہ دیا۔
تمام دستاویز کی عبارت پڑہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فیض احمد خان کے دلمین
عاریت کا تصور بہی نہ تہا۔ اونہون نے کافی الفاظ استعمال کیے ہین جنسے بجز ہبہ کے اور
کوئی دوسرے معنی مراد نہین ہوسکتے اور تمام طرز ہبہ کا ہے عاریتہ کا کہین پتہ نہین ہے۔
جایداد کی مالیت قرار دی۔ اسٹامپ پورا لگایا۔ مشاع کے شبہہ سے جو ہبہ کے لیے مضر تہا
اوسمین لکہا کہ بلاشرکت دونون گانون میرے ہین۔ پھر یہ لفظ لکھا کہ ہبہ کیا۔ اور اوسکو بیانتک
مستحکم کیا کہ مجکو یا میرے وارثون کو دعوی نہ ہوگا۔ پہر آخر مین نوعیت دستاویز بہی یہ لکھکر
کہولدی کہ ہبہ نامہ لکھدیا۔ قبضہ بہی مسماۃ کو دیدیا جو موجب تکمیل ہبہ ہے۔ دستاویز مین لکہا
(جسکی عاریت مین کچھ ضرورت نہ تہی) مسماۃ سے قبولیت کی بابتہ دستاویز لکھوائی جس قبول
کی صحت ہبہ مین ضرورت تہی (عاریتہ مین کچھ ضرورت نہ تھی) بعد اختتام مضمون دستاویز و تحریر
فقط کے مکرر اقرار یہ ہے کرکے جو عبادت لکھی ہے اوس سے تو مدعا علیہ نے اور بہی
نوعیت ہبہ کو صاف کردیا کہ یہ ہبہ بالعوض ہے۔ کوئی وجہ نہین ہے کہ تمام الفاظ کی اصلی تعبیر کیون نہ ہو اور
معاملہ کی نوعیت عاریت کیون قرار دیجاوے۔ جسکا کہین تمام دستاویز مین تذکرہ بہی نہین ہے
عاریت کا قرار دینا بجز اسکے نہین ہوسکتا کہ تمام الفاظ اپنے حقیقی معنون مین استعمال نہ کیے جائین
لیکن اسکی بہت قوی وجہہ ہونی چاہیئے جو عدالت کے نزدیک مفقود ہے۔

حکام پریوی کونسل نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کرکے یہ تحریر کیا۔ کہ اگر اغراض ہبہ مین
سے کسیکی تخصیص کیجاوے تو اسکی وجہ سے ہبہ کا اثر محدود یا کم نہین ہوجاتا۔

بمقدمہ نصیر حسین بنام صغری بیگم[۹۱] واہب نے ایک مکان موہوب لہم اور اونکے ورثاء کو نسلاً
بعد نسلاً سکونت کے لیے ہبہ کیا اور یہ شرط کی کہ اگر موہوب لہم مکان مذکور کو بیع یا رہن کرین

---

[۹۱] ہفتہ وار الہ آباد ۸۳ء صفحہ ۱۰۶۔

تو واہب کے ورثاء کو دعویٰ کرنیکا حق ہوگا۔ تجویز ہوئی کہ شرائط بطور مشورہ کے ہین اور اس سے ہبہ کا اثر محدود یا کم نہین ہوتا۔

بمقدمہ کنور بائی بنام اعلم خان[۵] دستاویز کی عبارت یہ تھی کہ چھوٹے صاحب نے اپنے نابالغ لڑکے میر رحیم اسد کو میری گود دیا اوسوقت سے مین اوسکو مثل اپنے لڑکے کے پرورش و تربیت کرتی ہون اوسکو مین نے اپنی تمام جائداد و اسباب کا مالک قرار دیا ہے اور اوسپر قابض کرا دیا ہے . . . تجویز ہوئی کہ یہ دستاویز ہبہ نامہ ہے نہ کہ وصیت نامہ۔

فصل دوم واہب

سید امیر علی صفحہ ۱۴

مثل دیگر معاہدون کے ہبہ کی صحت کے لیے بھی یہ ضرور ہے کہ واہب مین ہبہ کرنے کی اہلیت و قابلیت ہو۔ ہر تصرف شرعی کی صحت کے لیے کچھ اختیار شرط ہے یعنی تصرف کرنے والے پر جبر و اکراہ کا اثر نہ ہو۔ رضامندی ایک عقل کا کام ہے جسمین غور و تامل بھی شامل ہے اور انسان اوسکی بھلائی برائی کو گویا ترازو مین تولتا ہے۔ تمام تصرف شرعی عقد ہین اور ہر عقد کی صحت اس امر پر موقوف ہے کہ عقد کرنیوالا آزادی کے ساتھ اوسکے نتیجہ پر غور کر سکتا تھا اگر کوئی شخص کسی پیدائشی یا خارجی یا اتفاقی سبب سے اس قابل نہین ہے کہ آزادی کے ساتھ

[۵] بمبئی جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

عقل سے کام لے تو اوسکے جملہ تصرفات کالعدم ہین - اسلیئے جملہ تصرفات شرعی کے لیے (۱) بلوغیت (۲) عقل (۳) آزادی (۴) ملکیت اوس شئے کی ہونی جسپر تصرف کیا جاے شرط ہے -

نابالغی نابالغ بوجہ خامی عقل و فہم کے کسی عقد کرنے کی قابلیت نہین رکھتا - شرع مین پندرہ سال پورے ہونے پر نابالغی ختم ہوجاتی ہے (یہ عام راے ہے مگر بعض فقہا کے نزدیک اٹھارہوین سال پورے ہونے پر انسان بالغ ہوتا ہے) - اور قبل نفاذ ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ع ہر مسلمان شخص بعد پورے ہونے پندرہ سال کی عمر کے اپنی جائداد کے متعلق ہر قسم کے تصرفات کرنے کی قابلیت رکھتا تھا - لیکن بعد نفاذ ایکٹ مذکورہ کے قانوناً تین قسم کی بلوغیت قرار دیگئی ہے - بموجب دفعہ ۳ - ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ء نکاح و طلاق و مہر کے متعلق شرعی سن بلوغ قایم رکھا گیا - دیگر معاملات مین ایسے اشخاص کے لیے جو کورٹ آف وارڈس کی نگرانی مین ہین یا جنکے لیے کسی عدالت دیوانی نے کوئی ولی مقرر کیا ہے ۲۱ برس سن بلوغیت ہے اور دوسرون کے لیے ۱۸ برس - اول الذکر صورت مین تا وقتیکہ کوئی شخص ۲۱ برس کی عمر کا نہو شرعاً ہبہ نہین کرسکتا اور صورت ثانی مین تا وقتیکہ ۱۸ سال کی عمر کا نہو - قانون مذکور کی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک ہی شخص کی قابلیت کی نسبت اوسکے مختلف افعال مین بہت دقتین پیدا ہوتی ہین - مثلاً کسی عورت کو جو پندرہ برس سے زیادہ عمر کی ہے مگر ایکٹ مذکور کی روسے جو سن بلوغت قرار دیا گیا ہے اوس سے کم عمر ہے یہ اختیار ہے یا نہین کہ وہ اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کرسکے یا معاف کرسکے -

جنون تمام معاہدے یا عقود جو مجنون یا سفیہ نے کیے ہون کالعدم ہین لیکن اگر جنون مطبق نہین ہے تو وہ ایسے وقت جسمین اوسکو جنون نہین ہے چند شرایط کے ساتھ عقد یا معاہدہ کرسکتا ہے ہدایہ مین مجوری یعنی ممنوع التصرفات ہونے کے تین سبب بیان کیے گئے ہین یعنی نابالغی و جنون

وغلامی۔ گو فقہ کی کتابون مین صرف جنون ہی ممنوع التصرفات ہونیکا سبب بیان کیا گیا ہے
لیکن جو مثالین بیان کی گئی ہین اون سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون نے اپنی حفاظت کا فائدہ
صرف ایسے ہی لوگون کے لیے مخصوص نہین رکہا ہے جو مختلف اقسام کے جنون مین گرفتار
ہین بلکہ اوسکی حفاظت مین ایسے اشخاص بہی شامل ہین جو اتفاقی حالات مین عارضی طور پر
اپنی عقل سے کام لینے مین معذور ہین۔ لارڈ کوک کی کتاب سے اسٹوری صاحب نے
اون اشخاص کی فہرست نقل کی ہے جو قانوناً معاہدہ کرنے کی قابلیت نہین رکہتے اور شرعی
تصرفات مین جو شرط ہے کہ تصرف کرنے والا عاقل ہو تو عاقل کی توضیح کے لیے وہی بیان
غالباً شرع مین بہی صحیح ہوگا۔

لارڈ کوک صاحب نے چار قسم کے اشخاص بیان کیے ہین جو باعتبار اپنے دل کی حالت
کے قانوناً ناقابل معاہدہ یا عقد ہین۔ اول جو پیدایشی سفیہ ہے۔ دوسرے وہ جو پیدایشی توی
و اچہا حافظہ رکہتا تہا۔ مگر بعد مین کسی بیماری وغیرہ سے زائل ہو گیا۔ تیسرے مجنون جو کبہی
اپنے حواس مین رہتا ہے اور کبہی نہین۔ چوتھے وہ جو خود اپنے فعل سے اپنے کو اپنے افعال
کے نتیجہ سمجہنے کے ناقابل بنا دیتا ہے مثلاً شراب خوار۔ اس آخر الذکر قسم کی نسبت گو عام طور سے
یہ کہنا صحیح ہے کہ شراب خواری سے کسی فعل کے نتیجہ یا جرم کی سنگینی مین تخفیف نہین ہوتی بلکہ
زیادتی ہو جاتی ہے اور شراب خواری کے باعث وہ کسی رعایت کا مستحق نہ ہوگا اور گو قانون
کے بموجب شراب خوار کے افعال و معاہدہ بے اثر نہین ہین۔ لیکن عدالت ہاے انصاف
شراب خوارونکو اونکے افعال و معاہدون کے نتیجہ سے بری کرتی ہے درحالیکہ وہ فعل یا معاہدہ
انہون نے بیہوشی کی حالت مین کیا اور فریق ثانی نے دہوکا و فریب دیکر اون سے وہ افعال
کرائے۔ کیونکہ شراب خوار چاہے کیسے ہی بڑے فعل کا مرتکب کیون نہ سمجہا جائے۔ مگر
اس سے فریق ثانی کو کوئی استحقاق اس امر کا نہین حاصل ہوتا ہے کہ عدالت اونکے خلاف تہذیب

خواری

وفریبی کارروائی مین معین ہو۔

شراب خواری کی بناء پر کسی فعل یا معاہدہ کو منسوخ کرنیکے لیے صرف یہی امر کافی نہین ہے کہ وہ شخص شراب کے نشہ مین تھا۔ بلکہ نشہ اوس اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے جس نے اوسکی عقل وفہم کو بالکل معطل کردیا ہوا ور جب یہ حالت ہے تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اوس شخص نے غور وتامل کرکے کوئی فعل یا معاہدہ کیا۔ اگر نشہ اوس اعلیٰ درجہ کا نہین ہے تو عدالت ہاے انصاف اوسکے افعال کے نتیجہ سے اوس شخص کو بری نکرینگی تاوقتیکہ یہہ نہ ثابت ہو کہ فریق ثانی نے اوسکے نشہ کی حالت سے فائدہ اوٹھا کر یا اوسے دہوکا وفریب دیکر اپنے مفید کوئی کام یا معاہدہ کرایا ہے۔ کیونکہ عام طور پر عدالت ہاے انصاف بخیال مصلحت ایک جانب اس امر پر مائل نہین ہین کہ کسی ایسے شخص کی رعایت کرین جس نے دوسرے سے حالت نشہ مین کوئی معاہدہ کرایا اور اسی طرح دوسری جانب وہ اس امر پر مائل نہین ہین کہ کسی شراب خوار کو اوسکے افعال کے نتیجہ سے صرف اس بناء پر بری کرین کہ اوس نے نشہ کی حالت مین ایسا کیا۔ اس لیے عدالت انصاف فریقین کو اپنا چارہ کار قانونی حاصل کرنے کی ہدایت کریگی بشرطیکہ کسی فریب یا دہوکہ سے کام نہ لیا گیا ہو۔

شراب خواری کے متعلق مصنفان قانون نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ اگر کسی شخص نے نشہ کی حالت مین کوئی معاہدہ کیا گو اوس شخص نے اپنی خوشی سے بھی شراب پی ہو تو وہ معاہدہ کالعدم ہے کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا کہ رضامندی دینے کے وقت وہ غور وتامل کرسکے۔ . . . ایک مصنف اس امر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یا تو نشہ بہت زیادہ ہوگا یا اوسط درجہ کا۔ اگر متوسط درجہ کا ہے یعنی اس قسم کا کہ اوسکی عقل اس درجہ زایل نہین ہوئی تھی کہ وہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس سے معاہدہ کرتا ہے اور کیا معاہدہ کرتا ہے تو وہ معاہدہ قابل پابندی ہوگا۔ لیکن اگر نشہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ شخص نشہ کی حالت مین ہے تو اوس شخص نے جس نے

اوس سے معاملہ کیا یا تو شخص مدہوش کو فریب دیا یا کم سے کم اوسکو فریب اپنی اس غلطی کیطرف منسوب کرنا چاہیے کہ اوس نے ایسے شخص سے جو حالت مدہوشی مین تھا کوئی معاملہ کیا۔ اسس فرق کو اسکاٹلینڈ کے قانون نے صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ وہان کے قانون کے بموجب کوئی شخص جو بالکل مدہوشی کی حالت مین ہے اور اسوجہہ سے اوسکی عقل معطل ہوگئی صحیح طور پر کوئی معاہدہ نہین کرسکتا۔ لیکن کم درجہ کا نشہ عقل پر صرف ایک پردہ ڈال دیتا ہے اور وہ معاہدون کے منسوخ ہونیکا سبب نہین ہوسکتا۔"

سفیہ قریب قریب اسکی ہمشکل اوس شخص کی حالت ہے جسکو مجنون نہین کہہ سکتے مگر دل کا ایسا کمزور ہے جو فریب ودہوکے مین آجاتا ہے یا ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص اصرار سے کچھ کہے یا ناجایز دباؤ سے کام لے تو اوسکے کہنے کو نہین ٹال سکتا۔ ایسی حالت مین اس امر کی تلاشش بالکل غیرضروری ہے کہ یہ کمزوری کیونکر پیدا ہوئی یعنی بیماری کی وجہہ سے یا ضعیفی کی وجہہ سے یا بچپن سے پیدائشی ہے یا کسی خوف سے یا ہجوم مصیبت سے یا ہمیشہ متفکر رہنے سے۔ کسی نے خوب کہا کہ گو کسی شخص کی ناقابل معاملہ ہونیکا کوئی قطعی ثبوت نہ ہو لیکن اگر وہ کم سمجھ کا آدمی ہے اور اوسوقت تکلیف ومصیبت مین ہے یا مفلوج ہے اور دستاویز لکھے تو ایسی حالتون مین یہ نہین خیال کیا جاسکتا کہ وہ دستاویز لکھنے کے وقت اپنے پہلو مین ایسا دل رکھتا تھا جیسا کہ اس قسم کے معاملہ سمجھنے کے لیے ضرور تھا اور اسلیئے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اوسے آسانی سے فریب دیا گیا" صرف سفاہت ممنوع التصرف ہونیکا سبب نہین ہوسکتا (ل) اسلیے ایک کمزور دل کے آدمی کے افعال صحیح ولایق پابندی ہین بشرطیکہ فریب دیا جانا ثابت ہو

حریت کسی معاہدہ کے جواز کے لیے حریت یعنی آزادی لازمی شرط ہے۔ مملوک ویسے ہی ممنوع التصرف ہے جیسے صغیر ومجنون۔ لیکن غلام ومجنون کی حالت مین صرف اس قدر فرق ہے کہ غلام کے افعال وتصرفات اوسکے آقا کی اجازت دینے پر جایز ہوجاتے ہین جیسے کہ نابالغ کا

(ل) کریم النسا بی بی بنام حسینی بی بی الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۲۰۶۔

فعل اوسکے ولی کی اجازت دینے پر۔ لیکن مجنون کے افعال قطعی باطل و کالعدم ہین۔

چونکہ غلامی کا قاعدہ اوس نرم وملایم شکل مین بھی جو شرع مین جائز رکھا گیا تھا ہندوستان مین رائج نہین ہے اسلئے غلامی کے متعلق جملہ مسائل اب صرف ایک تاریخی دلچسپی رکھتے ہین جس سے پچھلے زمانہ کی طرز و عادات معلوم ہوسکتے ہین اور جو زمانہ موجودہ کی تہذیب و تمدن و رسول مقبول کے قوانین کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھنے کے باعث اب چراغ سحری ہو رہے ہین۔

اکراہ

غلامی سے جو نا قابلیت پیدا ہوتی ہے وہ غلام کی ذات کے ساتھ جب تک وہ غلام ہے ہمیشہ قایم رہیگی۔ قانون کی نظر مین غلام کی حالت صغیر کی حالت کی سی ہے۔ لیکن اختیار یا آزادی کا عارضی طور پر زایل ہونا۔ (یعنی جبر و اکراہ اگر کسی شخص کو اوسکی خواہش کے مطابق عمل کرنے سے مانع ہے) کوئی وجہ ممنوع التصرف ہونے کی نہین ہے۔ کیونکہ یہ زوال عارضی ہو اور اوسکے حقوق و ذاتی حیثیت پر بخلاف غلامی کے کچھ اثر نہین رکھتا۔ اسوجہ سے اگر کوئی معاہدہ جبر و اکراہ سے کیا گیا ہو تو وہ جایز ہے اگر بعد رفع ہونے جبر و اکراہ کے اوس شخص نے اوسے قایم رکھا۔ کتب فقہ مین ایک خاص باب اکراہ کے عنوان سے ہے اور اوسمین اوسکے متعلق تمام اصول بیان کئے گئے ہین گو بادی النظر مین اونمین سے بعض اصول انگریزی قانون متعلق جبر و دباؤ ناجائز سے کچھ کم درجہ کے معلوم ہوتے ہین لیکن بالعموم دونون کے اصول مشابہ ہین (دیکھو دفعہ ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ قانون معاہدہ) شرع کا یہ اصول کہ جب کسی آزاد و بالغ و عاقل شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اوسے اکراہ کی بناء پر ناجائز قرار دینے کے لیے یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جبر کرنے والا وہ ضرر پہونچا سکتا تھا جسکی وہ دہمکی دیتا تھا اور نیز یہ کہ وہ ضرر بھی جسکی دہمکی دیگئی تھی اس قسم کا ہو جسکا خوف ایک سمجھدار آدمی کے دل مین پیدا ہو سکتا ہے یہ اصول درحقیقت ایک انگریزی قاعدہ انصاف کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرتا ہے وہ انگریزی قاعدہ انصاف یہ ہے کہ جبر اس قسم کا ہو کہ جس سے یہ قیاس ہوتا ہو کہ مکرہ (یعنی جس شخص پر جبر کیا گیا) نیک نیتی سے اوس جبر کے باعث

آزادانہ اپنی مرضی کے مطابق عمل نکر سکا کوئی حالت جس سے کسی شخص کی آزادی اسطرح پر
مغلوب ہوجاتی ہو جیسا کہ مذکور ہوا اور اس سے فریق ثانی کو فریباً کچھ فائدہ پہونچتا ہو تو او سصورت
مین قاضی کو معاہدہ منسوخ کرنا جائز ہے - انگریزی قانون مین بھی مثل شرع محمدی کے اکراہ صرف
اونہین صورتون سے متعلق نہین ہے جسمین درحقیقت کسی شخص کی آزادی کو نقصان پہونچایا
گیا ہو یا واقعی تہدید سے کام لیا گیا ہو - بلکہ اکراہ اون تمام صورتون سے متعلق ہے جنمین کوئی
شخص آزادانہ اپنی مرضی کے موافق بوجہ نہایت خوف کے کوئی عمل نہ کرسکے - خواہ وہ خوف اپنی
ذات کے لیے ہو یا کسی اور شخص کی نسبت - اشد ضرورت - سخت مصیبت - متعاقدین کے باہمی
تعلق کی نوعیت کی نسبت سخت غلط فہمی - دہوکا - اور ایک شخص کا دوسرے پر اثر - یہ سب
صورتین اکراہ مین داخل ہین - شرع محمدی مین کوئی قاعدہ اون اشخاص کی ذمہ داری کی نسبت
نہین بیان ہوا ہے جو واہب سے ایسا رشتہ رکھتے ہون جسکی وجہ سے ایک کا دوسرے پر اعتبار ہو -
لیکن ایسی صورتون مین عموماً انگریزی اصول پر عمل کیا جاتا ہے - بمبئی ہائی کورٹ نے ایک مسلمان
پردہ نشین کی ہبہ کو باوجودیکہ ہبہ کرنے کی شرعی قابلیت اوسمین پائی جاتی تھی اس بناء پر کالعدم
قرار دیا کہ اسمین انگریزی قانون متعلق اعتباری رشتہ کے اصول کے خلاف ورزی ہوئی تھی[۵۱] اور
اوسی اصول کو حکام پریوی کونسل نے بمقدمہ تاکردین تیواری بنام نواب سید علی حسین خان بحال رکھا[۵۲]

[۵۱] راجا بائی بنام محمد اسمٰعیل احمد بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۲۷ -

[۵۲] اپیل ہائے ہند (پریوی کونسل) جلد ۲ ضمیمہ صفحہ ۱۹۲ -

فصل سوم شرائط ہبہ

سید امیر علی جلد ۱ صفحہ ۸۴ و صفحات مابعد

ہبہ کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ موہوب واہب کی ملکیت ہو ورنہ ہبہ باطل ہے۔
اس مسئلہ مین کہ اگر کوئی شخص قرض سے محیط ہے وہ ہبہ کرسکتا ہے مالکی و حنفی کے جواب مختلف
ہین لیکن نتیجہ دونون کا ایک ہے۔
مالکی مذہب کی رو سے اگر کوئی شخص قرضہ مین مستغرق ہے تو وہ اپنی جائداد دوسرے کو مفت
دینے سے مجبور ہے۔ اسلیے اگر کسی ایسے شخص نے ہبہ کیا تو وہ ہبہ باطل ہے۔ لیکن مذہب
حنفی مین قرضہ مین مستغرق ہونا ہبہ کرنیکا مانع نہین ہے لیکن اگر قرض خواہون کی مضرت کے لیے
ہبہ کیا گیا ہے تو اونکے استغاثہ پر قاضی اوس ہبہ کو باطل قرار دیگا۔ یہ اصول انگریزی قانون کے
موافق ہے۔ کیونکہ اوسکی رو سے بھی ایسا ہبہ یعنی جس سے قرض خواہون کو فریب دینا مقصود ہو صرف
قابل انفساخ ہے باطل نہین ہے۔ دفعہ ۵۳ قانون انتقال سے حنفی اصول کی تشریح ہوتی ہے۔
واہب کا صرف مقروض ہونا یا اوسکی مالی حالت کا ایسی پیچیدگیون مین پڑ جانا جس سے وہ قرضہ کے
ادا کرنے کی ناقابل ہونا جوازی ہبہ کے لیے کافی وجہ نہین ہے اور نہ اس سے کوئی فریب ثابت
ہوتا ہے حالانکہ صرف فریب ہی کی بناء پر ہبہ منسوخ ہوسکتا ہے[۵۱]۔ لیکن یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ ہبہ
کرنے کے وقت واہب کے ذمہ قرض باقی تھا اور واہب گو درحقیقت دیوالیہ نہ تھا مگر قرضہ مین اسقدر

[۵۱] عظیم النساء بیگم بنام ڈالے مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۴۶۸ و فلٹن صاحب کی
رپورٹ صفحہ ۱۵۴۔

ڈوبا ہوا تھا جس سے عدالت اس نتیجہ کے اخذ کرنے پر مجبور ہو کہ واہب کا مقصود اپنے قرض خواہون کو فریب دینا تھا[۵۱]۔ لیکن اگر جائداد موہوبہ کے علاوہ واہب کے پاس اسقدر اور جائداد ہو جس سے اوسکا قرض ادا ہو سکتا ہے تو اس صورت مین کوئی قیاس قرض خواہان کے فریب دہی کا نہ پیدا ہوگا۔ اگر ہبہ کرنے کے وقت واہب کسیکا مقروض نہ تھا تو شرع محمدی کے بموجب قرض خواہان مابعد کو ہبہ پر معترض ہونیکا حق نہین ہے۔ شرع محمدی کے مطابق اگر ہبہ کا کچھہ بھی معاوضہ ہو خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیون نہ ہو تو اوس سے اوسکی نوعیت بدل جاتی ہے اس صورت مین پھر وہ ہبہ نہین باقی رہتا بلکہ ایک انتقال بمعاوضہ ہے جسمین حوالگی قبضہ ضروری نہین ہے۔ اس قسم کے انتقالات پر قرض خواہ کس حد تک حملہ کر سکتے ہین ہم بعد مین لکھینگے۔ اگر نیک نیتی سے ہبہ کر کے قبضہ دیدیا گیا ہے تو وہ بمقابلہ خریدار مابعد کے صحیح ہے۔ پریزیڈنسی ٹاونس کے علاوہ دیگر حصہ ہندوستان سے قانون ۲۷ ملکہ ایلیزبیتھہ باب چہارم کا تعلق قبل نفاذ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ع کے کچھہ نہ تھا۔ مگر دفعہ ۵۳۔ ایکٹ مذکور مین وہ اصول صحیح تسلیم ہوا ہے لیکن فقرہ (د) دفعہ ۲ ایکٹ مذکور کا صاف الفاظ مین کہتا ہے کہ "اس ایکٹ کے باب دوم کی کوئی عبارت شرع محمدی کے کسی قاعدہ پر کچھہ اثر نہین رکھی گی"

کوئی منکوحہ عورت صغر نکاح کی وجہ سے زمانہ قیام نکاح مین انتقال کرنے سے ممنوع نہین ہے وہ اپنی جائداد کا انتظام جسطرح چاہے کر سکتی ہے[۵۲]۔

جو ہبہ کہ مرض الموت مین کیا جاتا ہے اوسکی بابت مختلف مذہبون مین مختلف احکام ہین۔ امام مالک کے نزدیک ایسا ہبہ ناجائز ہے۔ جامع الشتات کے بموجب جو شیعون کی بہت مستند کتاب ہے ہبہ

---

۵۱ چندر مادہب داس بنام اسمعیل علی وغیرہ ویکلی رپورٹر جلد ۲۵ صفحہ ۱۱۹ لہ درامہ ٹو نو مکرجی بنام بی بی زینت فلٹن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۵۲ا۔

۵۲ لطیف النسا بنام راجو رکہمان ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۴۸۔

جو ایسے مرض میں کیا گیا ہے جس سے واہب کا انتقال ہوا کل جائداد کی نسبت صحیح ہے۔ بشرطیکہ واہب کی حیات میں موہوب لۂ کا قبضہ او سپرد ہو گیا اور واہب اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ یہ مسئلہ ذیل کے سوال و جواب سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

سوال

چہ میفرمایند در این مسئلہ کہ ہر گاہ شخصے در مرض الموت ہبہ و بخشش نماید کل مال خود را بشخصے در حال صحت عقل آیا این ہبہ معتبر و صحیح است از اصل مال یا از ثلث و آیا در لزوم این موہبہ شرط است تصرف متہب در مال یا نہ بر فرض اشتراط آیا تصرف در بعض در حکم تصرف در کل است یا نہ و ہر گاہ واہب موہوب را بتصرف متہب بدہد و متہب اورا و اطاق واہب در دو لابہ گذاشتہ و کلید آن دو لابہ را خود متہب برداردآیا این را تصرف معتبر در شرع میگویند یا نہ و ہر گاہ واحب یورتے را بمتہب ہبہ نمودہ باشد و رفع موانع از تصرف متہب نمودہ باین معنی کہ متہب در آن یورت آمد و شد کند و واہب مانع او نشود لیکن واہب بجہت ناخوشی و بیماری در آن یورت خوابیدہ باشد آیا این را تصرف متہب میگیرند یا نہ۔

جواب

بلے ہبہ صحیح است و اظہر است این کہ در تمام مال صحیح است و منحصر در ثلث نیست و تصرف و قبض در مطلق ہبہ شرط است و بدون آن لزومے ندارد و اگر قبل از اقباض بمیرد ہبہ باطل میشود مگر آنکہ متہب صغیر باشد و واہب ولی باشد کہ قبض ولی قبض صغیر است و ضرور بہ قبض علیحدہ نیست و قبض بعض در لزوم کل کافی نیست و در منقولات ہمان اخذ باید بخصوص باین نحو کہ در جائے مضبوط کند کافیست ہر چند در خانہ واہب باشد و ہم چنین در اقباض یورت تخلیہ باد و رفع مانع از تصرفات کافیست ہر گاہ بقصد اقباض بودہ و خوابیدن خود را در آنجا مانع از تخلیہ نمیدانست و ظاہر اینست کہ ہر گاہ بگوید خانہ از تو و تصرف کن و بیا و برد لیکن من ہم چند روزے در اینجا ہستم چون بیمارم یا آنکہ در عرف و عادت مضالقہ از بودن آن در آن مکان نمی شدہ و میگفتہ اند کہ بتصرف او دادہ کافیست و شاید کہ این

از رباب اثیانفس صندوق باشد یا دیبہاء زیدہ متاع واسباب در آن باشد۔

مرض الموت | حنفی مذہب مین اگر مریضہ نے وقت یا مرض الموت مین ہبہ کیا تو صرف اوسکے متروکہ کی ایک ثلث کی نسبت صحیح ہے۔ فتاوی عالمگیری مین مرض الموت کی یہ تعریف لکھی ہے فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ – مرض الموت کی پہچان مین مختلف کلام ہین۔ مگر فتوی کے واسطے یہ قول مختار ہے کہ اگر مرض ایسا ہے کہ اکثر اوس سے آدمی نہین بچتا ہے تو وہ مرض الموت ہے خواہ وہ بیمار بستر پر پڑگیا ہو یا نہین۔ مضمرات

فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ مرض الموت اوسکو کہتے ہین کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور یہ پہچان پسندیدہ ہے اور ہم اسکو لیتے ہین۔ جوہرۃ النیرہ۔ ایک مریضہ نے اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کیا اور پھر مر گئی تو فقیہ ابو جعفر نے فرمایا کہ اگر ہبہ کے وقت وہ ایسی تھی کہ اپنی ضرورتون کیواسطے اوٹھتی بیٹھتی تھی اور بدون کسیکی مدد کے لوٹ آتی تھی تو وہ بمنزلہ تندرست کے قرار دیجائیگی اور اوسکا ہبہ صحیح ہوگا۔ فتاوی قاضی خان۔

اور لنجا و مفلوج و مسلول اگر مدت دراز تک بیمار ہین اور سردست موت کا خوف نہ ہو۔ تو ان لوگونکا ہبہ کل مال سے صحیح قرار دیا جائیگا۔ تبئین۔ اگر عورت کو دردزہ شروع ہوا تو اس حالت مین جو فعل اوس نے کیا وہ تہائی مال سے صحیح ہوگا پھر اگر وہ اس درد مین بچگئی تو جو کچھ اوس نے کیا ہے وہ کل مال سے صحیح ہوگا۔ جوہرہ النیرہ۔

اگر کسی عورت نے دردزہ مین اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کیا پھر بچہ پیدا ہوا اور وہ عورت حالت نفاس (یعنی وہ زمانہ جو بچہ پیدا ہونے کے بعد طہارت کے لیے معین ہے) مین مر گئی تو صحیح نہین ہے۔ سراجیہ۔ ایک عورت نے اپنے مرض الموت مین اپنا مہر شوہر کو ہبہ کیا اور اوسکا شوہر اوس سے پہلے مر گیا تو عورت کا اوسکے ترکہ و مہر پر کچھ دعوی نہین ہو سکتا کیونکہ جب تک خود اس مرض سے نہ مرے تب تک ابراء صحیح ہے۔ ہان جب وہ خود

مرگئی تو اوسکے وارث مہر کا دعوی کر سکتے ہین۔ قبضہ مرض[۵۱] مریض کے ہبہ کی دو حیثیت ہین۔ ایک باعتبار اوسکے نفاذ کے مثل وصیت کے[۵۱] اور دوسری باعتبار جوالگی قبضہ مثل ہبہ کے وصیت مین موت کے بعد ملکیت منتقل ہوتی ہے مگر ہبہ مین فوراً۔ حنفی مذہب مین لفظ مرض الموت صرف اونہین بیماریون پر صادق نہین ہے۔ جس سے درحقیقت موت وقوع مین آ گئے بلکہ اون بیماریون پر بھی بولا جاتا ہے۔ جس سے موت کا واقع ہونا بہت قرین قیاس ہو اور مریض کو اون سے موت کا خوف ہو۔ لیکن الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی ہے کہ جب مرض زیادہ مدت کا ہو اور اوس سے فوراً مرنیکا خوف نہ ہو تو مریض اپنی کل جائداد ہبہ کر سکتا ہے زیادہ مدت کا مرض وہ ہے جو ایکسال تک رہا ہو اور اوس سے فوراً مرنیکا خوف نہ ہو۔ بمقدمہ[۵۲] لبی بی بنام بین بی بی ہائیکورٹ[۵۳] نے یہ تجویز کی کہ بموجب شرع محمدی کے مریض کا ہبہ ناجایز نہین ہے اگر ہبہ کرنے کے وقت اوسکی بیماری زیادہ عرصہ کی ہے یعنی سال بھر ہو چکا ہے اور اوسکے ہوش و حواس بجا ہین اور فوراً مرجانیکا خوف نہین ہے۔ اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہبہ ناجایز نہین ہے اگر ہبہ کرنے کے وقت واہب کسی مرض مین سال بھر سے زیادہ بیمار رہا ہو اور اپنے ہوش و حواس مین ہو اور فوراً مرنیکا کوئی خوف نہ ہو گو ہبہ کرنے کے تہوڑے عرصہ کے بعد ہی وہ مرگیا لیکن اوسی بیماری سے مرا یا کسی اور وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا ان ہر دو مقدمات آخر الذکر کی تقلید بمقدمہ امیرن بی بی بنام مان بی بی[۵۴] کی گئی اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہلک بیماری مین گرفتار ہو تو وہ اپنی کل جائداد کا ہبہ نہین کر سکتا اگر مرض کو

---

[۵۱] بمقدمہ محمد وزیر خان بنام سید الطاف علی یہ تجویز ہوئی کہ وارث کے حق مین بحالت مرض الموت اگر ہبہ کیا جاوے تو وہ ناجایز ہے کیونکہ ایسا ہبہ بمنزلہ وصیت کے ہے۔ ہفتہ وار ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۲ [۵۲] الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۷۳۱۔ محمد گل شیر خان بنام مریم بیگم [۵۳] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۶ صفحہ ۱۵۹ - [۵۴] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۸۔

یکساں نہ ہوچکا ہو۔ اگر ایسے مریض نے ہبہ کیا تو صرف بقدر ایک ثلث کے جایز ہوگا بشرطیکہ موہوب لہٗ وارث نہ ہو۔ اگر وارث ہے تو بغیر اجازت دیگر ورثاء کے ہبہ جایز نہ ہوگا[۵۱] مقدمہ غلام مصطفی خان بنام حرمت[۵۲] میں یہ تجویز ہوئی کہ شرع محمدی کے احکام جو ہبہ مرض الموت سے متعلق ہیں وہ ایسے ہبہ سے متعلق نہیں ہین جو بعوض دین مہر کے کیا گیا ہو کیونکہ یہ تو درحقیقت مثل بیع کے ہے۔ ہبہ کرنے کے لیے اگر کسی نے وکیل کیا تو اوسکے اختیارات وہی ہونگے جو اوس شخص کے تھے جس نے وکیل مقرر کیا۔ عام طور پر شوہر اپنی زوجہ کا وکیل نہیں ہے۔

فصل چہارم ہبہ

ہبہ کرنے کے وجوہات ہبہ ایک عقد مشروع ہے کیونکہ آنحضرت نے فرمایا تَهَادُوْا وَتَحَابُّوْا یعنی باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دو تاکہ آپسمین محبت پیدا ہو۔ بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ہدایہ۔ ہبہ کا اصول اسی حدیث پر مبنی ہے۔ ابتداءً (جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے) آپسمین محبت پیدا کرنے کے لئے ہبہ مشروع قرار پایا تھا مگر کچھ زمانہ بعد محبت کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لیے اس اصول سے کام لیا گیا۔ یعنی جب ایک شخص کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اوسکے حق مین ہبہ کرتا ہے اسطرح پر عمل کرنے کے لیے مسلمانون کو بعض حالتومین سخت ضرورت تھی کیونکہ اہل اسلام کے جملہ مذاہب مین محجوب الارث کا مسئلہ صحیح مانا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کے دو لڑکے ہین اور ایک اونمین سے

[۵۱] محمد وزیر خان بنام سید الطاف علی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۵۷ [۵۲] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۵۴۔

اپنے باپ کی حیات مین چند اولاد چھوڑکر فوت ہوگیا تو پوتون کو موجودگی اپنے چچا کے دادا کے ترکہ سے کچھ میراث نہ ملیگی۔ لڑکیون کا حصہ شرعاً لڑکون سے کم ہے۔ سنی مذہب مین عصوبت کا بھی قاعدہ ہے۔ یعنی دختر کی اولاد بھائی کی اولاد ذکور کی موجودگی مین محجوب ہوتی ہے۔ ان صورتون مین اگر مورث کو اپنی محجوب اولاد کے ساتھ محبت ہے تو ہبہ کے ذریعہ سے اوسکے حرمان کو رفع کر سکتا ہے۔ صرف اسیقدر نہین بلکہ اگر وہ چاہے تو کسی خاص اولاد کو (خواہ وہ محجوب ہو یا نہ) اوسکے حصہ معین سے زیادہ دیسکتا ہے۔ چنانچہ اسکے متعلق فتاوی عالمگیری جلد سوم مین حسب ذیل لکھا ہے۔ صفحہ ۱۶۸۔

اگر کسی شخص نے اپنی صحت مین اپنی اولاد کو کوئی شے ہبہ کی اور اس ہبہ سے بعض کی تفضیل کا قصد کیا تو امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اسمین کچھ ڈر نہین بشرطیکہ جسکی تفضیل منظور ہے اوسمین دین کی راہ سے کوئی فضیلت ہو و اگر سب برابر ہون تو مکروہ ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ کچھ ڈر نہین ہے بشرطیکہ اوس سے ضرر رسانی مقصود نہ ہو و اگر ضرر رسانی مقصود ہو تو سب مین اوسکو برابر کرکے عطا کیا جائے اور اسی پر فتوی ہے فتاوی قاضی خان۔ اور یہی مختار ہے۔ یہ ظہیریہ مین ہے۔ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو کل مال حالت صحت مین ہبہ کر دیا تو حکم قضا مین جایز ہوگا لیکن وہ شخص اپنی اس حرکت سے گنہگار رہوگا۔ فتاوی قاضی خان۔ اگر اوسکی اولاد مین کوئی فاسق ہے تو اوسکو اوسکی خوراک سے زیادہ نہ دینا چاہیئے تاکہ معصیت کا مددگار نہ ثابت ہو۔ خزانۃ المفتین اگر کسی شخص کا لڑکا فاسق ہو۔ اور اوسنے چاہا کہ مین اپنا مال نیک راہ مین صرف کرون اور لڑکے کو میراث سے محروم کرون تو یہ امر اوس مال کو چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔ خلاصہ۔ اگر کوئی لڑکا علم مین مشغول ہے اور کچھ کماتا نہ ہو تو کچھ ڈر نہین کہ اوسکو دوسرے پر فضیلت دی جاے۔

فتاوی عالمگیری

شرائط ہبہ — ہبہ کی چند شرائط ہین جنمین سے بعض نفس رکن کی طرف راجع ہین وہ یہ ہین کہ ہبہ کرنا ایسی شے کے ساتھ معلق نہو جسکے وجود و عدم کا خطرہ ہو جیسے زید کا گھر مین داخل ہونا یا خالد کا سفر سے واپس آنا۔ اور وہ کسی وقت کی طرف مضاف نہو جیسے یہ کہا کہ مین نے تجھے آیندہ کل کو یہ شے ہبہ کیا۔ ہبہ مین رقبی باطل ہے۔ مثلاً یون کہنا کہ میرا گھر تیرے لیے رقبی ہے جسکے یہ معنی ہین کہ اگر تو مر گیا تو میرا ہے واگر مین مر گیا تو تیرا ہے پس ہر ایک دونون مین دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

جو شرطین موہوب کی طرف راجع ہین وہ یہ ہین کہ شے موہوبہ ہبہ کے وقت موجود ہو مثلاً اگر زید نے وہ پھل ہبہ کیے جو اوس سال اوسکے درخت مین آوین یا جو اونٹنی اوس سال بچے جنے وہ ہبہ کیا تو صحیح نہین ہے۔ اسیطرح اگر یون ہبہ کیا کہ جو کچھ اس بکری کے پیٹ مین ہے یا تھنون مین ہے یا جو آٹا ان گیہوؤن مین ہے یا جو مسکہ اس دودھ مین ہے یا جو تیل ان تلون مین ہے یہ سب ناجائز ہے۔ گو ان چیزون کے پیدا ہونے کے وقت موہوب لہٗ کو قابض کر دیا ہو کیونکہ یہ چیزین فی الحال موجود نہین ہین پس محل حکم عقد نہین پایا گیا جواہر اخلاطی اگر کسی بکری کے پیٹھ کا صوف ہبہ کیا اور کاٹ کر موہوب لہٗ کو حوالہ کر دیا تو صحیح ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ شے موہوبہ کچھ قیمت رکھتی ہو پس ایسی چیز کا ہبہ جو اصلا مال نہین جایز نہین ہے جیسے مردار اور خون وشہر وغیرہ و نہ ایسی چیز کا ہبہ جایز ہے جو مال متقوم نہین جیسے شراب۔

ہبہ کیونکر کیا جاتا ہے — ہدایہ مین ہے کہ ہبہ ایجاب و قبول و قبضہ سے صحیح ہوتا ہے۔ ایجاب و قبول

ل دفعہ ۱۲۴ قانون انتقال اسی اصول پر مبنی معلوم ہوتا ہے گو اوسکا تعلق شرع سے نہین ہے۔

کی ضرورت تو اسوجہ سے ہے کہ یہ عقد ہے اور عقد کے لیے ایجاب وقبول شرط ہین
اور قبضہ ثبوت ملکیت کے واسطے ضروری ہے[۵۱]۔ یعنی عقد ہبہ تو بدون قبضہ کے ہوجایگا
مگر موہوب لہٗ کو ملکیت صرف اوس صورت مین حاصل ہوگی جب اوسکا قبضہ بھی ہوجاسے
لیکن امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے موہوب لہٗ کی ملکیت ہوجاتی ہے جیسے
بیع مین مشتری کو قبضہ سے پہلے ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی اختلاف صدقہ
مین بھی ہے[۵۲]۔

شرع مین کوئی خاص ضابطہ ہبہ کرنیکا نہین ہے۔ ہبہ زبانی وتحریری دونون طرح سے
ہوسکتا ہے۔

دفعہ ۱۲۳ قانون انتقال گو شرعی ہبہ سے متعلق نہین ہے لیکن ہندوستان مین
اگر جائداد غیر منقولہ کا ہبہ بذریعہ تحریری دستاویز کے ہوگا تو اوس سے قانون اسٹامپ ورجسٹری
متعلق کیے جائینگے ورنہ نہین[۵۳]۔ ہبہ کرنے کے لیے کسی مخصوص الفاظ کا استعمال کرنا ضرور
نہین ہے۔ اگر قراین سے معلوم ہو کہ ہبہ کرنا مقصود ہے تو ایجاب وقبول کا اظہار الفاظ

---

[۵۱] نندا سنگھ بنام میر جعفر شاہ سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۵ [۵۲] حنفیون کی یہ دلیل ہے کہ ہبہ تو ایک احسان یعنی تبرع ہے اور قبضہ سے پہلے موہوب لہٗ کی ملکیت ثابت کرتے مین احسان کرنے والے کے ذمہ ایسی چیز لازم کرنا ہوتا ہے جسکا اوسنے ہنوز التزام نہین کیا یعنی سپرد کرنا۔ پس یہ ملکیت ثابت کرنا صحیح نہین ہے۔ اور یہ حکم بخلاف وصیت کے ہے کیونکہ وصیت مین ثبوت ملکیت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے یعنی جب وصیت قبول کی تو موصی کے مرتے ہی ملکیت ثابت ہوجائیگی اگرچہ قبضہ نہ ہوا ور احسان کرنے والی میت پر کوئی چیز لازم نہین کی گئی ہے۔ کیونکہ موت کی وجہ سے اوسمین یہ لیاقت ہی نہ رہی اور ابھی وارث کا حق متعلق ہی نہین ہوا۔ کیونکہ وارث کا حق تو وصیت کے بعد ہے تو وارث اس مال وصیت کا مالک نہین ہوا [۵۳] دیکھو دفعہ ۱۲۹ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء و بادا صاحب بنام محمد مدراس جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۳

کے ذریعے سے شرط نہین ہے۔ مثلاً اگر کسی فقیر کو کسی شخص نے کوئی چیز دی اور اوس نے
لے لیا اور دونون مین سے کسی نے ایک لفظ زبان سے نہ کہا تو صحیح ہے (ردالمختار) اور
اصل ان مسائل مین یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ کہا جس سے تملیک رقبہ یعنی عین شے کا مالک
کر دینا ثابت ہوتا ہے تو ہبہ ہوگا اور جس سے منفعت شے کا مالک کرنا مقصود ہو تو عاریت
ہوگی اور جس لفظ سے دونون کا احتمال پیدا ہوتا ہو اسمین نیت پر حکم ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بی بی کو دینار دئے اس غرض سے کہ اوس کے پہننے کیواسطے
کپڑے بنواے مگر اوسنے اون دینارون کو کسی تجارت مین لگایا۔ تو جو منافع اوس تجارت مین
ہوگا وہ اور کل دینار سب اوس عورت کی ملکیت ہوگی۔

فتاوی عالمگیری کسی شخص نے اپنے داماد سے کہا کہ یہ زمین تیری ملک ہے تو جا کر اسمین
زراعت کر پس اگر داماد نے اوسوقت کہا کہ مین نے قبول کیا تو زمین اوسکی ہو جائیگی و اگر
داماد نے یون نہ کہا تو زمین اوسکی نہ ہوگی۔ ظہیریہ۔

اگر کسی مسلمان نے ایک جماعت سے کہا کہ یہ مال تمہارا ہے تو یہ ہبہ ہے۔ فتاوی قاضی خان
اگر کسی نابالغ کے باپ نے کوئی باغ لگایا اور کہا کہ مین نے اسے لڑکے کے واسطے کر دیا
تو ہبہ ہے و اگر ہبہ کا ارادہ نہ کیا تو اوسکے قول کی تصدیق کی جائیگی۔

قبضہ ہبہ کا حکم بدون قبضہ کے ثابت نہین ہوتا اسمین اجنبی و اولاد برابر ہین بشرطیکہ بالغ
ہون۔ اور قبضہ ایسا ہونا چاہیے جو مالک کی اجازت سے ہو۔

اجازت کبھی صریحاً ہوتی ہے اور کبھی دلالتاً اگر بعد ہبہ کرنے کے قبضہ کرنے سے موہوب لہٗ
کو منع کر دیا تو قبضہ صحیح نہ ہوگا خواہ مجلس ہبہ مین قبضہ کیا ہو یا بعد۔ اگر مالک نے اوسکو قبضہ کرنے
کے لیے صریح اجازت نہ دی ہو اور نہ منع کیا ہو پس اگر موہوب لہٗ نے مجلس مین اوسپر قبضہ کر لیا
تو استحساناً صحیح ہے نہ قیاساً۔ و اگر مجلس ہبہ سے جدا ہونے کے بعد قبضہ کیا ہے تو قیاساً

واستحساناً صحیح نہین ہے۔ مثلاً اگر شے موہوب مجلس مین موجود نہین ہے بلکہ غائب ہے اور موہوب لہٗ نے جاکر اوسپر بلا اجازت واہب قبضہ کرلیا تو امام محمد کے نزدیک قابض ہوگیا اور امام ابو یوسف سے دو روایت ہین ایک موافق وایک خلاف۔

اگر زید نے عمرو سے مذاق مین کہا کہ یہ شے مجھے ہبہ کردے عمرو نے کہا کہ مین نے ہبہ کردی اور زید نے کہا کہ مین نے قبول کی اور عمرو نے سپرد کردی تو ہبہ جایز ہوگیا۔

اگر زید نے عمرو سے کہا کہ مین نے یہ غلام تجھے ہبہ کیا اور غلام حاضر ہے اور عمرو نے اوسپر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے گو عمرو نے یہ نہ کہا ہو کہ مین نے قبول کیا۔ ملتقط اگر غلام موجود نہ ہو غائب ہوا اور زید عمرو سے کہے کہ مین نے اپنا فلان غلام تجھے ہبہ کیا تو جاکر اوسپر قبضہ کرے اور اوسنے جاکر قبضہ کرلیا تو جائز ہے اگرچہ پھر نہ کہا ہو کہ مین نے قبول کیا اور اسی کو ہم لیتے ہین۔ حاوی۔

اگر زید نے اپنا غلام عمرو کو ہبہ کیا اور غلام دونون کے سامنے موجود ہے۔ مگر زید نے یہ نہ کہا کہ تو اوسپر قبضہ کرے۔ اور عمرو غلام کو چھوڑ کر چلا گیا تو عمرو کو یہ اختیار نہین ہے کہ زید کی بلا اجازت غلام پر قبضہ کرلے۔ محیط۔

بمقدمہ نندا سنگھ بنام میر جعفر شاہ[۵۱] یہ تجویز ہوئی کہ ہبہ ایجاب وقبول سے ہوتا ہے مگر قبضہ اوسکی تکمیل کے لیے ضرور ہے۔ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ اگر ہبہ کے بعد موہوب لہٗ کا قبضہ صراحتاً یا دلالتاً شے موہوب پر نہین ہوا تو ہبہ ناجائز ہے[۵۲]۔ اگر قبضہ کی نوعیت بدل جائے تو صرف واہب کے قبضہ مین شے موہوبہ کے رہنے سے ہبہ ناجائز نہ ہوگا۔ واہب بحیثیت امین کے شے موہوبہ پر قابض رہ سکتا ہے۔ اور اس سبب سے جواز ہبہ پر کچھ اثر نہین ہوسکتا ردالمختار ومجمع الانہار۔

---

۵۱ رپورٹ سیل صاحب جلد ا صفحہ ۵۔ ۵۲ کیجو النسا بنام روشن جہان کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

اسیطرح اگر شے موہوبہ موہوب لہٗ کے قبضہ مین پہلے سے بحیثیت امین تھی تو بعد ہبہ پھر از سر نو قبضہ کرنے کی ضرورت نہین ہے . . . اگر کسی نابالغ کے حق مین باپ نے یا دیگر ولی نے ہبہ کیا ہے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہین ہے اور باپ یا ولی کا قبضہ بعد ہبہ کے ایسا تصور کیا جائیگا کہ منجانب موہوب لہٗ کے وہ قبضہ ہے۔ بمقدمہ عبید النسا خاتون بنام امیر النسا خاتون[۵۱] حکام پریوی کونسل نے یہی اصول قرار دیا ہے۔

آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی

قبضہ کی نسبت بمقدمہ آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی[۵۲] بمبئی ہائیکورٹ کی تجویز بہت ہی بیش بہا ہے اسلئے وہ کل نقل کیجاتی ہے اس مقدمہ مین شوہر نے اپنی زوجہ کے حق مین اپنا مکان وچند کرایہ کے مکانات وغیرہ ہبہ کیے۔ شوہر نے کنجیان اپنی زوجہ کے حوالہ کردین اور خود مکان چھوڑ کر چند دنون کے واسطے دوسری جگہہ چلا گیا جس کا مقصود یہ تھا کہ قبضہ کا ثبوت ہو۔ لیکن بعدہٗ وہ پھر اپنے مکان مین اپنی زوجہ کے ساتھ بقیہ عمر تک رہا اپنی حیات مین شوہر نے اپنی زوجہ کی طرف سے مکانات کے کرایہ وصول کیئے۔ شوہر کے ورثا نے منسوخی ہبہ کی نالش اس بنا پر دائر کی کہ ہبہ بوجہ نہونے قبضہ کے ناجائز ہے۔

ساسی صاحب چیف جسٹس کی تجویز حسب ذیل ہے۔

"شرع محمدی کے بموجب صحیح ہبہ کے لیے تین باتین ہونی چاہئین۔ ایجاب قبول۔ قبضہ مگر شرع محمدی کے مطابق جو خاص تعلقات شوہر و زوجہ مین ہوتے ہین اونکے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت مین بڑا فرق پڑے گا۔ میان بی بی کی جائداد ایک دوسرے سے بالکل علحدہ ہوتی ہے۔ اونمین سے ہر ایک کو شرع نے دوسرے کے حق مین بغرض ازدیاد محبت ہبہ

---

[۵۱] اپیل ہائے ہند لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۸۷ و بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۶۷۔

[۵۲] رپورٹ بمبئی ہائیکورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷۔

کرنے کی تحریص دلائی ہے۔ اور اس مسئلہ پر شرع اسقدر زور دیتی ہے کہ ایسی ہبہ سے (یعنی شوہر و زوجہ مین سے اگر ایک نے دوسرے کے حق مین کیا ہے) واہب رجوع نہین کرسکتا۔ گو بہت سی دوسری صورتون مین رجوع کرنا جائز ہے۔ زوجہ اپنے شوہر کے حق مین وہ مکان ہبہ کرسکتی ہے جسمین دونون رہتے ہین گو اوس مکان مین زوجہ کے اسباب رکھے ہون اور گو بعد ہبہ بھی دونون میان بی بی اوسی مکان مین رہتے ہون۔ اصولاً مجھے کوئی فرق نہین معلوم ہوتا کہ شوہر کو بھی ایسا اختیار کیون نہ ہونا چاہیئے کہ اپنی زوجہ کے حق مین وہ مکان ہبہ کردے جسمین وہ اپنی بی بی کے ساتھ رہتا ہو[ف] اور جسمین بعد ہبہ بھی دونون مثل سابق کے رہا کرین بشرطیکہ شوہر ہبہ کرنے سے ممنوع نہ ہو اور نیک نیتی سے ہبہ کرے نہ کہ اپنے قرض خواہون یا دوسرے اشخاص کے فریب دینے کی غرض سے۔

"صرف یہ دقت ہے کہ شرع کے اس مسئلہ کی تعمیل کیونکر ہو جسکی رو سے قبضہ کا دیا جانا ضروری ہے یعنی یہ کہ موہوب لہٗ کا تنہا قبضہ اوسپر ہو جائے۔ اگر شوہر جسکو ہبہ کرنیکا پورا اختیار ہے دستاویز ہبہ نامہ تحریر کرے اور اوسکی شرائط کے بموجب بذریعہ دینے کنجی وغیرہ کے مکان و دوسری جائداد پر اوسے تام قبضہ دیدے اور نیز اس امر کے اظہار کی غرض سے کہ اوسنے یہ تمام عمل نیک نیتی سے کیے ہین گواہون کے مواجہہ مین مکان چھوڑ دے تاکہ مکان و تمام چیزین جو مکان کے اندر ہین تنہا اوسکی زوجہ کے قبضہ مین آجائین تو اس حالت مین مین نہین خیال کرسکتا کہ ہبہ کے نفاذ کے لیے شوہر کو اور کیا کرنا چاہیئے تھا جو اوسکو اوسکے حقوق شوہری سے مستفید ہونے مین بھی کسی طرح حارج و مانع نہ ہو۔ اوس وقت زوجہ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ جائداد موہوبہ پر اپنا قبضہ کرکے اوسکو اپنی حفاظت مین

[ف] سید امیر علی لکھتے ہین فی الواقع ایسا ہی ہے چنانچہ اس مسئلہ کو صاف طور پر قاضی خان وردالمختار نے لکھا ہے کہ شوہر بھی ایسا ہبہ کرسکتا ہے۔

رکھے اور خود اوسمین بدستور سابق رہے ۔ لیکن شرع محمدی کے بموجب شوہر کو حق حاصل ہے بلکہ اوسپر فرض ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہے اگر اس وضاحت کے ساتھ نیت کا اظہار جیسا کہ اس ہبہ نامہ سے پایا جاتا ہے اور جسکی تعمیل ایسے غیر مشتبہ طریقہ سے گواہون کے مواجہہ مین کی گئی شرعی قبضہ کے لئے کافی نہ قرار دیا جائے تو اس سے مسئلہ ہبہ مین ایسی شرط و قید کا اضافہ ہوتا ہے جو مجھے کسی شرعی کتب مین اب تک نہین پائی شوہر کو اپنی زوجہ کے حق مین عام طور پر ہبہ کرنیکا اختیار ہے لیکن اگر ہبہ زیر بحث ناجائز قرار دیا جائے تو یہ گویا اس کہنے کی برابر ہے کہ شوہر کسی حالت مین اپنی زوجہ کے حق مین وہ مکان ہبہ نہین کرسکتا جسمین وہ دونون ہبہ کے وقت رہتے ہین اور جسمین شوہر بعد ہبہ اپنی موت تک رہے ۔ اگر ایسی شرط کا وجود شرع محمدی مین نہین ہے تو کوئی ایسا قانونی طریقہ ہونا چاہیے جس سے شوہر اپنی اس قسم کی جائداد ہبہ کرسکے ۔ یہ امر کہ جب ایک بار قبضہ دیدیا گیا تو اوسکو مسلسل ہمیشہ جاری رہنا چاہیے تکمیل قبضہ کی لازمی شرط نہین ہے اور نہ اوسکا عدم تسلسل ناجوازی ہبہ کا سبب ہے ۔ دیکھو مقدمہ جعفر خان بنام حبشی بی بی[۱] جسکا حوالہ مولی صاحب نے اپنی ڈائجسٹ مین ہبہ کے بیان مین صفحہ ۵۵ پر دیا ہے ۔ شرعی قبضہ مشابہ اوس قبضہ کے ہے جو زمانہ سابق مین ولایت مین مروج تھا ۔ یعنی آراضی پر قبضہ اوسکے کسی جزو پر قابض کردینے سے ہوجاتا تھا اور دروازہ پر قبضہ اوسکی زنجیر پر قابض کردینے سے ۔ کوک صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اراضی پر قابض کرنے کی نیت سے دستاویز حوالہ کردیجائے یا اگر واہب موہوب لہ سے کہے کہ مطابق شرط دستاویز کے زمین پر قبضہ کرو یا اس اراضی پر قابض رہو اور خدا تمکو مبارک کرے ۔ تو ان الفاظ سے قبضہ مکمل ہوجاتا ہے ؏

،، مدعا علیہ کی جانب سے تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ و ۳۵۳ کے دو فقرون پر اس غرض سے

[۱] بنگال صدر دیوانی عدالت رپورٹ صفحہ ۱۲ ۔

استدلال کیا جاتا ہے کہ معاملات بیع مین مکان مبیعہ کی کنجی حوالہ کردینا بمنزلہ پورے قبضہ دیدینے کے ہے اور یہ کہ قبضہ کے متعلق ہبہ مثل بیع کے متصور ہونا چاہیئے "

"جائداد غیر منقولہ پر مشتری کا قبضہ دینا بایع کے ایسے الفاظ بولنے پر موقوف ہے جسکا مفہوم یہ ہو کہ (مکان) خالی کردیا گیا ہے اور ساتھہی اوس مکان کی کنجی دیدیجائے " تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ -

"جو شے کہ ہبہ کی گئی ہے وہ بغیر قبضہ کے موہوب لہ کی ملکیت نہین ہوتی بخلاف بیع کے اور واہب کا یہ کہنا کہ اوسنے قبضہ دیدیا ہے - اظہار قبضہ کے لیے کافی ہے تحفہ جلد ۴ صفحہ ۳۴ "

"مقدمہ حال مین ہبہ نامہ حوالہ کردیا گیا اور اسکے ساتھہی مکان واسباب مکان مندرجہ ہبہ نامہ کی کنجیان بہی دیدی گئین - انہین مکانات مین وہ مکان بھی شامل ہے جسمین شوہر و زوجہ رہتے تہے "

"واہب نے ہبہ کو شرع کے مطابق تکمیل کرنے کی غرض سے اپنے ارادہ کو جن الفاظ مین ہبہ نامہ مین بیان کیا ہے اون سے زیادہ واضح و مضبوط الفاظ نہین ہوسکتے وہ الفاظ یہ ہین - مین نے اونکو (مکانات وچال کو) اپنے قبضہ سے نکال کر مسماۃ مذکور (اپنی زوجہ) کے قبضہ مین دیدئے جسکے حق مین ہبہ کیا ہے - اور ہبہ کے متعلق جملہ شرائط کی یعنی شے موہوب کو خالی کرکے موہوب لہ کے قبضہ مین دیدینا مین نے اور مسماۃ مذکور نے جسکے حق مین ہبہ ہوا ہے پوری تکمیل کردی - اور پھر آیندہ جائداد مذکور مین مجھے یا میرے وارثون کو کوئی دعویٰ نہ ہوگا "

"میری رائے مین شوہر و زوجہ کا تعلق و شوہر کا قانونی حق کہ اپنی زوجہ کے ساتھہ رہے اور اوسکی جائداد کا انتظام کرے اوس قیاس کو باطل کرتا ہے جو اوس صورت مین پیدا ہوتا -

جب فریقین مین کسی دوسری قسم کا تعلق ہوتا اور پہر بہی واہب اوسی مکان مین موہوب لۂ کے ساتھ رہتا اوس چل کا کرایہ وصول کرتا جو مکان موہوب کے متعلق تہا۔ یہ امر بہی لائق لحاظ ہے کہ شوہر نے چند کرایہ دارون سے یہ بات کہی نہ وہ اپنی بی بی کی طرف سے جسکے حق مین ہبہ کیا ہے کرایہ وصول کرتا ہے"

"یہ مقدمہ قرض خواہون کی جانب سے نہین ہے جسکے دعوی کو شکست دینے کے لیے ہبہ نامہ پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ دعوی واہب کے قرابت دارون کی جانب سے ہے جو واہب کی قایمقامی سے اوسی واہب کے عطیہ کو منسوخ کرانا چاہتے ہین"

عظیم النسا بیگم مدعیہ بنام کلی نیٹ ڈیل مدعا علیہ

یہی اصول بمقدمہ عظیم النسا بیگم بنام ڈیل[51] بہی قرار پایا اس مقدمہ مین نواب کارناٹک نے اپنی بیگم عظیم النسا کے حق مین باغات و مکانات کا ہبہ کیا مگر خود بہی مثل سابق اوسی مکان مین رہتا تھا اور جایداد کا انتظام کرتا تھا

جعفر خان بنام حبشی بیگم

بمقدمہ جعفر خان بنام حبشی بیگم[52] یہ تجویز ہوئی کہ جب قبضہ کی حوالگی ایک بار عمل مین آگئی تو اوس قبضہ کو جاری رہنا ضرور نہین۔ بمقدمہ ایمنہ بائی بنام ہاجرہ بائی[53] یہ تجویز ہوئی کہ جب ہبہ منجانب شوہر بحق اوسکی زوجہ کے ہو اور شوہر مثل سابق کرایہ وصول کرتا رہا ہو تو چونکہ شوہر کے ذمہ ضرورتاً یہ کام عاید ہوتا ہے وہ اپنی زوجہ کی جانب سے منتظم خیال کیا جائیگا بشرطیکہ خفیف سی شہادت بہی اس امر کی تائید مین ہو۔

بمقدمہ شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان[54] مسٹر جسٹس ویسٹ نے حسب ذیل اپنی راے قبضہ کی نسبت ظاہر کی۔

نسبت قانون متعلقہ مقدمہ کے عدالتین ماتحت کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جب اراضی بہ قبضہ

---

۵۱ مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۵۵۴ ۵۲ سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۵۳ بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲ ۵۴ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۴۶۔

آسامیان سے ہے تو ہبہ کی تکمیل کے لیے جو قبضہ اراضی مذکور پر واہب دیسکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ واہب آسامیون سے کہے کہ تم موہوب لہ سے رجوع کرو۔ ایسا قبضہ بموجب مقدمہ کھجور النسا بنام روشن جہان[۵۱] کافی ہوگا۔ حوالگی مکان کی نسبت اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب ایک شخص اوس مکان مین جو اوسکو دینے کے لیے تجویز ہوا ہے موجود ہے تو قابض سابق کے اس کہنے سے کہ ہمنے مکان حوالہ کر دیا وہ مکان اوس شخص کے قبضہ مین ہو جاتا ہے۔ وہ ایک حصہ پر قابض ہے اور چونکہ یہ قبضہ برضامندی فریقین قبضہ واقعی ہو گیا لہذا یہ قبضہ اوس کل حصہ کی نسبت موثر ہوگا جو اوس حصہ سے بالکل ملحق ہے جسپر وہ استحقاقاً قابض ہے گو اوس حصہ پر نہین جسپر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ جب دو شخص ایک ہی مکان مین موجود ہون تو بغیر کسی واقعی بیدخلی یا باضابطہ دخل کے ایک شخص صرف ارادہ و نیت کرنے سے اوس سے بیدخل ہو سکتا ہے اور دوسرے کو قابض کر سکتا ہے اور حتی الوسع ایک ایسے مالک کے ارادہ کو پورا کرنا چاہیے جس نے انتقال کرنے کی نیت کو صاف طور پر ظاہر کر دیا ہو"۔ الف۔

کالیداس مولک بنام کنہیالال پنڈت۔	بمقدمہ کالیداس مولک بنام کنہیالال پنڈت[۵۲] گو فریقین ہندو تھے مگر حکام پریوی کونسل نے جو اصول معاملات ہبہ مین قبضہ کے متعلق قرار دیا ہے وہ ہبہ جات شرعی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔

قبضہ کے نہ دینے سے ہبہ کے جواز و عدم جواز کی نسبت کیا اثر ہوگا حکام ممدوح اپنی رائے

[۵۱] کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ و ۱۹۷ [۵۲] کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۱ (الف) دیکھو الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۱۳۷۔ مگر مقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱ مین جلد ۳ کی نظیر سے فرق ظاہر کیا گیا اور واصاحب بنام محمد مدارس جلد ۱۹ صفحہ ۲ مین یہ تجویز ہوئی کہ اگر واہب مکان موہوبہ مین بدستور سابق رہتا ہے تو ہبہ مکمل نہین ہے اور مستثنیات صرف ان صورتون مین ہین اگر شوہر نے زوجہ کو یا باپ نے نابالغ پسر کو یا ولی نے نابالغ کو ہبہ کیا ہے۔

حسبِ ذیل تحریر کرتے ہین - یہ واضح رہے کہ مقدمہ مذکور مین واہبہ جائداد موہوب پر بروقت
ہبہ خود قابض نہ تھی اور اسلیے وہ موہوب لہا کو بھی قابض نہ کرسکتی تھی -

"اگر ہبہ کی تائید واہب کرتا ہے اور وہ شخص جو ہبہ کی نسبت نزاع کرتا ہے واہب
وموہوب لہٗ دونون مین سے کسی کے ذریعہ سے دعویدار نہین ہے تو ہبہ صرف اس وجہ سے
ناجایز نہ ہوگا کہ واہب نے اوسپر قبضہ نہین دیا - واگر موہوب لہٗ ومشتری کو بموجب شرائط ہبہ یا
بیع کے قبضہ حاصل کرنیکا اختیار ہے مگر قبضہ نہین دیا گیا (چاہے جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ)
توکوئی وجہ نہین ہے کہ اس ہبہ یا بیع کے ذریعہ سے موہوب لہٗ یا مشتری قبضہ کیون نہ حاصل
کرسکین گے بشرطیکہ وہ ہبہ یا بیع اس قسم کا نہ ہو جسکا نافذ کرنا خلاف مصلحت عام ہو"

موہوب لہٗ کو جائداد موہوب پر قبضہ نہ دینا منسوخی ہبہ نامہ کی وجہ نہین ہے[۵۱] -

فصل پنجم

موہوب لہٗ وموہوب

موہوب لہٗ سید امیر علی لکھتے ہین کہ ہبہ ہر شخص کے حق مین ہوسکتا ہے چاہے وہ کسی مذہب
وعمر وجنس کا ہو لیکن حنفی مذہب کے مطابق ہبہ کے وقت اوس شخص کا قانوناً وجود ہونا ضرور ہے
اسلیے ایسے شخص کے حق مین جو ہنوز پیدا نہین ہوا ہے اور نہ قانوناً اوسکا وجود مانا جائیگا ہبہ ناجائز
ہے - لیکن حمل کے حق مین ہبہ جایز ہے بشرطیکہ ہبہ کے روز سے چھ مہینہ کے اندر بچہ پیدا ہو

[۵۱] الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۶۵ - امراو بی بی بنام جان علی شاہ -

کیونکہ اس صورت مین یہ قیاس ہوتا ہے کہ بچہ درحقیقت اپنی مان کے رحم مین ایک الگ وجود رکھتا ہے۔

مذہب شیعہ لیکن شیعہ مذہب مین اسکے خلاف ہے کیونکہ اوس مذہب کے مطابق کسی ایسے شخص کے حق مین ہبہ ہو سکتا ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوا۔ بشرطیکہ ہبہ کی ابتدا ایسے شخص سے کی گئی ہو جو موجود ہو۔ اگر زید کے حق مین اوسکی عمر بھر کے لیے ہبہ ہوا ہے تو حنفی مذہب کے بموجب ہبہ صحیح ہے و شرط باطل یعنی وہ ہبہ قطعی ہوگا۔ لیکن شیعہ مذہب کے مطابق شرط و ہبہ دونون صحیح ہونگے اور زید کے مرنے کے بعد جائداد موہوبہ واہب کو یا اوسکے ورثا کو ملیگی۔ لیکن اگر ہبہ زید کے اور اوسکی اولاد کے حق مین نسلاً بعد نسلاً کیا گیا ہے تو حنفی و شیعہ دونون مذہب کے مطابق وہ ہبہ ہمیشہ کے لیے اون اشخاص کے واسطے ہوگا۔

موہوب کوئی شے جو مملوک ہو سکتی ہے یا جسپر قبضہ ہو سکتا ہے یا جو خارج مین کوئی وجود رکھتی ہو یا حق ہو یعنی ہر ایسی شے جسپر مال کی تعریف صادق آتی ہو وہ ہبہ کی جا سکتی ہے۔ دعاوی لاتیہ ارجاع نالش جو خارج مین کوئی وجود نہین رکھتے بلکہ صرف استحقاق ہین وسے بھی مثل مادی جائداد کے ہبہ ہو سکتے ہین۔ کفایہ مین ہے کہ دو قرض اس اعتبار سے کہ وہ کسی زمانہ مین ادا کیا جائیگا مال ہے کیونکہ اسپر زکواۃ واجب ہے۔ اور باعتبار اپنی حالت موجودہ کے ایک وصف ہی جو لایق اسقاط ہی اسلیے اگر یہ مدیون کو ہبہ کیا جائے یعنی اوسکے ذمہ سے دین ساقط کیا جائے تو قیاساً و استحساناً صحیح ہے و اگر مدیون کے سوائے دوسرے کو ہبہ کیا جاے تو یہ تملیک ہے (یعنی انتقال جائداد) اور استحساناً جائز ہے ؎

ملک عبد الغفور بنام مساۃ ملکہ اسلیے بمقدمہ عبد الغفور بنام مساۃ ملکہ[۱] جو بحث کیگئی تھی اوسکی شرع مین کوئی بنیاد نہین بلکہ بخلاف اوسکے حنفی مذہب مین جیسا کہ کفایہ سے ظاہر ہوتا ہے صرف استحقاق بھی جو خارج مین کوئی وجود نہین رکھتے ہبہ ہو سکتے ہین۔ اور عرف یعنی

[۱] کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۲۔

رسم و رواج نے اس مسئلہ کو صحیح تسلیم کرکے اوس سے مختلف طور سے کام لیا ہے
اور شرع نے عرف کو انفصال خصومات مین استحسان کی بنا پر بہت کچھ دخل دیا ہے
تاکہ تمدن و معاشرت کی ترقی مین قانون بہی اوسکی قدم بہ قدم ترقی کرتا رہے۔ اسی بنا
پر گورنمنٹ سیکوریٹیز و حق مالکانہ وغیرہ کا ہبہ صحیح تسلیم کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے
موہوب لہٗ اول الذکر صورت مین صرف سود پانے کا مستحق ہوتا ہے اور صورت
ثانی مین اپنے حصہ کے منافع پائیگا۔ چنانچہ اسی اصول پر ایک حال کے مقدمہ مین
طے پایا ہے کہ اگر کوئی حقیقت جو بعلت بقایا مالگذاری قرق ہوگئی ہے اوسکا ہبہ
صحیح ہے کیونکہ ایسی قرقی سے حق ملکیت زائل نہین ہوجاتا۔[۵۱]

ہبہ جایداد بہ قبضہ کاشتکار — جو جائداد بہ قبضہ کاشتکار ہو اوسکا ہبہ جائز ہے۔ اس صورت مین
موہوب لہٗ کو کاشتکاران قابض یا پٹہ دارون سے صرف لگان وصول کرنے کا
حق حاصل ہوتا ہے۔ اور اوس سے موہوب لہٗ کو یہ اختیار نہین ہوتا کہ وہ جائداد موہوبہ
پر خاص یا واقعی قبضہ حاصل کرے کیونکہ اگر وہ واقعی قبضہ کا مجاز ہو تو اس سے
اوس معاہدہ اجارہ یا پٹہ کی تنسیخ لازم آتی ہے جو مابین واہب و پٹہ دار یا کاشتکار کے
سابق مین ہوا تھا۔ مگر کوئی قاعدہ یا قانون ایسا نہین ہے جو کسی شخص کو اس امر کی امتناع
کرے کہ جو حق اوسکو وصول لگان کا حاصل ہے وہ اوسکو دوسرے کے حق مین منتقل
یا ہبہ نکرے۔ فتاوی عالمگیری کی اس عبارت کی نسبت ”اگر جایداد بہ قبضہ غاصب
یا مستاجر ہو تو اوسکا ہبہ بوجہ نہونے قبضہ کے ناجائز ہے“ بہت غلط فہمی ہوئی
ہے۔ اس عبارت مین جو عدم جواز ہبہ کا حکم ہے وہ صرف اوس صورت سے متعلق
ہے جب جائداد کا قبضہ واقعی دینا مقصود ہو اور اس حکم مین وہ شکل داخل نہین ہے

[۵۱] انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ - یا الہ آباد جلد ۲۱ صفحہ ۱۶۵

جبکہ صرف حق تحصیل لگان کا ہبہ کیا جائے۔

حنفی مذہب مین کفالت کے ساتھ قبضہ لازمی ہے۔ اسلئے جب جائداد مرہون ہو اسکے قبضہ مین ہے تو صرف راہن کا حق یعنی حق انفکاک کا ہبہ ہوسکتا ہے نہ کہ قبضہ اسکی بابت کیونکہ قبضہ واقعی اسکا جبتک مرتہن کو حاصل ہے۔ اسیطرح جب جائداد غیر منقولہ کاشتکار یا پٹہ دار کے قبضہ مین ہے تو صرف حق تحصیل لگان کا ہبہ ہوسکتا ہے۔

محی الدین بنام منچیر شاہ

بمبئی ہائیکورٹ نے بمقدمہ محی الدین بنام منچیر شاہ[51] یہ تجویز کی ہے کہ شرعاً جو جائداد بہ قبضہ مرتہن ہو وہ ہبہ نہیں ہوسکتی۔ یہ رائے شرع حنفی کی غلط فہمی پر مبنی ہے جسکی رو سے ہبہ مین قبضہ لازمی ہے مالکی مذہب مین قبضہ لازمی نہیں ہے لیکن حنفی مذہب کے صحیح اصول کی رو سے صرف حق انفکاک کے ہبہ کرنے مین کوئی امر مانع نہیں ہے۔ بلکہ بخلاف اسکے حوالات کے متعلق جو قانون ہے اوسکی رو سے ایک مدیون اپنی ذمہ داری کو دوسرے کی طرف منتقل کرسکتا ہے۔ اور چونکہ جائداد قرضہ کی ضمانت ہے تو موہوب لہٗ یا منتقل الیہ کو یہ اختیار ہے کہ قرضہ ادا کر کے جائداد کا انفکاک کرا لے۔ لیکن اگر جائداد بہ قبضہ مرتہن نہین ہے جیسا کہ اس ملک مین اکثر ہوتا ہے اور اسپر صرف قرضہ کا بار ہے تو راہن پورے طور پر مجاز ہے کہ جس طرح چاہے اوسے منتقل کرے۔ لیکن اگر جائداد بہ قبضہ غاصب ہو تو شاید اوس سے قاعدہ مذکورہ بالا متعلق نہ ہو[52]۔ اس قسم کی

---

[51] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۶۵۰ جسکی تقلید بمقدمہ مہر علی بنام تاج الدین بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶ مین ہوئی۔

[52] بمقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسین ہفتہ وار ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۶۶ و الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۔ تجویز ہوئی کہ جب جائداد غیر منقولہ بہ قبضہ غاصب ہو اور واہب کا قبضہ کبھی اوسپر نہین تھا اور اسوجہ سے وہ موہوب لہٗ کو قابض نہ کرسکا تو ایسا ہبہ شرعاً ناجائز ہے۔ (بحوالہ چند نظائر) دیکھو مہر علی بنام تاج الدین بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶۔ + النوری بیگم بنام نظام الدین شاہ الہ آباد جلد ۲۱ صفحہ ۱۶۵۔

جائداد مین واہب کا صرف ایک ناکمل حق ہے یعنی یہ کہ حصول قبضہ کے لیئے نالش کا کرنا اور یہ ممکن ہے کہ قدیم زمانہ مین تنفر اجائے نالش کی موہوم حق کے ہبہ کو ناجائز قرار دیا ہو لیکن اس امر کے خیال کرنے کی کوئی قوی وجہ نہین ہے کہ کیون کوئی شخص اپنی ایسی جائداد دوسرے کے حق مین ہبہ کرنے سے ممنوع کیا جائے - جسکا انفصال گو درحقیقت وہ مالک ہے مگر اتفاق سے ایک شخص غاصب کے قبضہ مین ہے -

محمد بخش خان بنام حسینی بی بی

بمقدمہ محمد بخش خان بنام حسینی بی بی[1] حکام پریوی کونسل نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب ہبہ رضامندی سے لیا ہے اور موہوب لہ کو اختیار دیا گیا ہے تاکہ وہ اسپر قابض ہوجائے اور بعدہ مین موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا تو ہبہ صرف اسوجہ سے ناجائز نہوگا کہ وقت ہبہ واہب کے قبضہ مین جائداد موہوبہ نہ تھی -

محی الدین بنام منچیر شاہ

بمقدمہ محی الدین بنام منچیر شاہ[2] ہائیکورٹ بمبئی نے یہ تجویز کی ہے کہ کسی ایسی جائداد کا بیع جو بایع کے قبضہ مین نہو صحیح ہے اسلئے اوس جائداد کا ہبہ بالعوض جو قانوناً بیع کے مشابہ ہے بلا کسی حجت کے صحیح ہوگا -

ملک عبدالغفور بنام مساۃ ملکہ

کلکتہ ہائی کورٹ نے بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مساۃ ملکہ[3] یہ امر تجویز کیا ہے کہ جو جائداد بہ قبضہ کاشتکار یا پٹہ دار ہو اوسکا ہبہ شرعاً صحیح ہے -

چیف جسٹس کی تجویز کا اقتباس ذیل مین ہے -

"۔۔۔ اس جائداد مین جو ہبہ کی گئی ہے چند زمینداریان و حصص زمینداریان داخل ہین جو مطابق دستور کے اسامیان و رعایا کو پٹہ پر دی گئی ہین - اور بہت سی جائداد لاخراج کہ وہ بھی آسامیون کو پٹہ پر دی گئی تہین اور چند حصص مالکانہ کچھ مالیت کے اور

[1] اپیل ہائے ہند جلد ۱۵ صفحہ ۸۱ [2] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۶۵۰ [3] کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۱۲ جسکی تقلید بمقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱ مین ہوئی -

مختلف جائداد سکنی موقوعہ پٹنہ ودیگر مقامات مشتمل اوپر مکانات وسائبان وسڑک وباغات وغیرہ۔

"کوئی شہادت قابل اطمینان بابتہ اس امر کے نہیں ہے کہ بوقت ہبہ جائداد آخر الذکر پر کس طرح کا قبضہ تہا اور اوس سے کیونکر تمتع حاصل ہوتا تھا"

"مدعیان کے دلائل سے تین بڑے مسئلے پیدا ہوتے ہین۔

اول یہ کہ بموجب شرع محمدی کے اون اراضیات کا ہبہ نہیں ہوسکتا جو واہب کے قبضہ مین نہین ہین و نہ اشیائے غیر مادی کا جیسے کرایہ وحقوق مالکانہ اور مثل اسکے دوسرے یہ کہ حصہ غیر منقسم کسی مکان یا زمینداری کا منشاء ہبہ نہین ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ وہ ہبہ جو دو شخصون کے نام بلا تقسیم اور تفریق مابین کے کیا جاے ناجائز ہے۔

"ان امورات کے تجویز کرنے مین ہمکو یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ شرع محمدی جسکی جانب ہماری توجہ نہایت قدیم ومستند کتابون مین مائل کی گئی ہے بہت صدیاں گذرین کہ بغداد و دیگر اسلامی ممالک مین ایسے وقت شایع کی گئی تہی جب کہ قوانین وسوسائٹی کی حالت ہند کی مروجہ حالت قانون وسوسائٹی کے بالکل مختلف تھی۔ اور نیز یہ کہ اگرچہ ہم اون مقدمات مین جو اہل اسلام کے درمیان ہوتے ہین قواعد شرع محمدی پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہین مگر اکثر اس امر کا تحقیق کرنا مشکل ہے کہ وہ قواعد راسخ کیا ہین اور اس سے بہی زیادہ اون اختلافات کا موافق کرنا دشوار ہے جو شرع محمدی مروجہ ہند کے بڑے شارحین مین پیدا ہوئے یعنی ابو حنیفہ اور اونکے دو شاگردون مین"

"ہمکو حتی الامکان اسبات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اون صحیح اصول کو جنپر قانون مذکور مبنی تھا تحقیق کرین اور اونپر بلحاظ قواعد عدل وخوش ایمانی ونیز بلحاظ قوانین وحالت سوسائٹی ودیگر حالات کے جو بالفعل اس ملک مین رائج ہین عمل کرین۔

"اس قدر تمہید کے بعد ہم خیال کرتے ہین کہ منجملہ دلائل مذکورہ کی اول دلیل اگرچہ اوسکی بحث مین کسی قدر وقت صرف ہوا ہے فوراً طے ہو سکتی ہے - بلکہ حقیقت مین ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طے ہو چکی ہے -

"ہمکو کئی اسناد کا منجملہ اونکے درالمختار کتاب ہبہ صفحہ ۳۲۵ کا حوالہ دیا گیا جسمین درج ہی کہ کوئی ہبہ جائز نہین ہے تاوقتیکہ موہوب وقت ہبہ کے واہب کے قبضہ مین نہ ہو - مثلاً اگر زمین کسی غاصب (فعل بیجا کنندہ) یا پٹہ دار یا مرتہن کے قبضہ مین ہو تو وہ ہبہ نہین ہو سکتی کیونکہ ان صورتون مین واہب اوس چیز پر جو وہ ہبہ کرنا چاہتا ہے قابض نہین ہے -

"مگر ہم خیال کرتے ہین کہ یہ قاعدہ جو بلاشبہ چند کم و بیش مستند کتابون مین پایا جاتا ہی جہان تک کہ اوسکو اراضی سے تعلق ہے اونہین صورتون سے متعلق ہے جنمین کہ واہب اراضی مین حق مقابضت کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور محض حق آیندہ واقع اراضی مذکور ہبہ نہین کرتا بلاشبہ واقعی قبضہ یا دخل بجز اوس شخص کے جو فی الوقت قابض ہو اور کوئی دوسرا منتقل نہین کر سکتا - یہہ ممکن ہے کہ ان مسائل کی توضیح اوس قانون سے ہو جسکی نسبت ہمکو معلوم ہوا ہے کہ زمانہ سابق مین بغداد مین اوس اراضی کے متعلق جو پٹہ پر دیجاتی تہی رائج تہا اور ہم سے یہ بہی بیان کیا گیا ہے کہ پٹہ اجارہ جو اس ملک مین بالعموم اوس پٹہ ٹہیکداری کو کہتے ہین جو کاشت کی غرض سے رعیت کو دیا جاتا ہے بموجب قاعدہ بغداد کے خواہ اوس اراضی یا اوسکے منافع کے پٹہ سے مراد تہی اور یہہ کہ مالک اراضی بعد اس قسم کے پٹہ دینے کے اپنے حق مابعد کو قانوناً اسطرح پر منتقل نہین کر سکتا تہا کہ منتقل الیہ کو اجارہ دار سے لگان وصول کرنیکا اختیار ہو جاے (دیکہو فتاوی عالمگیری جلد ۳ کتاب ہبہ صفحہ ۵۲)

"آیا اصلی معنی ان اسناد کے یہی ہین بہت مشتبہ ہے - لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگر اس ملک مین اس قسم کا قانون ہو جائے تو ہبہ کے ذریعہ سے زمینداری اور دیگر حقوق زمینداری

کا انتقال قطعی ناممکن ہو جاسے گی۔

دو اس ملک میں نہ صرف یہ کہ اراضیات کسی نہ کسی قسم کے پٹے پر دیجاتی ہین اور اکثر ایسی زمینداری ریاست والیوں کے چار پانچ قسم کی اسامیان ہوتی ہین۔ عام طور پر جو اس ملک مین قبضہ کہلاتا ہے وہ قبضہ خاص یا واقعی نہین ہوتا بلکہ لگان یا منافع کی تحصیل ہوتی ہے۔ اگر ایسی اراضیات جو پٹے پر دی گئی ہین منشاء ہبہ کے مطابق ہو سکتین تو ہزار ہا ہبہ جو ہندوستان مین اسکے بعد دیگرے کیے گئے ہین ناجائز ہو جاینگے۔ اگر ہم شرع محمدی کی اس جدید تاویل سے اتفاق کرنے کی طرف مائل ہون (حالانکہ ہم نہین ہین) تو ہم خیال کرتے ہین کہ ہم جماعت اہل اسلام کو ایک بڑا نقصان پہونچاینگے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ انتقال جائداد کے معاملہ میں ایک بے اختیار ہو جاینگے جسکا تجربہ اونکو اس ملک مین کبھی اس سے پیشتر نہین ہوا تھا۔ قانون کی یہ تاویل اون چند مقدمات کے بالکل خلاف ہوگی جو صدر دیوانی عدالت نے (بمشورہ قاضیان) اور نیز عدالت ہذا سے فیصل کئے ہین (دیکھو رپورٹ ہاے منتخب جلد ایک صفحات ۵۵ و ۱۲۲ و ۱۵۵ - رپورٹ و نظائر ہائی کورٹ بمبئی جلد ایک صفحہ ۱۵۷ و ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۸۸ و ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۸) اور تاویل مذکورہ بخلاف مقدمہ امیر النسا بنام عبید النسا[1] ہے جسکو حکام والا پریوی کونسل نے فیصل کیا ہے۔

دیداوس مقدمہ مین بڑی زمینداریون کا ہبہ جائز قرار دیا گیا تھا اگرچہ یہ ظاہر ہے جیساکہ عام طور پر ایسی جائدادون مین ہوتا ہے اونمین بھی ہر قسم کے حقوق و حق کاشت وغیرہ داخل تھے۔ اوسوقت کوئی عذر ہبہ کی بابت اس بنا پر نہین پیش کیا گیا تھا جیساکہ اسوقت کیا جاتا ہے اور حقیقت مین جہان تک ہمکو معلوم ہے یہ عذر اول ہی مرتبہ پیش کیا جاتا ہے

[1] ویکلی رپورٹر جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۸ یا اپیل ہاے ہند جلد ۲ صفحہ ۸۷ -

اسیطرح پر حق مالکانہ کی نسبت ہمکو کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ اس قسم کے حقوق مثل ترکہ اور اوسی قسم کی دیگر جائداد غیر مادی کی طرح کیون نہین ہبہ کئے جا سکتے۔ ہم ابھی تجویز کر چکے ہین کہ حقوق جنمین حق وصول لگان داخل ہے اسطرح منتقل ہو سکتے ہین۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمسکات و نوٹ ہاے سرکاری و دیگر حقوق ناشی جس سے قرضہ مستحق گورنمنٹ یا دیگر اشخاص سے وصول زر کا اختیار ہوتا ہے منتقل ہو سکتے ہین

"حق مالکانہ گورنمنٹ سے اوس منافع کے وصول کرنیکا حق ہے جو مالک کو کسی حقیت مالگذار مین اپنے حصہ کی بابت یافتنی ہے جب کہ اوسکی جائداد بوجہ انکار ادا ے مالگذاری ضبط گورنمنٹ یا کسی دوسری وجہ سے گورنمنٹ نے اپنے خاص قبضہ مین لے لی ہو یا کسی دوسرے شخص کو دیدی ہو جو شخص مالگذاری کے ادا کرنے پر رضامند ہو۔ اصولاً ہمارے نزدیک حق مالکانہ و حق وصول لگان یا اوس حصہ منافع مین جو سرکاری نوٹ پر واجب الادا ہوتا ہے کوئی فرق نہین کیا جا سکتا۔

"دلائل دوم و سوم جنکی نسبت مدعیان کی جانب سے حجت کی گئی ہے شرع محمدی کے مسئلہ مشاع سے تعلق رکھتے ہین۔ یہ استدلال کیا گیا ہے۔ نمبر۱۔ کہ کسی جائداد کے حصہ غیر منقسم کا ہبہ بوجہ مشاع یا خلط منجانب واہب ناجائز ہے۔ نمبر۲۔ یہ کہ جائداد کو دو موہوب لہما کے نام ہبہ کرنا بلا اسکے کہ اونکے حصص جدا و تقسیم کر دئے جاوین بوجہ خلط منجانب موہوب لہما کے ناقص ہے۔

"لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ ایسی جائداد سے متعلق ہے جو قابل تقسیم ہو۔ دیکھو ہدایہ جلد ۳ کتاب ہبہ صفحہ ۲۹۳۔ کتاب مذکور مین یہ قاعدہ درج ہے کہ ایسی شے کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو جائز نہین ہے تاوقتیکہ اوسکی تقسیم و تفریق نہ کیجاوے۔ نیز دیکھو شرع محمدی مولفہ بیلی صاحب طبع دوم صفحہ ۵۲۰ و فتاوی عالمگیری کتاب ہبہ صفحہ ۱۳۵ و شرع محمدی

مولفہ میگھناٹن صاحب صفحہ ۲۰۱ " لہذا یہ قاعدہ صرف ایسی جائداد کے ہبہ سے متعلق ہے جو قابل تقسیم ہو اور حقوق مابعد وحق مالکانہ یا دیگر حقوق نالش قابل تقسیم نہین ہین -

" یہ کہا جاتا ہے کہ خاص وجہ اس قاعدہ کی جو صرف ہبہ سے متعلق ہے و بیع سے نہین یہ ہے کہ کسی شخص کے ورثا ایسی ہبہ سے محفوظ ہین جو بابطال اونکے حقوق کے کیجائین - چند کتابون کا ہمکو حوالہ دیا گیا جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے اور غالباً اس قاعدہ کی یہ بہی وجہ ہے کہ وائنان مہ یونان کے فریبی ہبہ سے محفوظ ہین کیونکہ ہبہ کی نیک نیتی کے امتحان کرنیکا یہ مشہور طریقہ ہے کہ آیا موہوب لہٗ کو شے موہوبہ پر قبضہ دیا گیا یا نہین - ہمارے سامنے اس امر پر بہت زور سے بحث کی گئی ہے کہ مشاع کے قاعدہ کے بموجب وہ ہبہ جو اس مقدمہ مین مدعا علیہم کے نام ہوا ہے قطعی ناجایز ہے کیونکہ ہبہ اراضیات کا تھا اور آراضیات کی تقسیم نہین کی گئی اور بعرض اسکے کہ یہ ہبہ جہان تک کہ اوسکو زمینداری سے تعلق ہے بوجہ اسکے کہ زمینداری پٹہ پر دی گئی ہے جایز ہو تاہم وہ نسبت جائداد سکنی و باغات و سائیان وغیرہ کے ناجائز ہوگا کیونکہ یہ ثابت نہین کیا گیا کہ یہ چیزین پٹہ پر دی گئی تہین اور اسوجہ سے ناقابل تقسیم تہین -

" مگر ہم خیال کرتے ہین کہ یہ عذر جائداد متنازعہ کے کسی جزو کی نسبت صحیح نہین ہے -

" زمینداریون کی نسبت جیسا کہ ہم اوپر لکہہ چکے ہین اونمین واہب کا ایک حق مابعد تہا اور جو شے کہ واہب نے بذریعہ ہبہ منتقل کی وہ صرف وہی حق مابعد تہا جسکے ذریعہ سے موہوب لہما کو استحقاق وصول لگان و منافع کا حاصل ہوا - شہادت مدعا علیہم سے (جو نسبت اس امر کے ایسی صاف ہے کہ جج عدالت ماتحت نے یہ خواہش کی تہی کہ اول دو گواہون سے زیادہ کی شہادت قلمبند نہ کیجاسے) ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ کنیز فاطمہ کی حیات مین وہ اور ملکہ علیحدہ علیحدہ لگان وصول کرتی تہین اور یہ کہ ہبہ ہونے کے بعد ہی فوراً قبضہ موہوب لہما کو اوس طرح پر

دیدیا گیا جسکے سوا اور کسی دوسرے طریقہ پر قبضہ نہین دیا جا سکتا تھا[51]

امت النسا بنام نور الدین حسن خان

مقدمہ امت النسا بنام نور الدین حسن خان[52] شوہر مدعیہ نے مدعیہ کے حق مین ایک ہبہ نامہ لکھا جسکی روسے چالیس ہزار روپیہ سالانہ جاگیر کے منافع سے مدعیہ کو دیا گیا - بمبئی ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ یہ ہبہ نا جائز ہے کیونکہ ایسی شے جو آیندہ حاصل کی جاے شرعاً ہبہ نہین ہو سکتی گو اوس شے کے حاصل کرنے کے وسائل واہب کے اختیار مین ہون بلکہ شے موہوبہ کا وجود وقت ہبہ کے ہونا شرعاً ضرور ہے -

فصل ششم مشاع و اوسکے متعلق احکام

فتاوی عالمگیری - جو چیز واہب کے حوزۂ تصرف مین اوسکے املاک و حقوق سے فارغ ہو یعنی اوسکی ملکیت و حق اوس سے متعلق نرہے اور جو شے غیر منقسم کہ اگر تقسیم کیجائے تو بعد تقسیم کے اوس سے اوس جنس کا انتفاع جو تقسیم سے پہلے حاصل تھا حاصل نہین رہتا جیسے مختصر مکان یا مختصر حمام تو اوسکا ہبہ صحیح ہے - لیکن جو شے غیر منقسم کہ تقسیم کیجاتی ہے اور بعد تقسیم و قبل تقسیم کے اوس سے انتفاع حاصل کیا جاتا ہے اوسکا ہبہ مشاع صحیح نہین ہے - (کافی) اور یہ شرط ہے کہ شے موہوب قبضہ کے وقت نہ ہبہ کے وقت تقسیم کر کے علحدہ

---

۵۱ اس مقدمہ کی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک حال کے مقدمہ مین یعنی بمقدمہ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ہفتہ وار سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ مین کی ہے -

۵۲ انڈین لا رپورٹ بمبئی جلد ۲۲ صفحہ ۴۸۹ -

کردی گئی ہو۔ مثلاً اگر زید نے نصف حصہ مکان غیر منقسم ہبہ کیا اور ہنوز سپرد نہ کیا تھا کہ باقی نصف بھی ہبہ کر کے کل مکان سپرد کر دیا تو جائز ہے۔ ظہیریہ مین ہے۔ اور اگر نصف مکان کسیکو ہبہ کر کے سپرد کر دیا اور پھر بقیہ نصف ہبہ کر کے سپرد کیا تو جائز نہین ہے اور دونو فاسد ہین۔ نہایہ

مشاع کے متعلق سید امیر علی صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہین وہ مشاع کے مسئلہ پر ہمارے ملک کی عدالتون مین آئے دن بحث ہوا کرتی ہے۔ اور چونکہ یہ مسئلہ بہت مشکل و اہم ہے اسلیئے اسکے معنی اور وہ قانونی اصول جو اسکے متعلق ہین کسیقدر وضاحت سے بیان کرنا ضروری

دو جب کسی جائداد مین ایک سے زیادہ اشخاص مشترک و غیر منقسم حق رکھتے ہین تو اوسے مشاع کہتے ہین۔ مشاع شیوع سے مشتق ہوا ہے جسکے معنی خلط کے ہین۔ جب کوئی خاص جائداد چند اشخاص کی مشترکہ و غیر منقسم ملکیت ہو تو اونمین سے کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ اوسکا حق اوس جائداد کے کسی مخصوص حصہ مین ہے۔ اگر شرکا مین سے کسی نے اس قسم کی جائداد مین اپنا حصہ ہبہ کر دیا تو بقیہ شرکا مین اوس جائداد سے تمتع حاصل کرنے مین جھگڑا ہونیکا احتمال ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہبہ مشاع کا امتناع حنفی مذہب کے بڑے مقننین بالخصوص امام ابوحنیفہ کے زیادہ تر اس خوف پر مبنی ہے کہ اوسکے باعث شے موہوب سے انتفاع حاصل کرنے مین نزاعات پیدا ہونگی۔

اس مسئلہ مین ابوحنیفہ اور اونکے دو شاگردون مین بہت اختلاف ہے۔ لیکن عام طور پر شاگردون کی راے مسلمانون کی ترقی مین ہارج نہین ہے۔ بلکہ اوسکی ضروریات کے لیے بمقابلہ ابوحنیفہ کی راے کے زیادہ تر مناسب ہے۔

اپنی اس راے کی تائید مین سید امیر علی فتاوی عالمگیری سے ذیل کے مسئلہ بیان کرتے ہین۔ جنکو ہم فتاوی مذکور سے نقل کرتے ہین۔ فتاوی عالمگیری جلد ۳ حصہ ۲ صفحہ ۱۳۷۔

لایق تقسیم چیز مین غیر منقسم دو یا زیادہ آدمیون کو ہبہ کرنا صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور

امام (ابو حنیفہ) کے نزدیک فاسد ہے باطل نہین ہے حتیٰ کہ قبضہ ہوجانے سے ملکیت
ثابت ہوجاتی ہے۔ صدر الشہید[۵۱] نے ذکر کیا ہے کہ اگر لایق تقسیم چیز دو آدمیون کو ہبہ
کی گئی حتیٰ کہ یہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ٹھیرا اور ہر او سپر قبضہ کرلیا تو ملک خاص ثابت
ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ عنایہ۔ اور موہوب لہٗ کی ملکیت سواے قبضہ کے اور کسی
طرح پر نہین ثابت ہوتی۔ فصول عمادیہ۔ اگر طرفین سے شیوع ہو اور شے لایق تقسیم ہے
تو بالاجماع جواز ہبہ کا مانع ہے۔ و اگر موہوب لہٗ کی طرف سے شیوع ہو تو امام اعظم کے نزدیک
جواز ہبہ کا مانع ہے۔ گو صاحبین کے قول کے مطابق مانع نہین ہے۔ ذخیرہ۔ اگر دو شخصون
کو ہبہ کیا اور وہ دونون فقیر ہون تو مثل صدقہ کے بالاجماع جائز ہے اور اگر دونون غنی ہون
اور ہر ایک کو نصف ہبہ کیا یا مبہم کہا یا کہا مین نے تم دونون کو ہبہ کیا یا ایک کی دوسرے پر
تفضیل کی کہ اسکے واسطے دو تہائی اور اوسکے واسطے ایک تہائی تو امام اعظم کے نزدیک
تینون صورتون مین صحیح نہین ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ تینون صورتون مین جائز ہے
اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تفضیل کی صورت مین جائز نہین ہے اور باقی دو صورتون مین
جائز ہے ... اگر دو شخصون نے ایک شخص کو ایک مکان ہبہ کیا تو بالاجماع صحیح ہے
و اگر ایک شخص نے دو شخصون کو دو غلامونکا آدھا یا مختلف کپڑونکا آدھا یا ذیل مختلف
کپڑونکا نصف ہبہ کردیا تو جائز ہے۔ ایسے ہی مختلف چارپایون مین یہی حکم ہے و اگر ایک
ہی قسم مین ایسا واقع ہوا تو جائز نہین ہے مگر جب تقسیم کرکے علحدہ کردیا جاوے تو جائز ہے
محیط۔ اگر کسی دیوار یا خاص راستہ یا حمام مین سے اپنا حصہ ہبہ کیا اور بیان کردیا اور موہوب لہٗ
کو اوسپر قبضہ کرادیا تو جائز ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مکان معہ تمام حدود و حقوق کے تقسیم کرکے
و اپنے تعلقات سے فارغ کرکے دوسرے کو ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے مالک کی اجازت سے

۵۱ خراسان کے بہت بڑے فقیہ جو تیرھوین صدی مین ہوئے۔

اوسپر قبضہ کرلیا لیکن مکان کی آمدورفت کا راستہ اوسکے اور دوسرے شخص کے
درمیان مشترک ہے تو یہ جائز ہے۔ جواہر اخلاطی۔ اگر ایسا مکان ہبہ کیا جسمین واہب
کا اسباب ہے اور مکان سپرد کردیا یا معہ اسباب کے مکان سپرد کردیا تو صحیح نہین ہے
اور حیلہ اس باب مین یہ ہے کہ پہلے وہ اسباب موہوب لہٗ کو ودیعت دیکر اوسپر قبضہ
کرادے پھر وہ مکان سپرد کردے واگر فقط اسباب بدون مکان کے ہبہ کیا اور اسباب پر قبضہ دیدیا تو صحیح
ہے واگر مکان واسباب دونون ہبہ کرکے دونون پر قبضہ دیدیا تو ہبہ دونون مین صحیح ہے
واگر سپرد کرنے مین تفریق کردی مثلاً دونون مین سے ایک کو ہبہ کرکے سپرد
کیا پھر دوسرے کو ہبہ کرکے سپرد کیا پس اگر مکان کا ہبہ مقدم رکھا تو
مکان کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اور اسباب کا ہبہ صحیح ہوگا۔ واگر اسباب کا ہبہ مقدم رکھا تو دونون کا
ہبہ صحیح ہوگا۔ اگر زمین بدون کھیتی کے یا کھیتی بدون زمین کے یا درخت بدون پھل کے
یا پھل بدون درخت کے ہبہ کیا اور قبضہ دیدیا تو دونون صورتون مین ہبہ صحیح نہین ہے
کیونکہ دونون مین سے ہر ایک دوسرے سے مثل ایک جزو کے دوسرے جزو سے اتصال
رکھتا ہے پس یہ ہبہ مثل ہبہ مشاع قرار پایا جو محتمل قسمت ہے۔ واگر دونون مین سے ہر ایک
کو علیحدہ ہبہ کیا مثلاً زمین کو ہبہ کیا پھر کھیتی کو ہبہ کیا یا کھیتی کو ہبہ کیا پھر زمین کو ہبہ کیا پس اگر
سپرد کرنے مین دونون کو ایکبارگی سپرد کیا تو دونون کا ہبہ جائز ہے واگر سپرد کرنے مین
تفریق کی تو دونون کا ہبہ جائز نہین ہے خواہ دونون مین سے کسیکو مقدم رکھا ہو
سراج الوہاج۔

شاغل کا ہبہ جائز ہے مشغول کا ہبہ جائز نہین ہے۔ مثلاً اگر ایسی بوری ہبہ کی جسمین
اناج ہے تو جائز نہین ہے۔ واگر اناج جو کسی بوری مین ہے ہبہ کیا تو جائز ہے۔ اگر
ایسا چوپایہ ہبہ کیا جسپر بوجھ لدا ہے تو جائز نہین ہے واگر بوجھ جو چوپایہ پر ہے ہبہ کیا اور

بوجھ معہ چوپایہ کے سپرد کیا تو جائز ہے۔ اگر پانی جو گلاس مین ہے ہبہ کیا تو جائز ہے واگر گلاس بدون پانی کے ہبہ کیا تو جائز نہین ہے۔ اگر جورو نے اپنا گھر جسمین شوہر کے ساتھ رہتی ہے اپنے شوہر کو ہبہ کیا اور رہی تو جائز ہے۔ اگر کسی زمین کی کھیتی یا درخت کا پھل یا مکان کی عمارت ہبہ کیا اور موہوب لہ کو کھیتی کاٹ لینے یا پھل توڑ لینے یا عمارت توڑ لینے کا حکم دیا اور (موہوب لہ نے) اوس نے ایسا ہی کیا تو استحساناً ہبہ جائز ہے اور یون قرار دیا جائیگا کہ گویا اوسنے بعد کھیتی وغیرہ کاٹ لینے کے ہبہ کیا واگر اوس نے قبضہ کی اجازت نہ دی اور موہوب لہ نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ کافی۔

شے موہوب مین واہب کے سوا اور کسی اور کی ملک کا اشتغال

اگر شے موہوب کا سوائے واہب کے کسی دوسرے کی ملک سے کے ساتھ اشتغال ہو تو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ امر ہبہ پورا ہونیکا مانع نہین ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر زید نے اپنا مکان عمرو کو مستعار دیا پھر عمرو نے خالد کا اسباب غصب کر کے اوس مکان مین رکھا پھر زید نے عمرو کو وہ مکان ہبہ کر دیا تو جائز ہے اسیطرح اگر خود زید نے کوئی مال خالد کا غصب کر کے مکان مین رکھا پھر عمرو کو ہبہ کیا تو جائز ہے۔ گو وہ مکان ایسی شے کے ساتھ مشغول تھا جو ہبہ نہین ہوا ہے کیونکہ وہ مکان ملک واہب کے ساتھ جو ہبہ پورا کرنے کی مانع ہوتی ہے مشغول نہین ہے فصول عمادیہ۔

اگر شے موہوبہ کے کسی جزو پر استحقاق ثابت ہو تو کل ہبہ ناجائز ہوتا ہے

اگر کوئی مکان معہ اسباب کے ہبہ کیا اور سپرد کر دیا پھر اسباب پر کسی شخص نے استحقاق ثابت کیا تو مکان کا ہبہ صحیح رہا۔ کافی۔ واگر مکان کسی شخص کو ہبہ کیا اور اوسنے قبضہ کر لیا پھر کچھ مکان استحقاق مین لے لیا گیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔ ینابیع۔ واگر کوئی زمین معہ اوسکی کھیتی کے ہبہ کر کے سپرد کر دیا یا کوئی نخل معہ اوسکی پھل کی ہبہ کر کے سپرد کر دیا پھر کھیتی و ثمر مین بدون زمین نخل کی استحقاق ثابت ہوا تو زمین و نخل کا ہبہ بھی باطل

ہے۔ محیط۔ واگر کوئی زمین اور اوسکی کھیتی ہبہ کی اور کاٹ کر سپرد کی پھر دونوں مین
سے ایک مین استحقاق ثابت ہوا تو دوسرے کا ہبہ باطل ہو جائے گا۔ محیط سرخسی۔
دو شریکون مین سے اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ مین نے نفع مین سے اپنا حصہ
تجھکو ہبہ کر دیا تو مشایخ نے فرمایا اگر وہ مال بعینہ قایم ہو تو ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ ہبہ غیر منقسم
ایسی شے کا ہے جو لائق تقسیم ہے واگر شریک نے مال تلف کر دیا ہے تو صحیح ہے کیونکہ
ایسی حالت مین یہ اسقاط حق ہے۔ ظہیریہ۔

قبض الکامل۔ امیر علی صفحہ ۴۷۔ مسائل مذکورہ بالا سے اوس زمانہ کی سوسائٹی کی حالت
کا پتہ چلتا ہے جس زمانہ مین کہ وے شایع کیے گیے تھے اور نیز یہ کہ ابتداءً یہ مسائل کس
قسم کی اشیاء سے متعلق تھے۔ علمائے متاخرین نے اِن اصول کی تعمیر سختی سے
نہین کی ہے۔ اس اصول کو ملحوظ رکھکر کہ قبضہ سے ہبہ فاسد مین ملک ثابت ہو جاتی ہے
مصنف مجمع الانہار قبض الکامل کی تعریف حسب ذیل کرتا ہے۔
"جائداد کے منقولہ و غیر منقولہ ہونے کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے
یعنی نوعیت جائداد کی مطابق قبضہ کی نوعیت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً صرف مکان کی کنجی لے
لینا بمنزلہ قبضہ مکان کے ہے"

اگر کسی شخص نے اپنا مکان دو شخصون کو ہبہ کیا تو مطابق ابو حنیفہ کے قول کے ہبہ جائز
نہین ہے۔ ایسے ہی اون تمام چیزونکا ہبہ ناجائز ہے جو لائق تقسیم ہین۔ مگر امام موصوف کے
دونون شاگردون کے نزدیک ہبہ صحیح ہے" امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر واہب نے
موہوب لہم کے حصص کی صراحت بھی کر دی ہو تو ہبہ صحیح نہین ہے۔ لیکن جس مسئلہ پر
عام طور پر اتفاق ہے وہ اسکے بالکل خلاف ہے۔ فتاوی قاضی خان مین ہے
کہ اگر کسی شخص نے اپنا نصف مکان ایک شخص کو ہبہ کیا اور

دوسرا نصف دوسرے کو اور دونوں کو ساتھ ہی سپرد کر دیا تو ہبہ صحیح ہے۔ لیکن اگر ایک کو پہلے سپرد کیا اور دوسرے کو بعد میں تو ہبہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہ ہوگا"

ہبہ بالمشاع باطل نہیں ہے بلکہ فاسد ہے اور قبضہ سے اس نقص کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ مجمع الانہار میں ہے کہ "یعقوب پاشا کا قول ہے کہ اگر کوئی لائق تقسیم شے دو شخصوں کو ہبہ کی جائے تو ہبہ فاسد ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل نہیں ہے اور اگر موہوب لہم نے قبضہ کر لیا تو انکی ملکیت ثابت ہوگئی اور اسی پر فتوی ہے" یہ قول صدر الشہید کے قول کے بالکل موافق ہے۔

ردالمختار میں لکھا ہے کہ "درر میں فصولین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہبہ فاسد میں قبضہ سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ اور ایسے ہی بزازیہ میں ہے۔ اور عمادیہ میں صرف اس قدر اختلاف ہے کہ وہ صحیح کہتا ہے لیکن فتوی کا لفظ صحیح سے زیادہ مضبوط ہے"

لیکن ہبہ کی تکمیل کے لئے واقعی قبضہ ضروری نہیں معلوم ہوتا یا کم سے کم شاع کے نقص کے رفع کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے فقہا کے نزدیک صرف قبضہ کی اجازت دینا کافی ہے۔

قبضہ کی اجازت "حمادیہ میں جامع الفتاوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کھیتی جو زمین میں ہے یا پھل جو درختوں پر ہے یا نیام جسمیں خنجر ہے یا عمارت یا دینار جو دوسرے پر قرض ہے یا کوئی کیلی شے ہبہ کیا اور موہوب لہ کو اجازت دیدی کہ تو کھیتی کاٹ لے یا پھل توڑ لے یا نیام لے لے اور عمارت و دینار پر تو قبضہ کرے یا چیز کو تول لے اور موہوب لہ نے ایسا کیا تو استحساناً ہبہ صحیح ہے" اور پھر "اگر واہب نے خود یا اپنے نائب کی معرفت تقسیم کیا یا واہب نے موہوب لہ کو اپنے شریک سے تقسیم کرنے کی اجازت دی تو اس سے ہبہ کامل ہوگیا۔ اگر

کسی شخص کے حق مین ہبہ کیا گیا اور اوسنے دو شخصون کو اپنی طرف سے قبضہ لینے کے لیے مقرر کیا اور دونون نے قبضہ لیا تو جائز ہے۔ جیسا کہ قاضی خان مین لکھا ہے؟

مشاع کا مسئلہ زمینداری سے متعلق نہین ہے

عربی کتابون مین جو مثالین مشاع کی پائی جاتی ہین اونسے بآسانی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مشاع کا مسئلہ صرف چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی یا مکانات سے متعلق ہے اور قبضہ کا یہ مقصود نہین معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ بڑی بڑی زمینداریان و تعلقہ جات کے حصص سے متعلق کیا جائے جس زمانہ مین کہ حنفیون مین یہہ مسئلہ جاری ہوا اوسوقت کی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوس زمانہ مین ایسی بڑی بڑی زمینداریان نہ تہین جیسا کہ فی زماننا ہمارے ملک مین ہین۔ فارس کا قدیم زمینداری قاعدہ عرب کے فتوحات سے زایل ہوگیا اور دہقان جو کہ ساسانیون کے زمانہ مین زمیندار ہوتے تھے وہ معمولی کاشتکار رہ گئے۔ حکومت عرب کے زمانہ مین ملک فارس کی زمین کچھ تو اون عربون مین تقسیم کردی گئی جنہون نے اپنا وطن ترک کرکے وہان کی سکونت اختیار کی اور کچھہ پرانے باشندون کے ہاتھ مین تھوڑا تھوڑا کرکے رہنے دیگئی تاکہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنیکا حوصلہ نہ پیدا ہو جس زمانہ مین کہ حنفی شرع کی بنیاد پڑی اور بڑے بڑے امام و فقیہ ہوئے اوسوقت سوسائٹی کی یہی حالت تہی۔

اسلئے مشاع کا مسئلہ بظاہر اسباب ایسی بڑی زمینداریون سے متعلق نہین ہو سکتا جنکا وجود زمانہ مابعد مین ہوا۔ بمقدمہ عبید النسا بنام امیر النسا[۵۱] حکام پریوی کونسل نے اس اعتراض پر بحث کی ہے کہ آیا مسئلہ عدم جواز ہبہ بالمشاع زمینداری کے ایسے حصص سے جو علحدہ علحدہ مالگذار سرکار ہین متعلق ہے یا نہین۔ حکام موصوف تحریر کرتے ہین۔

عبید النسا بنام امیر النسا

"ہائی کورٹ مین ایک قانونی عذر نسبت جواز ہبہ اس بنا پر کیا گیا

---

[۵۱] لا رپورٹ اپیل ہاسے ہند جلد ۲ صفحہ ۸۷ و بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۷ و خلاصہ نظائر ۲۷۶ و ۳۰۳۔

کہ ہبہ مشاع یا جائداد لایق تقسیم کے غیر منقسم حصہ کا ہبہ شرعاً ناجائز ہے - یہ مسئلہ اول مرتبہ ہائیکورٹ مین پیش ہوا اور ہمارے سامنے بھی اوسپر بحث ہوئی ہے - یہ امر تو روشن ہے کہ اس قسم کا ایک قاعدہ چند اشیا و موہوبہ کی نسبت شرع محمدی مین پایا جاتا ہے ہدایہ مین اس قاعدہ کی دو وجہین لکھی ہین - اول یہ کہ ہبہ مین قبضہ شرط ہے ولایق تقسیم شے مین کسی غیر معین حصہ پر قبضہ کرنا غیر ممکن ہے اسلئے شرط کی تعمیل نہین ہوسکتی - ثانیاً اس سے واہب کے ذمہ ایسی چیز لازم کرنی ہوتی ہے جسکا اوسنے التزام نہین کیا یعنی تقسیم کا کرنا دیکھو ہدایہ کتاب ہبہ صفحہ ۲۹۳ کتاب مین ایسی غیر منقسم شے کی جو ہبہ نہین ہوسکتین مثالین درج ہین - مثلاً پہل جو درخت سے اور فصل جو زمین سے علحدہ نہین کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیزون پر جب تک کہ وے اپنی اصل سے ملحق ہین علحدہ قبضہ نہین دیا جاسکتا اور واہب و موہوب کے درمیان جھگڑا ہوگا جسکی شرع اجازت نہین دیتی - مقدمہ حال مین شے موہوب خاص زمینداری کے معین حصے ہین - اور اونکے حقوق کی نوعیت انگریزی گورنمنٹ کے قانون مین درج ہے - ہائیکورٹ نے یہ تجویز کی کہ شرعی قاعدہ اس قسم کی جائداد سے متعلق نہین ہے کیونکہ حصص زمینداری مالگذاری کے اغراض کے لیے علحدہ حقیت مین - ہر ایک حصہ کا نمبر کلکٹر کے دفتر مین الگ الگ درج ہے - اور ہر ایک حصہ علحدہ اپنی مشخصہ مالگذاری سرکار کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہے اور مالک اپنا مخصوص حصہ لگان کا رعیت سے وصول کرتا ہے اور اوسی معین حصہ کا وہ مستحق ہے اوس سے زیادہ کا نہین -

وہ حکام پریوی کونسل کے نزدیک ہائیکورٹ کی یہ تجویز صحیح ہے - جس اصول پر کہ یہ قاعدہ مبنی ہے وہ ہماری رائے مین اس خاص قسم کی جائداد یعنی حصص زمینداری سے متعلق نہین ہے کیونکہ یہ باعتبار اپنی نوعیت کے علحدہ حقیت ہین اور اونکا علحدہ اور مخصوص

منافع ہے۔ مسٹر لیتھہ یہ حجت کرتے ہین کہ چونکہ اراضی غیر منقسم ہے اور مالکان حصص
تقسیم کرانے کے مستحق ہین اسلئے جائداد مشاع ہے۔ گو یہ حق (یعنی حق تقسیم) اونکو
حاصل ہے مگر بلحاظ اوس خاص قانون کے جو ایسے حصص سے متعلق ہے۔ ہماری
راے مین زمینداری کے یہ حصص قبل تقسیم اراضی کے بھی فی نفسہ علحدہ حقیت ہین۔
اور اون سے علحدہ علحدہ تمتع حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اوسکا مخصوص لگان ایک دوسرے
سے الگ ہے اور اسلئے اون سے مشاع کا قاعدہ متعلق نہین ہے"

یہی اصول بمقدمہ شیخ ممتاز احمد بنام زبیدہ جان[۵۱] و سجاد احمد خان بنام قادری بیگم[۵۲]
مین بھی قرار پایا۔

ناقابل تقسیم جائداد کی ہبہ مشاع کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ مقدار معلوم ہو یا مخصوص
کی گئی ہو[۵۳] کیونکہ اگر حصہ معلوم نہین ہے تو جہالت کی وجہ سے نزاع پیدا ہونگے اسلئے
ہبہ ناجائز ہوگا۔

جعفر خان بنام حسینی بی بی

بمقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی[۵۴] مین صدر دیوانی نے یہ تجویز کی
کہ مشترکہ جائداد کے کسی حصہ کے ہبہ کے جواز کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ حصہ بتلا دیا گیا ہو
اور حصہ موہوبہ کے حدود و مقدار ظاہر کی گئی ہو۔ مگر یہ امر تسلیم کرنا چاہیئے کہ ابتداءً صدر دیوانی
نے پرانے مقدمات مین مشاع کے عذر پر ایک ایسی حد تک عمل کیا تھا جو شاید شرعاً
صحیح نہ تھا[۵۵] لیکن ہائی کورٹ کلکتہ و الہ آباد نے اپنے حال کے مقدمات مین اس مسئلہ کو وسیع

۵۱ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۴۶ ۵۲ الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۱ ۵۳ مدراس رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵
۵۴ رپورٹ سیل صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۵۵ میر عبدالکریم بنام مسماۃ محمد النسا بیگم سیل صاحب کی رپورٹ
جلد ۳ صفحہ ۴۴ و سید شاہ باسط علی بنام سید شاہ امام الدین رپورٹ سیل صاحب جلد ۳ صفحہ ۱۷۶ و مسماۃ
خانم جان بنام مسماۃ جیون بی بی رپورٹ سیل صاحب جلد ۴ صفحہ ۲۱۰۔

نظر سے دیکھا ہے اور اونکی راے اون اصول کے مطابق ہے جو موخر زمانہ کی کتابون مثل مجمع الانہار و رد المختار کے درج ہین۔

جیون بخش بنام امتیاز بیگم | بمقدمہ جیون بخش بنام امتیاز بیگم[۵۱] الہ آباد ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ کسی زمینداری کے ایک معین حصہ کا ہبہ مشاع کی بناپر ناجائز نہین ہے کیونکہ اس قسم کا حصہ ایک علحدہ حقیت ہے۔ یہ راے حنفی فقہا کے قول سے بہت بڑہی ہوئی ہے۔ مگر غالباً شرع محمدی کے صحیح مفہوم کے خلاف نہین ہے[۵۲]۔

قاسم حسین بنام شریف النسا۔ بمقدمہ قاسم حسین بنام شریف النسا[۵۳] واہبہ نے اپنا مکان وبارہوان حصہ معافی قاسم حسین وناظم حسین کے حق مین ہبہ کرکے یہ شرط کی۔ کہ میری حیات مین آمدنی جائداد پر میرا اختیار رہیگا بعد میری وفات کے نامبردگان بحصہ مساوی اوسکے قطعی مالک ہونگے اور اوسکی آمدنی کو اپنے ضروری اخراجات مین صرف کرینگے لیکن انکو اختیار نہ ہوگا کہ جائداد کو کبھی منتقل کرین یا اوسپر مواخذہ قایم کرین . . . ،، واہبہ کے ورثا مین سے ایک نے نالش کی اور منسوخی ہبہ نامہ کی دو وجہین پیش کین اول یہ کہ یہ وصیت نامہ ہے اور بغیر رضامندی جملہ ورثاء کے دوثلث جائداد کی نسبت ناجائز ہے دوم مشاع ہونے کے باعث ہبہ ناجائز ہے حکام نے حسب ذیل تجویز کی۔

اولڈفیلڈ صاحب جسٹس ''دستاویز کی رو سے معافی مین واہبہ کا حصہ مدعاعلیہم کی طرف منتقل ہوا اور وے مالک قرار پائے ہین مگر واہبہ نے اپنی حیات تک آمدنی اپنے لیے رکھی ہے۔ مخصوص حصص کا ہبہ شرع محمدی کے مطابق قابل اعتراض نہین ہے اور یہ ہبہ کسی اور طور پر بوجہ اسکے کہ واہبہ نے منافع اپنے لئے رکھہ لیا تھا کالعدم نہین ہے

---

۵۱ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۹۳ ۵۲ حفیظہ بی بی بنام صحیب النسا الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۱۳

۵۳ الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۲۸۵۔

نہ تو اس بناء پر کہ قبضہ مقتضیہ شرع محمدی جائداد موہوبہ پر نہین دیا گیا ورنہ اسوجہہ سے کہ شرط مذکور کے باعث ہبہ ناجائز ہے۔ پریوی کونسل سے بمقدمہ نواب احمد علیخان بنام محمدی بیگم[۵۱] یہ تجویز ہوئی کہ اگرچہ انتقال حقوق قانونی سے شرع محمدی کے اوس حکم کی تعمیل ہوتی ہے جو قبضہ سے بہ معنی شرعی و اصطلاحی متعلق ہے۔ تاہم صرف حقوق ہی کا انتقال کافی نہین ہے جبکہ ملکیت انتفاعی کے منتقل کرنے کی نیت بہ زمانہ حال یا آیندہ نہ ہو لیکن جس صورت مین واہب نے بموجب شرع محمدی واقعی انتقال جائداد کا اپنی حیات مین کر دیا ہو۔ اور اصل جائداد یا اوسکا کچھہ حصہ اپنے قبضہ مین نہ رکھا بلکہ محض یہ شرط کی کہ اپنی حیات تک وہ منافع لیتا رہیگا تو بموجب شرع محمدی کے یہ مکمل ہبہ ہوگا۔ حکام عالی مقام پریوی کونسل تحریر فرماتے ہین "متن ہدایہ مین ظاہرا ایہی مسئلہ مندرج ہے اور باطل قرار پایا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا واپس دینا قرار پایا ہے وہ وہی شے نہین ہے بلکہ ایک مختلف شے ہے دیکھو ہدایہ جلد ۳ فصل ہبہ کتاب ۳۰ صفحہ ۲۹۴ جہان یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شے موہوبہ مین اشتراک ملکیت کی وجہہ سے ہبہ ناجائز ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ واہب کی مشارکت ایک ایسی شے مین ہے جو ہبہ نہین ہوئی ہے یعنی واہب کل ناقابل تقسیم شے کی منفعت مین شریک ہے کیونکہ واہب کا ہبہ اصل شے سے متعلق ہے نہ کہ اوسکے منافع سے "۔ مقدمہ مذکورہ بالا مین شے موہوبہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ تھا جسکا سود واہب نے خود لینا شرط کیا تھا۔ حکام ممدوح بعدہٗ تحریر کرتے ہین "اور اگر وہ قرارداد جسکی رو سے پدر کی حیات تک سود لینا شرط کیا گیا ایک مبطل شرط سمجھی جاوے یعنی موہوب لہٗ کی جملہ حق تمتع کا مبطل ہے تو اس صورت مین شرع محمدی کی رو سے شرط ناجائز قرار دیجائیگی نہ کہ ہبہ (ہدایہ جلد ۳ فصل ہبہ کتاب ۳۰ صفحہ ۳۰۷) "محض جائداد کی آمدنی اپنے لئے شرط

---

[۵۱] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۵۔

کرنے سے ہبہ ناجائز نہ ہوگا اور جج ماتحت کی تجویز اس امر مین غلط ہے - دستاویز مین ایک شرط نسبت امتناع انتقال ہے مگر اوسکی وجہہ سے بھی ہبہ ناجائز نہ ہوگا -

"اپیلانٹون کا اعتراض نسبت تجویز زینہ و دروازہ و پاخانہ کے بھی صحیح ہے یہ جزو ہبہ کا اسوجہہ سے ناجائز قرار دیا گیا ہے کہ اشیاے مذکور غیر منقسم ہین -

"اس کے متعلق ہدایہ فصل ہبہ کتاب ۳۰ باب اول مین حسب ذیل ہے "لائق تقسیم شے کے ایک جزو کا ہبہ صحیح نہین ہے - الا اوس صورت مین کہ وہ جزو واہب کی جائداد سے تقسیم و علحدہ کر دیا جائے مگر ہبہ جزو شے ناقابل تقسیم کا جائز ہے" معلوم ہوتا ہے کہ اشیاے مذکورہ بالا (یعنی زینہ و دروازہ و پاخانہ) مکانات کے جملہ رہنے والون مین مشترک ہین حالانکہ مکانات اور معنی کر کے تقسیم ہو چکے ہین اور وہ اشیا ناقابل تقسیم ہین اور واہبہ نے اپنے تمام حقوق واقع اشیاء مذکور موہوب لہم کو دے دیا ہے پس اسوجہہ سے ہبہ ناجائز نہین ہے یہ بات صریحاً لغو ہے کہ ایک مکان کی نسبت تو ہبہ جائز رکھا جاے اور آمد و رفت کے جملہ وسائل کی نسبت ہبہ ناجائز قرار دیا جائے"

اگر کوئی جائداد مشترکاً دو شخصون کو ہبہ کی اور اونکو آپس مین تقسیم کر لینے کی اجازت دیدی گئی ہے یا اونہون نے شے موہوبہ پر قبضہ کر لیا تو ہبہ جائز ہے - لیکن قدیم زمانہ مین ایسی ہبہ کی صحت کی نسبت شبہہ تھا جب منجملہ دو موہوب لہما کے ایک نابالغ ہو و دوسرا بالغ - رد المختار مین ہے کہ وہ ہمارے چند مشائخ کی راے مین اگر ہبہ ایک صغیر و بالغ کے حق مین بلا تفریق اونکے حصہ کے جائداد مشاع مین کیا جاے تو ہبہ ناجائز ہے - اور چونکہ صغیر خود قبضہ نہین لے سکتا - اسلئے ہبہ کی تکمیل نہین ہو سکتی" یہ بھی لکھا ہی کہ "وہ ہمارے بعض مشائخ کہتے ہین کہ اگر ہبہ صغیر و بالغ کے حق مین ہو اور وہ صغیر بالغ کی پرورش مین ہو یا والد کو انکے حق مین ہو جسمین سے ایک صغیر ہو دوسرا بالغ تو ہبہ صحیح نہین ہے" جس وجہہ سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے وہ بالکل رکیک ہے گو اوسکی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے

بمقدمہ نظام الدین بنام زبیدہ بی بی[۵۱] کی ہے - شرع حنفی نے جب بعد مین ترقی کی تو اس قاعدہ کی سختی کو ناپسند کیا کیونکہ اس سے بچنے کے حیلے کتابون مین لکھے ہین -

"لیکن اگر صغیر و بالغ کے حق مین ہبہ کیا جائے اور صغیر بالغ کی زیر پرورش ہے یا دو پسرون کے حق مین جسمین سے ایک صغیر دوسرا بالغ ہے تو ہبہ نا جائز ہے کیونکہ نابالغ کی طرف سے اوسکا ولی قبضہ نہین لے سکتا" لیکن رد المختار مین یہ بھی لکھا ہے -

حیلہ جواز

"ایک حیلہ ہے جس سے صغیر و بالغ کے حق مین ہبہ صحیح ہوگا - کل شئے موہوبہ بالغ کے حوالہ کردی جائے - اور پھر وہ دونون کے حق مین ہبہ کردیجائے - اس صورت مین بالغ موہوب لہ صغیر کا امین ہوگا - اور چونکہ پیشتر سے جائداد موہوبہ اوسکے قبضہ مین بحیثیت امین ہے تو شیوع کی بنا پر نابالغ کی ہبہ پر اعتراض نہین ہوسکتا"

بزازیہ مین لکھا ہے کہ مکان کا نصف حصہ صحت کے ساتھ اسطرح پر ہبہ ہوسکتا ہے کہ اول واہب اوسکو بہ قیمت فروخت کرے اور پھر مشتری سے قیمت نہ لے -

جس شیوع سے ہبہ ناجائز ہوتا ہے وہ وہ ہے جو وقت ہبہ موجود ہو اور جو شرعاً باعث ناجوازی ہو - اگر شیوع بعد مین لاحق ہوا ہے تو وہ باعث ناجوازی نہ ہوگا -

فصل ہفتم ثبوت حوالگی قبضہ

واہب کا باضابطہ و صالح اقرار کہ اوسنے تکمیل ہبہ کے لئے شرعاً جن باتون کی ضرورت تھی اونکی تعمیل کردی ہے حوالگی قبضہ کا معقول ثبوت ہے بمقدمہ شیخ محمد ممتاز احمد بنام زبیدہ جان[۵۲]

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۶ صفحہ ۵۳۸ و خلاصہ نظائر ۳۶۷۷ [۵۲] الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۰

حکام پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ دستاویز ہبہ مین واہب کا یہ اقرار کہ قبضہ دیدیا گیا ہے واہب کے ورثا پر لائق پابندی ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک حال کے مقدمہ مین نظیر مذکور کی تقلید کر کے یہ تجویز کی کہ ہبہ نامہ مین واہب کا یہ اقرار کہ اوسنے جائداد موہوبہ پر موہوب لہٗ کو قابض کرا دیا بمقابلہ ورثار واہب کے اقبال کا اثر رکھے گا۔ اور موہوب لہٗ کو ہبہ نامہ کا حوالہ کرنا جسکی بنار پر اوسنے داخل خارج کرایا بمنزلہ قبضہ کے متصور ہوگا[۵۱] نظائر مذکورہ کے اصول کے لحاظ سے مغل شاہ بنام محمد صاحب[۵۲] کا فیصلہ مشکل سے صحیح کہا جاسکتا ہے۔ شرع حنفی کے بموجب ایک شخص اپنا حصہ اپنے شریک کو ہبہ کر سکتا ہے اور ایسی ہبہ پر جو الگی قبضہ و شاع کی بنار پر کوئی اعتراض نہین ہوسکتا[۵۳]۔

تحلیل

تحلیل تحلیل کے لغوی معنے حلال کرنے کے ہین۔ چونکہ شیوع کی بنار پر بہت سی ہبہ ناجائز ہوجاتی ہین اور موہوب لہٗ اون سے مستفید نہین ہوسکتا اسلئے شرع مین فقہار نے تحلیل کا قاعدہ قرار دیا اور اصطلاحی معنی اسکے یہ ہین کہ واہب شے موہوبہ کا استعمال موہوب لہٗ کے واسطے حلال کر دے۔ امثال ذیل سے اسکے معنی بخوبی مفہوم ہوتے ہین۔

عالمگیری صفحہ ۱۵۲۔ اگر زید نے عمرو سے کہا کہ جو کچھ تو میرا مال کھائے وہ تجھے حلال ہے تو اوسکو حلال ہے کہ کھاوے۔ لیکن اگر اتفاق کی علامتین موجود ہون تو ایسا نہ ہوگا۔

---

۵۱ سجاد احمد خان بنام قادری بیگم الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۱ و نیز دیکھو ابراہیم علی خان بنام امۃ الزہرہ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۲۶۷ و حفیضہ بی بی بنام حبیب النسا بی بی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۱۳ ۵۲ بمبئی جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷

۵۳ لا رپورٹ اپیل ہائے ہند جلد ۱۶ ضمیمہ صفحہ ۸۱ محمد بخش خان بنام حسینی بی بی (فیصلہ پریوی کونسل) یا کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۶۸۴ و آمنہ بی بی بنام زلیخہ بی بی ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۳۷ یا خلاصہ نظائر ۲۳۶۷۔

اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ جسنے میرا مال کہایا وہ حلت مین رہا تو فتوی اسپر ہے کہ مخاطب کو حلال ہے۔ سراجیہ۔

اگر مالک درخت نے کہا کہ جسنے اس درخت سے کہایا وہ حلت مین رہا تو اوس سے غنی وفقیر کو کہانے مین کچھہ ڈر نہین ہے اور یہی مختار ہے۔ فتاوی عنابیہ

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مجھے ہر حق سے جو تیرا مجھپر ہے حلال کردے یعنی بری کردے اور اوس نے ایسا ہی کیا پس اگر صاحب حق اپنے حق سے واقف تہا تو وہ شخص حکم و دیانت دونون طرح سے بری ہوجائیگا اور اگر واقف نہ تہا تو حکم (قانون) کی راہ سے وہ بالاجماع بری ہوجاے گا اور دیانتاً امام ابو یوسف کے نزدیک بری ہوگا اور اسی پر فتوی ہے۔ خلاصہ۔

زید نے عمر کی کوئی چیز اپنے مال مین ملادی اور غالب گمان اوسکا یہ ہے کہ اوسکا جدا کرکے ممیز کرلینا ممکن نہین ہے پس اوسکے مالک سے حلت کی درخواست کی اوس نے اوسکو حلال کردیا پہر اوس شخص نے وہ چیز پائی اور پہچان لی یعنی ممیز ہوگئی تو مالک کو واپس کردے۔ قنیہ۔

ایک شخص نے کہا کہ مین نے فلان شخص کے واسطے اپنے مال مین سے کہالینا مباح کردیا حالانکہ وہ فلان شخص اس قول سے واقف نہین تو اوسکو کہالینا حلال نہ ہوگا محیط سرخسی واگر دوسرے شخص نے ناواقفی مین اوسکا مال لے لیا تو اوسنے حرام مال لیا اور جب تک اجازت یا اباحت سے آگاہ نہ ہو اوسپر حلال نہ ہوگا۔ زید نے عمرو سے کہا کہ جو تو میرا مال کہاوے تجھے حلال ہے یا لے لیے یا عطا کردے تو عمرو کو اوسکا مال کہالینا حلال ہے اور لے لینا یا عطا کرنا حلال نہین ہے۔ سراج الوھاج۔

اگر کسی شخص نے ختنہ کی دعوت کی اور لوگون نے ہدیہ بہیجے اور لڑکے کے سامنے رکہے پس خواہ ہدیہ دینے والے نے یہ کہا ہو کہ یہ لڑکے کے واسطے ہے یا نہ کہا ہو اگر وہ ہدیہ ایسا ہوگا کہ جو لڑکے کے لائق ہے مثل کپڑے یا گیند وغیرہ کے تو وہ لڑکے کے واسطے ہوگا کیونکہ

اپنی جائداد [illegible] مالک ہین وصیت کی [illegible] اگر [illegible] نہو پس اگر باپ کسی عزیزون یا دوستون مین سے کسی [illegible] تو [illegible] باپ [illegible] ہے و اگر ماں کے [illegible] یا دوستون سے [illegible] باپ کی صورت مین باپ کو [illegible] کی صورت [illegible] ایسے مقام پر [illegible] عداوت [illegible] عداوت کے سوا کوئی [illegible] ہوگا۔

فصل ہشتم - متعلق بقبضہ ہبہ [illegible]

سید امیر علی کہتے ہین۔ شیعون مین ہبہ بالمشاع جائز ہے[۵۱] شرایع مین ہے کہ ہبہ اسپر قبضہ اس طور پر ہونا چاہیئے جیسے بیع مین یعنی صرف ہونگی سے یا واہب کے تخلیہ کرنے سے۔ جیساکہ شرح حنفی مین مذکور ہوا ہے قبضہ کی نوعیت بلحاظ جائداد موہوبہ کے مختلف ہوا کرتی ہے اور یہی بات علامہ نے اپنی تحریر الاحکام مین لکھی ہے۔ اگر جائداد موہوبہ غیر منقولہ ہے تو ضابطہ کا قبضہ دینا کافی ہے گو واقعی قبضہ نہ دیا گیا ہو۔ لیکن اگر جائداد موہوبہ منقولہ ہے تو بلحاظ اوسکے نوعیت کے قبضہ واقعی دینا ضرور ہے قبضہ کرنے کی اجازت دینی بمنزلہ حوالگی قبضہ کے ہے۔

شیعہ مذہب مین اس امر مین کوئی اختلاف نہین ہے کہ اگر کوئی شے دو شخصون کو مشترکاً دیجائے اور اونہون نے مشترکہ قبضہ حاصل کر لیا تو اونمین سے ہر ایک اپنے خاص

[۵۱] مرزا قاسم علی بنام مرزا محمد حسن سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۲۱۲۔

حصہ کا مالک ہوجاتا ہے اسیطرح اگر اونمین سے صرف ایک نے ہبہ قبول کرکے قبضہ کرلیا اور دوسرا لینے سے انکار کرتا ہے تو قبول کرنے والے کے حق مین ہبہ صحیح ہے مثل حنفی مذہب کے شیعہ مذہب مین بھی صحت ہبہ کے لیے موہوب لہٗ کا قبول کرنا ضرور ہے شرایع مین ہے کہ "ہبہ کے معاہدہ مین ایجاب قبول و قبضہ کی ضرورت ہے"

قبضہ یا تو واقعی ہوگا یا معنوی - ایجاب واہب کی اس خواہش یا نیت کا اظہار ہے کہ وہ اپنی کوئی جائداد موہوب لہٗ کو ہبہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس عقد کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ واہب بالغ و عاقل ہو اور اپنے مال مین تصرف کرسکتا ہو - یعنی اپنے افعال کے نتایج سمجھتا ہو اور مجبور نہ ہو -

قرضہ سے بری کرنا قرض خواہ کا اپنے مدیون کو قرض سے بری کرنا بمنزلہ اسکے ہے کہ اونسنے قرض ہبہ کیا اور ایسا کرنا مذہب حنفی و شیعہ دونون مین جائز ہے - لیکن اوس وقت یہ خیال کرکے کہ قرض جو صرف ایک استحقاق نالش ہے اوس پر قبضہ واقعی کیونکر کیا جائے گا مصنف شرایعہ و چند دیگر مقننان مذہب شیعہ یہ کہتے ہین کہ قرض یعنی استحقاق وصول قرض کسی تیسرے شخص کے حق مین منتقل نہین ہوسکتا - مگر دیگر مقننان نے اور بالخصوص شیخ (مصنف مبسوط) نے اسکے خلاف راے ظاہر کی ہے اور اسمین کچھ شبہہ نہین ہے کہ صحیح قیاس کے اور اوس عمل درآمد کے لحاظ سے جو شیعہ لوگون مین کئی صدیون سے استحقاق نالش کی منتقل کرنیکے بارہ مین رایج ہے قرض خواہ یعنی واین اپنے قرض کو یعنی اوس حق کو جو دوسرے شخص کی ذمہ داری پر مبنی ہے صحیح طور پر بلا کسی معاوضہ کے دوسرے شخص کے حق مین منتقل کرسکتا ہے یا بالفاظ دیگر ہبہ کرسکتا ہے - بمقدمہ نواب امجد علی بنام محمدی بیگم پر[۵۹] امیسری نوٹ ہبہ ہوا تھا اگر غور سے دیکھا جائے تو نوٹونکا ہبہ کرنا درحقیقت روپیون کے سود کے وصول کرنے کا

[۵۹] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷ -

حق ہبہ کرنا تھا اور نوٹ بمنزلہ ضمانت کے تھے۔ گو اوس مقدمہ کے فریق شیعہ تھے لیکن یہ بحث نہین کی گئی کہ ہبہ اسوجہ سے ناجائز تھا کہ اوس سے منفعت وقتاً فوقتاً واجب الادا سود کے وصول کرنیکا حق دیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا استحقاق نالش کا منتقل کرنا بھی مذہب شیعہ مین اسیطرح صحیح ہے جیسا کہ مذہب حنفی مین۔

قرض سے بری کرنا مصنف شرایعہ اور اوسکے شاگردون کے نزدیک اگر دائن قرض سے بری کرے تو موہوب لہ کا قبول کرنا ضرور نہین ہے لیکن زمانہ کے ساتھ ترقی کرنے والی جماعت جسمین شیخ و ابن زہرہ و شیخ مرتضی وغیرہ شامل ہین مثل حنفیون کے یہ کہتے ہین کہ صحت ابرا کے لیے مدیون کا قبول کرنا ضرور ہے اور یہ راے اصول انصاف کے بھی موافق معلوم ہوتی ہے۔ ابرا یعنی بری کرنا تو صرف دائن کی اس نیت کا اظہار ہے کہ وہ اپنے قرض کا مطالبہ مدیون سے نہین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسطرح پر نیت کے اظہار کرنے کا گو یہ اثر ہے کہ بعد مین دائن اپنے قرض کو بجبر نہ وصول کر سکے۔ لیکن اوسکا یہ اثر نہین ہو سکتا کہ مدیون اپنے دائن کو قرض ادا کرنے سے ممنوع کیا گیا ہے۔ ایک انگریزی مصنف (پالک صاحب صفحہ ۳) نے ذمہ داری کی یہ تعریف کی ہے کہ درمیان دو شخصون کے اوس رشتہ یا تعلق کو کہتے ہین جسکے باعث اون مین سے ایک کو دوسرے کے افعال پر تحکم کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ اوس سے کہہ سکتا ہے کہ فلان کام کر یا اوس سے باز رہ۔ یہی تعریف عربی لفظ عقد پر صادق آتی ہے۔ عقد کا مفہوم وہ رشتہ یا تعلق ہے جسکے باعث ایک شخص کو اگر دوسرے کے اوپر کوئی حق حاصل ہوتا ہے تو اوسکے ساتھ ہی شخص اول الذکر کے فائدہ کے لئے کوئی ذمہ داری شخص آخر الذکر کے اوپر لاحق ہوتی ہے۔ اسی اصول پر حنفی فقہا کا یہ قول ہے کہ قرضدار کو قرض ہبہ کرنا بدون قرضدار کے قبول کرنے کے تمام ہوجاتا ہے لیکن اگر مدیون انکار کرے تو وہ بالکل

بے سود ہے - یہ مسئلہ جہان تک - اصل [illegible] بہت صحیح ہے - لیکن اگر ضامن کے حق مین قرض ہبہ کیا جاوے تو تا وقتیکہ وہ اسے قبول نہ کرے صحیح نہ ہوگا گو اوسکے انکار کرنے سے وہ منسوخ ہوجاتا ہے - اگر دائن اصل مدیون کو قرض سے بری کرے تو وہ اور اوسکا ضامن دونون بری ہوجاتے ہین لیکن اگر وہ ابراء کو منظور نہ کرے تو بری نہ ہوگا -

فصل نہم نابالغ کے حق مین ہبہ

باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین ہبہ کرے تو یہ ہبہ صرف عقد سے تمام ہوجاتا ہے خواہ وہ شے باپ کے پاس ہو یا اوسکے مستودع[۱] کے پاس ہو (فتاوی عالمگیری) اسکے متعلق سید امیر علی لکھتے ہین - اس سے واضح ہوا کہ نابالغ کے حق مین اگر ہبہ کیا جائے تو صحت ہبہ کے لئے اوسکا قبضہ کرنا لازمی نہین ہے بشرطیکہ شے موہوبہ باپ کے قبضہ مین ہو یا ایسے شخص کے قبضہ مین جو باپ کا امین ہے - کیونکہ باپ کا قبضہ عین قبضہ نابالغ کا ہے اور باپ کے امین کا قبضہ بمنزلہ قبضہ باپ کے - اس اصول پر باپ اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین ایسی غیر منقولہ جائداد جو بہ قبضہ کاشتکاران یا ٹھیکہ داران یا مرتہن کے ہو ہبہ کرسکتا ہے گو کاشتکار و ٹھیکہ دار و مرتہن کا قبضہ بحالہ قایم رہے - صحت ہبہ کے لیے نابالغ کا قبول بھی ضروری نہین ہے - اگر واہب نے ہبہ کرنے کی نیت ایکبار صاف طور پر ظاہر کردی تو ہبہ صحیح ہے گو وہ جائداد مثل سابق کے واہب کے قبضہ مین بعد ہبہ بھی رہے[۲] فتاوی عالمگیری اسیطرح اگر نابالغ کو اوسکی مان نے ہبہ کیا اور وہ شے مان کے پاس ہے اور باپ مرچکا ہے اور کوئی شخص اوسکا وصی نہین ہے تو بھی یہی حکم ہے - اسیطرح اگر وہ شخص جو اوسکی پرورش

---

[۱] یعنی وہ شخص جسکے پاس وہ شے ودیعت یا امانت ہے [۲] حسین بنام میر امداس جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۴

کرے اوسکا بھی یہی حکم ہے ۔ تبئین و کافی۔

اگر ایک شخص نے کپڑا خریدا اور اوسکی کوئی چیز اپنے نابالغ لڑکے کے واسطے قطع کرائی تو یہ شخص بسبب قطع کرانے کے ہبہ کرنے والا ہوگیا اور قبل سینے کے اوسکا سپرد کرنے والا ہوا اگر یہ کہا کہ مین نے یہ کپڑا اوسکے واسطے خریدا ہے تو اوسکی ملک ہوگیا اگر موہوب لہٗ قبضہ کرنے کی لیاقت رکہتا ہو تو قبضہ کا حق اوسکو حاصل ہوگا نابالغ یا مجنون شخص کی طرف سے قبضہ کا حق اوسکے ولی کو ہے ۔ اوسکا ولی باپ ہوتا ہے یا باپ کا وصی پہر دادا پہر اوسکا وصی پہر قاضی یا جسکو قاضی مقرر کرے خواہ صغیر اوس شخص کی پرورش مین ہو یا نہ ہو۔

سوائے باپ و دادا کے باقی اہل قرابت مثل بہائی و چچا و ماں وغیرہ کے استحساناً ہبہ پر قبضہ کر لینے کا اختیار رکہتے ہین بشرطیکہ نابالغ موہوب لہٗ اونکی پرورش مین ہو۔ اسیطرح اون لوگون کے وصی کو بہی استحساناً ہبہ پر قبضہ کا اختیار ہے بشرطیکہ صغیر اوسکی پرورش مین ہو ۔ اسیطرح اگر کوئی اجنبی ہو اور نابالغ اوسکی پرورش مین ہو اور اوس اجنبی کے سوائے نابالغ کا کوئی اور نہ ہو تو استحساناً اوسکا قبضہ بہی جائز ہے ۔ اور ان سب مسائل مین خواہ نابالغ قبضہ سمجھتا ہو یا نہ ایکسان حکم ہے۔

اگر کسی نے اپنی دختر کو سامانِ جہیز اوسکی صغر سنی مین دیا یا حالت بلوغ مین دیا اور سپرد کر دیا تو اوسی کا ہوگا ۔ بشرطیکہ باپ یہ نہ کہے کہ عاریت دیا گیا ہے اور اس امر کا یعنی عاریت دینے کا بار ثبوت اوسکے ذمہ ہوگا ۔ عرف و رواج کا بہی اس امر کے تصفیہ مین لحاظ کیا جاوے گا ۔ ردالمختار۔

اگر کسی عورت نے اپنا مہر جو اوسکے شوہر کے ذمہ ہے اپنے لڑکے کو ہبہ کیا اور اوس کے قبض و وصول کرنے پر لڑکے کو مسلط کر دیا تو جائز ہے اور جب لڑکا اوسپر قابض ہو تو اوسکا

مالک ہوجاے گا۔ فتاوی قاضی خان۔

سید امیر علی لکہتے ہین کہ اگر زوجہ صغیرہ کو ہبہ دیا گیا تو اوسکے شوہر کا قبضہ کرنا جایز ہی بشرطیکہ زوجہ کے باپ نے اوسے شوہر کے مکان پر بہیجدیا ہوا ور شوہر کا قبضہ اوس صورت مین بہی جائز ہوگا اگر صغیرہ کا باپ زندہ ہو کیونکہ شوہر کے مکان پر بہیجدینے سے یہ پایا جاتا ہے کہ باپ نے اوسکے معاملات کا انصرام شوہر کے سپرد کردیا۔ لیکن اگر باپ نے اپنے گہر سے شوہر کے مکان پر نہین بہیجا ہے تو شوہر کا قبضہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ باپ صغیرہ کی معاملات کے انصرام کرنی سے دست کش نہین ہوا ہے۔ جب باپ زندہ موجود ہو تو مان کو قبضہ نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اسکا یہ نتیجہ نہین ہے کہ اگر اوسنے یعنی مان نے قبضہ کرلیا تو ہبہ ناجائز ہوجائیگا گو بیلی صاحب کے بعض جملہ کے ترجمہ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ اون جملون کے معنی صرف یہ ہین کہ باپ اپنے نابالغ لڑکے کے حقوق کا سب سے اچہا محافظ ہے۔ اگر باپ موجود ہے اور نابالغ کی طرف سے ہبہ قبول کرے تو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ ہبہ سے نابالغ کا فائدہ ہے۔ اس بناء پر نابالغ کی طرف سے ہبہ قبول کرنے مین باپ سب پر مقدم ہے۔ لیکن جس وجہ پر کہ یہ قاعدہ مبنی ہے اوس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ اگر کوئی ہبہ بلاکسی ذمہ داری کے نابالغ کے حق مین کیا جاے تو مان کا قبضہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ گو مان خلاف مرضی باپ کے قبضہ کرتی ہو۔ اگر باپ یا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کے حق مین ہبہ کیا تو یہ ضرور نہین ہے کہ واہب شے موہوبہ مین سے اپنے کل حقوق منقطع کرے۔ مثلاً اگر کوئی مکان ہبہ کیا جاے تو واہب کے لیے ضرور نہین ہے کہ اوس مکان کی سکونت ترک کردے یا اگر اوس مکان مین واہب کا اسباب ہو تو اوسکو نکال لے[۵] وحکام پریوی کونسل نے ایک مقدمہ[۵] مین اس اصول

[۵] واجد علی بنام عبد العلی ویکلی رپورٹر جلد ۶۲ صفحہ ۱۲ وخلاصہ نظائر ۸ ۳۶۷ [۵] امجد علیخان بنام محمدی بیگم

[۴] محمدن لا ہے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ ضمیمہ صفحہ ۵۱۷۔

کو اون ہبہ جات سے بہی متعلق کیا ہے جو بالغ کے حق مین کئے گئے ہون۔

بمقدمہ بوبی بی بنام مخزالدین حسن

ایک عورت نے جس نے ایک نابالغ کو تبنی کیا تہا اوسکے حق مین ہبہ کیا مگر جائداد موہوبہ پر نہ تو وقت ہبہ و نہ وفات واہبہ تک موہوب لہٗ کا قبضہ دیا بلکہ خود واہبہ منجانب موہوب لہٗ کے اوسپر قابض تھی صدر دیوانی عدالت نے تجویز کی کہ ہبہ صحیح ہے گو نابالغ کا باپ زندہ تھا۔ اگر ایسی صغیرہ کے حق مین جو بعد شادی کے اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے ہبہ کیا گیا تو اوسپر خواہ شوہر یا باپ مین سے کسینے قبضہ کیا دونون صورتون مین صحیح ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ صغیرہ اپنے شوہر کے مکان پر بہیجی گئی ہو یا بعد اوسکے بلوغ کے شوہر کو قبضہ کرنا جائز نہین ہے۔ صغیرہ زوجہ کی ولایت شوہر کو اوسوقت حاصل ہے جب وہ اوسکے مکان پر آئے[۵۲]۔ اگر باپ زندہ یا موجود ہے مگر نابالغ چچا یا دادا یا مان کے اہتمام مین تعلیم پاتا ہے تو اشخاص آخرالذکر کا قبضہ کافی ہے۔ اگر نابالغ سن تمیز کو پہونچ گیا ہے تو اوسکو قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ نابالغ کی جائداد کا کوئی ہبہ نہین کرسکتا خواہ وہ ہبہ بالعوض ہی کیون نہ ہو۔

فصل دہم ہبہ مین شرط لگانیکے بیان مین

سید امیر علی لکھتے ہین کہ ہبہ معلق بشرط و ہبہ مین شرط لگانا دو مختلف چیزین ہین جن مین

---

۵۱ رپورٹ سیل صاحب جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ ۵۲ بمعاملہ ختیجہ بی بی بنگال لارپورٹ جلد ۵ صفحہ ۵۱۷ یہ طے پایا کہ صغیرہ زوجہ کی ولایت شوہر کو نہین حاصل ہے لیکن خلاف قانون بہی نہین ہے دیکھو معاملہ مہیتن بی بی بنگال لارپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰۔

بڑا فرق ہے۔ ہبہ معلق بشرط اوس ہبہ کو کہتے ہین جسکا ہونا کسی امر اتفاقی کے وقوع پر موقوف ہو اور ایسا ہبہ تمام مذاہب اسلام مین باطل ہے۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے مریض شوہر سے کہا کہ اگر تو اس مرض سے مرگیا تو میرا مہر تجھکو صدقہ ہے یا ہبہ ہے تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ ہبہ ایک خطرہ پر معلق ہے یعنی اوسکا ہونا و نہ ہونا دونون ممکن ہے مگر ایسی ہبہ کی نسبت جسمین شرائط ہون شیعہ و حنفی مین کچھ کچھ اختلاف ہے۔ ہبہ مین ایسی شرط لگائی جس سے شے موہوبہ مین کچھ کمی واقع ہو یا شے موہوبہ کے فوائد و استعمال

حنفی مذہب

کو محدود کیا گیا ہو حنفی مذہب کے بموجب باطل ہے (عالمگیری صفحہ ۱۷۷) مثلاً اگر کسی شخص کو ایک باندی اس شرط سے ہبہ کی کہ مجھے اوسکو واپس کردے یا اوسکو آزاد کردے یا کوئی گھر اوسکو اس شرط سے ہبہ کیا کہ اوسمین سے کچھ مجھے واپس دے [illegible] مجھے عوض دے تو ہبہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اور اصل اسمین یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہو کہ اوسمین قبضہ شرط ہو تو اوسکو کوئی شرط فاسد نہین کرتی ہے جیسے ہبہ سراج الوہاج

شیعہ مذہب

مگر شیعہ مذہب مین اگر ہبہ مین کوئی شرط لگائی گئی ہو تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہین۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ مین تمکو وہ قرضہ جو مجھے زید سے یافتنی ہے اس شرط پر ہبہ کرتا ہون کہ تم اوسکا سود عمرو کو دیا کرو۔ تو حنفی مذہب مین شرط باطل ہوگی اور ہبہ صحیح۔ شیعہ مذہب مین اگر ہبہ کسی شرط پر موقوف کیا گیا ہے تو کل ہبہ باطل ہوگا۔ لیکن اگر موقوف نہین کیا گیا ہے بلکہ ضمناً شرط ہبہ کے ساتھ لگائی گئی ہے تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہونگے۔ مگر عرف مین یعنی عملی طور پر ان دونون صورتون مین یعنی ہبہ موقوف بشرط و ہبہ جسمین

---

۵۱ روشن جہان بنام عنایت حسین ویکلی رپورٹر جلد ۴ و لا رپورٹ اپیل ہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ و یوسف علی بنام کلکٹر تیرہ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۸ اچیکو نکٹی بنام احمد مدراس جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۶۔

ضمناً شرط ہے کچھ فرق نہین ہے۔ اسلئے دونون صورتون مین ہبہ و شرط دونون صحیح ہین۔ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ہبہ معلق بشرط جملہ مذاہب مین باطل ہے لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے ہبہ فوراً وقوع پذیر ہو تو ہبہ صحیح ہے مثلاً اگر کسی نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تو میرا مقروض ہے تو مین قرضہ سے تجھکو بری کرتا ہون یا یہ کہے کہ جب مین مرون تو تم قرضہ سے بری ہو (آخر الذکر وصیت ہوگی)

شیعہ مذہب — شیعہ مذہب مین ہر ایسا لفظ جس سے پوری ملکیت کا دیا جانا مفہوم ہو ہبہ ہے

حنفی مذہب — عمرہ یعنی کسی شخص کی حیات کے لیے کوئی شے دینا حنفی مذہب مین ہبہ ہے اور شرط باطل ہے مثلاً اگر کسی نے زید کی حیات کے لیے کوئی شے ہبہ کی اور بعدہٗ بکر کے لئے تو وہ شے کامل طور پر زید کے لیے ہبہ تصور کیجائیگی*۔ کسی چیز کا صرف منافع دینا عاریت ہے جبکا یہ مفہوم ہے کہ موہوب لہٗ کو وہ شے پھر واپس کرنا چاہیئے۔

عارضی عطیہ جات کے شیعہ مذہب مین باعتبار اونکی نوعیت کے مختلف نام ہین۔ اول حبس[۵۱] دوم العمرہ[۵۲] سوم السکنہ[۵۳] چہارم۔ الرقبیٰ[۵۴] ان مختلف اقسام کے عطیہ جات کرنے کے واسطے کوئی مخصوص الفاظ نہین ہین مثلاً اگر یہہ کہا جاسے کہ مین نے فلان شخص کو فلان مکان یا آراضی اوسکی زندگی بھر کے لیے یا ایک معین زمانہ کے لیے دیا تو کافی ہے۔

---

* نظام الدین غلام بنام عبد الغفور بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۴۔

۵۱ حبس جسکے لغوی معنی عین ملک کو روکنے کے ہین اصطلاح مین ایسے عطیہ کو کہتے ہین جو ایک مدت کے لیے ہو جب کوئی مالک اپنی کسی شے کا منافع یا استعمال دوسرے کو اس شرط سے مفت دے کہ مالک کا حق ملک او سمین باقی ہے تو اوسے حبس کہتے ہین۔ اس عقد کی صحت کے لئے متعاقدین کی رضامندی اور قبضہ کا تبدل کافی ہے ۵۲ یعنی زندگی بھر کے لئے منافع کا دینا ۵۳ یعنی مکان مین سکونت کرنے کا اختیار ۵۴ معین زمانہ کے لئے منافع دینا۔

مگر السکنہ یعنی حق سکونت کا دینا واہب کے مرنے پر ختم ہوجاتا ہے بشرطیکہ اسکے خلاف کوئی اور شرط نہ ہو - کسی جائداد کا منافع اگر عارضی طور پر ایک محدود زمانہ کے لیے عطا کیا گیا ہے تو یہ عطیہ اوس جائداد کے بیع ہونے کی وجہ سے قبل انقضائے میعاد معینہ ختم نہ ہوگا - بلکہ موہوب لہٗ کو اختیار ہوگا کہ میعاد معینہ تک اوسپر قابض رہے "جملہ ایسی اشیاء کا عمرہ صحیح ہے جنکا وقف صحیح ہے اور عطیہ اوس شئے کے بیع سے ناجائز یا باطل نہین ہوجاتا کیونکہ مشتری کو وہ جملہ شرایط جو بائع نے کیے تھے پورے کرنے پڑینگے"

جب کسی شخص کو عام شرائط کے ساتھ ایک مکان مین حق سکونت دیا گیا ہے تو وہ شخص معہ اپنے اہل وعیال کے اوس مکان مین رہ سکتا ہے مگر وہ شخص اپنے حق سکونت کو کسی دوسرے کے پاس منتقل کرنیکا مجاز نہین ہے - بشرطیکہ اسکے خلاف کوئی خاص شرط نہ ہو - اگر زید اور اوسکی اولاد کو کسی مکان مین حق سکونت دیا گیا ہو تو زید کی اولاد مین جب تک کوئی شخص زندہ رہیگا اوس مکان مین رہنے کا حق ہے اگر کوئی عطیہ کسی شخص اور اوسکے واماندگان کے حق مین کیا گیا ہے تو موہوب لہٗ اور اوسکے مرتے وقت جو اشخاص موجود ہونگے اون سب کی زندگی بھر کے لیے وہ عطیہ ہوگا اور موہوب لہٗ کے خاندان کے آخر شخص کے مرنے کے بعد وہ عطیہ واہب یا اوسکے ورثاء کو ملیگا -

شرائع کا یہ جملہ کہ اگر زید اور اوسکے عقب کے حق مین کوئی عطیہ کیا گیا ہو تو وہ صرف زید کی زندگی بھر کے لیے ہوگا گویا لفظ عقب مذکور نہین ہوا تھا - صرف عمرہ سے متعلق ہے مصنف شرایع کی راے مین لفظ عقب کا ذکر کرنا بمنزلہ ذکر کرنے اولاد کے نہین ہے اور اسلیے وہ عطیہ دائمی نہین ہے لیکن صاحب مبسوط کی راے مین اگر عطیہ زید کے لیے ہوا اور بعدہٗ اوسکے عقب کے لیے تو یہ کامل ہبہ ہے - عمرہ اور رقبہ ایک شخص کی حیات

کے لیے اور بعدۂ اوسکے پسماندگان کے لئے ایک محدود زمانہ تک صحیح ہے۔ ایسے ہی اگر چند اشخاص کی حیات کے لئے یکے بعد دیگرے عطیہ کیا جائے تو صحیح ہے۔

شیعہ قانون نسبت عطیہ جات عارضی ومحدود

تمام عطیہ جات جو معین اشخاص کے حق مین بغیر تعین کسی مدت کے ہون واہب کی موت پر ختم ہوکر اوسکے متروکہ کا جزو ہو جاتے ہین اگر زید کے حق مین اسطرح پر عطیہ کیا جائے کہ اگر تم مجھسے پہلے مرو تو جائداد مجھے واپس ملے یا اگر مین تمسے پہلے مرون تو وہ تمہاری ہے [۵۱] بعض کے نزدیک عمرہ ہے اگر واہب موہوب لہ سے پہلے مرے اور بعض کے نزدیک قطعی ہبہ ہے (بشرطیکہ کوئی اور شرط نہ ہو) اگر زید اور اوسکی اولاد کے حق مین نسلاً بعد نسلاً عطیہ ہو تو موہوب لہ اوسکا پورا مالک ہو جائیگا۔ اور اوسکے حق انتقال مین کوئی امر مانع نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص کوئی اراضی اس شرط پر دوسرے کو ہبہ کرے کہ موہوب لہ پیداوار اراضی واہب کو اوسکی پرورش کے لیے دیا کرے۔ اگر اراضی مین پیداوار ہوتی ہو تو ابوالقاسم کے نزدیک ہبہ صحیح ہے اور شرط باطل۔ لیکن اگر اراضی بنجر و ناقابل مزروعہ ہے تو ہبہ فاسد ہے۔ امامیہ مذہب مین ہبہ وشرط دونون صحیح ہونگے۔ بمقدمہ نواب امجد علیخان بنام محمدی بیگم [۵۲] حکام پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ اگر واہب نے کوئی جائداد ہبہ کی اور اوسکی پیداوار اپنے لیے شرط کی تو اصل جائداد کا ہبہ صحیح ہے۔

بادی النظر مین یہ فیصلہ حنفی فقیہ ابوالقاسم کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ شرع حنفی مین شرائط ہبہ کا باطل ہونا زیادہ تر عربی الفاظ کی خصوصیت پر منحصر ہے یہ قاعدہ کلیہ سمجھنا چاہیے کہ جب مکمل ہبہ کرنے کی نیت صاف وظاہر ہے تو کوئی ایسی شرط جو ہبہ کے فوراً نفاذ پذیر ہوتے مین مخل ہو باطل

---

[۵۱] نفیر حسین بنام صغری بیگم الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۵۰۵ [۵۲] مور صاحب کی اپیل ہاے ہند جلد ۱۱ ضمیمہ ۷ ۱۲

ہوگی۔ لیکن جس صورت مین کہ ہبہ کے فوراً پورے طور پر نافذ ہونے مین شرط مانع نہ ہو تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہونگے اسیطرح اگر کسی نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہٗ اوسکا قرضہ ادا کرے اور موہوب پر موہوب لہٗ کو قابض کرا دے تو شرط صحیح ہے اس معنی مین حکام پریوی کونسل کا فیصلہ شرع حنفی کے مطابق ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''جو موتی میرا کھو یا گیا ہے وہ اگر تمکو پاوے تو تم لے لو'' تو امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ باطل ہے مگر امام زفر کے نزدیک صحیح ہے۔ فتاوی قاضی خان۔ حق قابل ارجاع نالش کا ہبہ صحیح ہے مثلاً اگر زید اوس جائداد کا مستحق ہو جو عمرو کے قبضہ مین ہے اور زید اوس جائداد یا استحقاق جائداد کو بکر کے حق مین ہبہ کر دے تو صحیح ہے۔ فتاوی قاضی خان۔ اگر ہبہ مین موہوب لہٗ کے واسطے خیار کی شرط ہے تو موہوب لہٗ کو ہبہ کرنے کے وقت اوسے قبول یا رد کرنا چاہیئے۔ اگر واہب نے ہبہ فسخ کرنے کا خیار اپنے لیے شرط کیا ہے تو ہبہ صحیح ہے اور خیار باطل۔ اگر واہب نے اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین کوئی مکان ہبہ کیا مگر خود بھی اوسی مکان مین بلا کرایہ کے رہتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہبہ صحیح ہوگا۔ اسیطرح اوس صورت مین بھی ہبہ صحیح ہوگا اگر اوس مکان مین بلا کرایہ کے کوئی دوسرا شخص رہتا ہو۔ ان صورتون مین باپ کا قبضہ منجانب لڑکے کے متصور ہوگا۔ ایک شخص نے مکان خرید نے اور اوسپر قبضہ کرنے کے بعد دوسرے کو ہبہ کر دیا اور بعدہٗ کسی اور نے شفع کے ذریعہ سے نصف مکان لے لیا تو بقیہ نصف مکان کا ہبہ موہوب لہٗ کے حق مین ناجائز ہے یعنی موہوب لہٗ خواہ نصف مکان کو اپنے پاس رہنے دے یا اوسے واپس کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے شریک سے یہ کہے کہ تجارت مین جو میرا حصہ ہے وہ میرے بالغ لڑکے کو دیدو اور اپنے لڑکے کو اوسکے لینے کی اجازت دی تو ہبہ صحیح ہے۔

نابل ارجاع
ش کا ہبہ

فصل یازدہم۔ ہبہ سے رجوع کرنیکے بیانمین

سید امیر علی لکھتے ہین کہ مختلف مذاہب مین ہبہ محض یا ہبہ بلامعاوضہ سے رجوع کرنے مین واہب کے اختیارات کی نسبت اختلاف ہے۔

شافعی ومالکی | مذہب شافعی ومالکی مین اوس ہبہ کے سوا، جو والدین نے اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے اورکسی دوسری ہبہ سے واہب رجوع نہین کرسکتا خواہ موہوب لہٗ کا شے موہوب پر قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن یہ مسئلہ اوس صورت سے متعلق نہین ہے۔ جب ہبہ بالجبر وقوع مین آیا ہے یا بلا سمجھے بوجھے کیا گیا ہے لیکن والدین نے جو ہبہ اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے اوس سے وہ رجوع کرسکتے ہین۔ اگر ہبہ صدقہ کی نیت سے کیا گیا ہے یعنی آخرت مین حصول ثواب کی نیت سے یا خوشنودی خدا کی غرض سے تو ہبہ سے رجوع نہین کرسکتے۔

مندرجہ ذیل صورتون مین والدین اوس ہبہ سے رجوع نہین کرسکتے جو اونھون نے اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے۔

اول جب موہوب اپنی اصلی حالت پر قایم نہین ہے یا کلاً یا جزواً تلف ہوگیا ہے یا بیع یا کسی اور طرح پر منتقل ہوگیا ہے۔ اگر صرف نرخ بازار مین کمی بیشی ہونے کی وجہ سے موہوب کی قیمت کم یا زیادہ ہوگئی ہے تو یہ صورت اس حکم مین داخل نہین ہے۔

دویم اگر ہبہ کی وجہ سے موہوب لہٗ نے عقد نکاح قبول کیا ہو۔

سویم اگر موہوب لہٗ مرگیا اور موہوب وراثتاً اوسکے ورثا کو پہونچا۔

مذہب شیعہ | شیعہ مذہب مین دو، اگر ہبہ والدین کے حق مین ہے اور اونھون نے اوسپر

قبضہ کرلیا ہے تو اسپر اتفاق ہے کہ اوس ہبہ سے رجوع نہین ہوسکتا اور نہ اوس صورت
مین رجوع ہوسکتا جب موہوب لہٗ واہب کا ذی رحم قرابت ہے آخرالذکر صورت مین کچھ
اختلاف ہے لیکن وہ صحیح نہین ہے،، نہ اوس ہبہ سے رجوع ہوسکتا ہے جو شوہر نے
اپنی زوجہ کے حق مین کیا ہے یا زوجہ نے اپنے شوہر کے حق مین اور تبدیلی قبضہ بھی
ہوگئی ہے۔ شیخ و دیگر مجتہدین کا قول ہے کہ شوہر و زوجہ معاملات ہبہ مین مثل دیگر ذی رحم
قرابت دارون کے تصور کئے جاتے ہین اور زوجیت کو مانع رجعت قرار دیتے ہین وے
حنفی مذہب کے موافق ہین۔ لیکن محقق جو اس امر کو مکروہ قرار دیتے ہین کہ شوہر اوس ہبہ
سے رجوع کرے جو اوسنے اپنی زوجہ کے حق مین کیا ہے یا زوجہ اوس ہبہ سے رجوع
کرے جو اوسنے اپنے شوہر کے حق مین کیا ہے اوسکو قطعاً ناجائز نہین کہتے۔ لیکن اس
امر پر خیال کرنے سے کہ شرائع مین امور اخلاقی کا کس قدر اثر قانونی جواز پر ہوتا ہے۔ میری
رائے مین محقق کا بھی وہی منشا رہے جو شیخ کا ہے۔ اگر ہبہ کسی اجنبی شخص کے
حق مین کیا گیا ہے تو جب تک موہوب قایم ہے واہب اوس سے رجوع کرسکتا ہے
لیکن جب وہ تلف یا منتقل ہوجاے تو اوس سے رجوع نہین ہوسکتا۔ اسیطرح اوس
ہبہ سے رجوع نہین ہوسکتا جسکے عوض مین کچھ لے لیا گیا ہے خواہ وہ کتنی ہی کم قیمت
شے کیون نہ ہو۔ موہوب لہٗ کے صرف موہوب کو استعمال مین لانے سے رجوع کرنے کا
حق ساقط نہین ہوتا بشرطیکہ اوس تصرف سے موہوب کی حیثیت مین زیادہ تبدیلی نہ واقع
ہوئی ہو۔ فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۵۶ - ہبہ سے رجوع کرنا سب حالتون مین مکروہ ہے
مگر تاہم صحیح ہے ہبہ چند طرح کا ہوتا ہے ایک اجنبی کو اور ایک ذی رحم کو جو محرم نہین
ہے اور ایک محرم کو جو ذی رحم نہین ہے اور ان سب صورتون مین سپرد کرنے سے پہلے
واہب کو رجوع کرنیکا حق حاصل ہے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب ہو اور اوسنے قبضہ کرلینے کی

اجازت دی ہو یا نہ دی ہو - اور بعد سپرد کرنے کے ذی رحم محرم سے واپس کرنے کا حق نہین رکہتا اور ذی رحم محرم کے سوائے دوسرون مین رجوع کرسکتا ہے - لیکن بعد سپرد کرنے کے خود واہب رجوع نہین کرسکتا بلکہ حکم قاضی یا موہوب لہٗ کی رضامندی کا محتاج ہوگا اور سپرد کرنے سے پہلے خود واہب رجوع کرسکتا ہے - مثلاً اگر چچازاد بہائی کے حق مین ہبہ ہوا تو اوس سے رجوع ہوسکتا ہے کیونکہ وہ محرم نہین ہے اسیطرح زوجہ کی مان کے حق مین اگر ہبہ ہو تو اوس سے بہی رجوع ہوسکتا ہے - کیونکہ گو وہ محرم ہے مگر ذی رحم نہین ہے[۵۱] - اسمین کچھ اختلاف نہین ہے کہ اگر ہبہ سے رجوع کرنا بحکم قاضی واقع ہوا تو یہ عقد ہبہ کا فسخ ہے - اور باہمی رضامندی سے رجوع کرلینے مین اختلاف ہے - لیکن استاد کا زیادہ تر رجحان اس طرف ہے کہ وہ عقد ہبہ بھی فسخ ہے - مثلاً اگر ایک شخص نے دوسرے کو کچھ ہبہ کیا اور یہ دوسرا شخص ایک تیسرے کو وہی شے ہبہ کرکے پھر رجوع کرکے لیلے تو اول واہب کو بہی رجوع کرنے کا حق ہوجاتا ہے لیکن اگر موہوب لہٗ ثانی نے اوس شے کو اپنے واہب کو ہبہ کردی تو اول واہب کو رجوع کرنیکا حق نہوگا کیونکہ دوسرا رجوع بمنزلہ فسخ ہبہ کے ہے - اسلیئے شے موہوبہ اپنی اصلی حالت مین آجاتی ہے اور واہب اوسکا مالک ہوجاتا ہے اور اسمین از سرِ نو قبضہ کرنے کی

[۵۱] عنایت حسین بنام خوب النساء ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۳ وخلاصہ نظائر ۱۵، ۳۶ - اس مقدمہ مین مدعی نے اپنے رشتہ دار مدعاعلیہا کے لگان کا ایک حصہ بذریعہ دستاویز اسوجہ سے معاف کردیا تہا کہ مدعاعلیہا کے گہر مین ڈاکہ پڑا تہا - بعدہٗ مدعی نے اصل لگان دلا پانیکا دعویٰ کیا - تجویز ہوئی کہ ہبہ معافی لگان کا ہر سال کے اختتام پر مکمل ہوگیا یعنی موہوب کی حوالگی وقوع مین آگئی اسلیئے شرعاً اس سے رجوع ہوسکتا ہے کیونکہ اس صورت مین رجعت یا تو بحکم قاضی ہوسکتی ہے یا برضامندی باہمی -

کوئی ضرورت نہین ہے کیونکہ قبضہ کا اعتبار ملک کے منتقل ہونے مین ہوتا ہے نہ ملک قدیم کی طرف عود کرنے مین۔ رجوع کے بعد شے موہوبہ مثل امانت کے موہوب لہ کے قبضہ مین متصور ہوگی حتی کہ اگر وہ ضایع ہوجاۓ تو اوسکے لئے موہوب لہ ضامن نہ ہوگا۔ لیکن اگر رجوع نہ تو بحکم قاضی ہے و نہ باہمی رضامندی کے ذریعہ سے لیکن موہوب لہ نے واہب کو وہ شے ہبہ کردی اور واہب نے اوسے قبول کرلیا تو واہب اوسوقت تک اوسکا مالک نہ ہوگا جب تک اوسپر قابض نہ ہوجاۓ۔ جب واہب نے قبضہ کرلیا تو موہوب لہ کا ہبہ کرنا بمنزلہ اسکے ہے کہ گویا حکم قاضی سے یا باہمی رضامندی سے رجوع کیا گیا اور موہوب لہ کو اوس سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا۔ امام ابویوسف سے مروی ہے کہ جب تک قاضی نے ہبہ کے فسخ کا حکم نہ دیا ہو اوسوقت تک موہوب لہ کو ہبہ مین تصرف کرنا جائز ہے لیکن قاضی کے حکم کے بعد موہوب لہ کا تصرف ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام محمد کی راۓ بھی اسکے موافق ہے۔ اگر قاضی کے حکم کے بعد لیکن واہب کے قبضہ کرنے سے پہلے شے موہوبہ موہوب لہ کے قبضہ مین تلف ہوجاۓ تو موہوب لہ اوسکا ضامن نہین ہے بشرطیکہ واہب کے قبضہ طلب کرنے پر پھر اوسکے دینے سے انکار نہ کیا گیا ہو۔ اگر ہبہ سے رجوع کرنے کے بعد لیکن قاضی کے حکم سے پہلے موہوب لہ نے شے موہوب واہب کو دیدی اور وہ اوسپر قبضہ کرلے تو یہ بمنزلہ اسکے ہے گویا رجعت بحکم قاضی ہوئی اگر واہب اپنے حق رجعت سے دست بردار ہوجاۓ تاہم وہ حق ساقط نہین ہوتا لیکن اگر ہبہ کے رجوع کرنے کے حق سے کوئی چیز لیکر صلح کرلے تو صحیح ہے اور وہ شے اس ہبہ کا عوض ہوجائیگی اور رجوع کرنیکا حق ساقط ہوجاۓ گا۔

فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱۔ الفاظ رجوع کے یہ ہین۔ مین نے ہبہ مین

رجوع کرلیا یا ہبہ واپس لے لیا یا ہبہ باطل کیا۔ اگر اوسنے ایسا کوئی لفظ نہ کہا لیکن ہبہ کو بیع یا رہن کیا یا غلام موہوب کو آزاد کیا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر کپڑے کو رنگا یا طعام موہوب کو اپنے ذاتی طعام مین خلط کیا تو رجوع نہ ہوگا۔

اسشرطیہ رجعت بہی صحیح نہین ہے مثلاً اگر یہ کہا کہ جسوقت مینہ برسنا شروع ہو اوسیوقت مین نے ہبہ سے رجوع کیا تو صحیح نہین ہے۔

لیسے عوارض جو ہبہ سے رجوع کرنے کے مانع ہوتے ہین چند قسم کے ہین۔

موانعات رجعت

(۱) موہوب کا تلف ہوجانا کیونکہ اوسکی قیمت واپس نہین کرسکتا اسواسطے کہ قیمت پر عقد ہبہ نہین قرار پایا ہے۔

(۲) موہوب کا موہوب لہٗ کی ملک سے خارج ہونا خواہ بیع و ہبہ وغیرہ کسی سبب سے خارج ہوئی ہو اسیطرح موت بھی ہے کیونکہ وارث کو جو ملکیت ثابت ہوئی ہے وہ مورث کی ملکیت ثابتہ کے غیر ہے۔

(۳) واہب کی موت یعنی اگر واہب مرگیا تو اوسکے ورثاء رجوع نہین کرسکتے کیونکہ حق رجعت تو واہب کا ذاتی حق ہے۔

(۴) موہوب مین زیادتی متصلہ[لہ] کا ہونا خواہ وہ زیادتی موہوب لہٗ کے فعل سے ہوئی ہو یا اوسکے کسی فعل سے نہ ہو خواہ زیادتی متولدہ ہو یا غیر متولدہ مثلاً شے موہوب ایک لاغر باندی تہی اور وہ فربہ ہوگئی یا گہر تھا کہ اوسمین عمارت بنوائی یا زمین تہی اوسمین درخت لگوائے۔ لیکن یہ زیادتی ایسی ہو جو جزو زمین ہوگئی ہو اسطرح پر کہ اگر زمین بیع کیجائے

لہ زیادت متصلہ وہ زیادتی ہے جو نفس موہوب مین کسی ایسی شے کی زیادتی ہو جس سے قیمت بڑہ جاتی ہو جیسے (باندی مین) جمال (کپڑے مین) سلائی و رنگ وغیرہ اگر فقط اوس شے کا نرخ بڑہ جاوے تو واہب کو رجوع کرلینے کا اختیار ہے اسیطرح اگر نفس موہوب مین زیادتی ہو مگر اوس سے قیمت مین زیادتی نہ ہوئی ہو تو بھی یہی حکم ہے

تو یہ زیادتی بھی بغیر ذکر کے داخل بیع متصور ہو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر - اسیطرح کپڑا موہوبہ کو کسی رنگ مین رنگانا یا اوسکو قطع کرا کر قمیص سلانا یا جبہ بنوانا یا اوس مین روئی بھرائی یا قبا بنوائی تو یہ سب صورتین رجوع سے مانع ہین - اگر موہوب لہ نے غلام موہوب کو لکھنا یا پڑھنا یا اور کوئی صنعت سکھلائی تو ہبہ رجوع کرنے سے مانع نہین ہے - کیونکہ یہ زیادتی نفس موہوب مین نہین ہے پس نرخ کے زیادہ مشابہ ہونے کی قرار دیجائیگی - بتیئین - مگر مضمرات مین اسکے خلاف ہے اور یہی مختار ہے - عالمگیری صفحہ ۱۶۳ - اگر زیادتی منفصلہ ہو تو وہ رجوع کرنے سے مانع نہین ہے خواہ اصل موہوب سے متولد ہو جیسے بچہ اور دودہ دبہل وغیرہ یا اوس سے متولد نہ ہو جیسے کمائی و کرایہ وغیرہ - اگر موہوب مین نقصان آیا ہو تو وہ رجوع کرنے سے مانع نہین اور موہوب لہ نقصان کا ضامن نہ ہوگا -

(۵) ہبہ کا بالعوض ہونا -

(۶) موہوب کا اصلی ہئیت سے متغیر ہونا مثلاً گیہون تھے کہ اوسکو پسایا یا آٹا تہا کہ اوسکی روٹی پکائی ہو -

(۷) زوجیت یعنی واہب و موہوب لہ کا باہم زن و شوہر ہونا حتی کہ اوس تعلق کے قیام کے زمانہ مین کوئی شے ہبہ کی گئی ہو تو بعد منقطع ہونے زوجیت کے بھی واہب رجوع نہین کر سکتا لیکن اسکے برعکس حالت مین یہ مسئلہ نہین ہے یعنی اگر قبل نکاح کے کچھ ہبہ دیا گیا ہو اور بعد مین نکاح ہو تو واہب رجوع کر سکتا ہے - زن و شوہر کے اختلاف مذہب سے رجعت کے مسئلہ مین کچھ فرق نہین آتا یعنی اگر زوجہ کافرہ بھی ہو تاہم شوہر ہبہ سے رجوع نہین کر سکتا -

(۸) قرابت محرمیت خواہ قریب مسلمان ہو یا کافر قرابت کے محارم مین سے مثلاً باپ دادا وغیرہ و مان دادی و نانی وغیرہ و اولاد بیٹے و پوتے وغیرہ اگر ان لوگون کو

ہبہ کیا جاوے تو پہر رجوع نہین ہو سکتا۔ اس حکم مین پسر و دختر کی اولاد کا حال ایکسان ہے۔ اسیطرح بہائی وبہنین و چچا و پہوپی کا حکم یکسان ہے۔ لیکن جن لوگون کے ساتھ قرابت کے سواے کسی اور سبب سے محرمیت ہو تو ایسی محرمیت مانع رجعت نہین ہے جیسے رضاعی مان باپ وبہائی بہنین وغیرہ و دامادی کے رشتہ سے مان باپ وغیرہ و ربائب یعنی جورو کیساتھ جو غیر شوہر سے اولاد ہو و بہو و داماد وغیرہ کو اگر ہبہ کیا جائے تو رجوع کر سکتا ہے خزانۃ المفتین

(۹) (امیر علی صفحہ ۳۱) موہوب مین قدرتی طور پر اضافہ ہونا۔

اگر واہب کو رجوع کرنیکا حق حاصل ہو تو اوسکو اختیار ہے کہ موہوب کے بعض یا کل مین رجوع کرے۔
اگر کسی شخص نے اپنے بہائی و اجنبی کو غلام ہبہ کیا اور دونون نے اوسپر قبضہ کر لیا تو اجنبی کے حصہ مین رجوع کر سکتا ہے
اگر موہوب زمین مین موہوب لہ نے عمارت بنا کر زیادتی کی ہو تو بعد منہدم ہونے عمارت کے واہب کو رجوع کر لینے کا اختیار ہے۔

واگر مکان ہبہ کیا اور موہوب لہ نے عمارت ڈہا دی تو واہب کو زمین واپس لینے کا اختیار ہے یعنی اگر موہوب کا بعض حصہ تلف ہوا ہے تو تلف شدہ سے واپسی کا حق ساقط ہو گیا اور بقیہ جو موجود ہے اوسے واپس لے سکتا ہے۔ اگر مکان موہوبہ مین سے تہوڑا سا واپس لیا تو باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا۔
اگر کسیکو ایک غلام ہبہ کیا اور وہ جوان ہو کر بڈہا ہو گیا۔ اور اوسوقت اُسکی قیمت اوس قیمت سے کم ہے جو ہبہ کرنے کے وقت تہی اور واہب نے رجوع کرنا چاہا تو نہین لے سکتا ہے کیونکہ جسوقت اسمین زیادتی ظاہر ہوئی اوسی وقت رجوع کرنیکا استحقاق باطل ہو گیا۔ اب استحقاق عود نہ کریگا۔ سراج الوہاج۔
ہبہ مین رجوع کر لینے سے واہب کی جانب اوسکی قدیم ملکیت عود کرتی ہے۔ قدیم ملک عود کرنے سے مراد زمانہ مستقبل کے لیے ہے۔ نہ زمانہ ماضی کے واسطے مثلاً اگر کسی شخص نے مال زکوۃ سال گذرنے سے پہلے کسیکو ہبہ کر کے سپرد کر دیا اور پھر بعد سال کے ہبہ سے رجوع کر لیا تو واہب پر زمانہ ماضی کی زکوۃ واجب نہ ہوگی اسیطرح

اگر کوئی مکان دوسرے شخص کو ہبہ کرکے سپرد کردیا پھر اوسکے پہلو مین دوسرا مکان فروخت ہوا پھر واہب نے اپنی ہبہ سے رجوع کر لیا تو واہب مکان مبیعہ کو شفع مین نہین لے سکتا۔ ذخیرہ۔

اگر ایک درم ہبہ کیا پھر موہوب لہ سے قرض مانگا اور اوسنے وہ درم قرض دیدیا تو واہب کو کبھی رجوع کرنیکا اختیار نہ ہوگا۔ (کیونکہ حیثیت درم کی تبدیل ہوگئی۔ امیر علی صفحہ ۱۲۳)

اگر زید نے اپنا قرضہ جو عمرو پر تھا عمرو کو ہبہ کردیا تو وہ ہبہ سے رجوع نہین کرسکتا۔ کیونکہ ابراء سے قرض بالکل ساقط ہوگیا پھر اب قرض کہان باقی رہا جس سے رجوع کیا جائے۔

اگر دو شخصون نے ایک شخص کے حق مین کچھ ہبہ کیا تو دونون واہبون مین سے ایک اپنے حصہ سے بلا رضامندی دوسرے واہب کے رجوع کرسکتا ہے۔

صدقہ تبدیل قبضہ سے مکمل ہوجاتا ہے اور پھر اوس سے رجوع نہین ہوسکتا۔ کیونکہ ایسی ہبہ سے جو صدقہ کی نیت سے دیا گیا ہے خوشنودی خدا کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ بات ہبہ کرنے سے حاصل ہوچکی۔ اگر کوئی شخص کسی غنی آدمی کو صدقہ کی نیت سے کچھ ہبہ کرے تو پھر اوس سے رجوع کرنا جائز نہین ہے کیونکہ بعض وقت غنی شخص کو صدقہ دینے کا مقصود بھی خوشنودی خدا منظور ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی محتاج کو کوئی چیز ہبہ دے اور لفظ صدقہ نہ کہا تو اوس ہبہ سے رجوع کرنا اوسکے لیے جائز نہین ہے۔

فصل دوازدہم۔ ہبہ مین عوض لینے کے بیان مین

فتاوی عالمگیری۔ واضح ہو کہ عوض ہبہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ عقد ہبہ کے بعد عوض

دیا گیا اور دوسرا وہ کہ عقد ہبہ مین شرط کیا گیا۔ اول الذکر قسم کیواسطے تین شرطین ہین۔

اوّل۔ عوض کا ہبہ کے مقابلہ مین رکھنا یعنی تفویض ایسے لفظ سے کیجاوے جو مقابلہ پر دلالت کرتا ہو مثلاً کہے کہ یہ تیری ہبہ کا عوض ہے۔ یا تیری ہبہ کا بدل ہے یا تیری ہبہ کی جگہہ ہے۔ یا مین نے یہ چیز تیری ہبہ کے بدلے صدقہ دی یا ایسے اور الفاظ جو اوسکے قایم مقام ہون۔

دوم۔ عوض موہوب کا ایک جزو نہ ہو۔ اگر موہوب لہٗ نے شے موہوب کا ایک جزو عوض دیا تو صحیح نہ ہوگا اور نہ وہ عوض ہوگا۔ لیکن اگر شے موہوب اپنی حالت سے ایسا تغیر پاگئی ہو جسکے باعث سے واہب کا رجوع کرنا ممنوع ہوگیا تو ایسی صورت مین اگر اوس شے مین سے کچھ عوض دے تو باقی سے عوض ہوجائیگی۔ یہ حکم اوسوقت ہے کہ ایک شے ہبہ کی ہو یا دو چیزین ایک ہی عقد مین ہبہ کی ہون اگر دو چیزین دو عقدون مین ہبہ کی ہون اور موہوب لہٗ نے ایک کو دوسرے کا عوض دیا تو اوسمین اختلاف ہے اور امام اعظم و امام محمد نے فرمایا کہ عوض ہوجائیگی۔ اگر ایک شے ہبہ کی اور دوسری صدقہ دی اور موہوب لہٗ نے صدقہ کو ہبہ کے عوض دیا تو بالاجماع عوض ہوجائیگی۔

سوم۔ عوض کی چیز واہب کو مسلم پہونچ جائے۔ اور اگر نہ پہونچی مثلاً اوسکے ہاتھ سے استحقاق مین لیگئی تو عوض نہ ہوگی اور واہب کو رجوع کا اختیار ہوگا بشرطیکہ رجعت سے کوئی دوسرا امر مانع نہ ہو۔ اگر کچھ عوض استحقاق مین لیا گیا یا تلف ہوگیا تو باقی عوض پورے موہوب کا عوض ہوگا اور اگر چاہے تو اوسے واپس کردے اور اپنا ہبہ پورا واپس کرے بشرطیکہ رجوع ہبہ سے کوئی اور امر مانع نہ ہو۔

موہوب کا صحیح و سلامت ہونا تفویض کی شرط ہی حتی کہ اگر شے موہوب استحقاق مین لیگئی تو موہوب لہٗ کو اختیار ہوگا کہ اپنا عوض واپس کرے و اگر نصف موہوب استحقاق مین لیگئی

تو اوسکو نصف عوض پر واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ بشرطیکہ شے موہوب محتمل قسمت ہو خواہ عوض مین نرخ کی رو سے کمی و زیادتی ہوگئی ہو۔ پس نقصان کی صورت مین اسکو اختیار ہوگا کہ نصف عوض معہ نصف نقصان کے واپس کرلے۔ اور اگر موہوب لہٗ چاہے کہ وہ باقی ماندہ موہوب واپس کرے اور پورا عوض پھیر لے تو ایسا نہین کرسکتا۔

عوض کی ماہیت مین اسطرح گفتگو کیجاتی ہے کہ جو عوض عقد ہبہ کے بعد ہو وہ از سرنو ہبہ[1] ہے پس جس سے ہبہ صحیح ہوتا ہے اوس سے یہ بھی صحیح ہوتا ہے اور جس سے ہبہ باطل ہوتا ہے اُس سے یہ بھی باطل ہوتا ہے کسی امر مین مخالفت نہین ہے مگر صرف رجوع مین کہ ہبہ کی صورت مین واہب کو رجوع کرنیکا حق ہوتا ہے اور اس صورت مین حق نہین ہے۔ اگر موہوب لہٗ نے موہوب مین کوئی کھلا ہوا عیب پایا تو اوسکو یہ اختیار ہوگا کہ واپس کرکے عوض کو واپس لیلے اسی طرح واہب کو بھی یہ اختیار ہوگا کہ اگر اوسکے عوض مین کچھ عیب پایا تو اوسکو واپس کرکے ہبہ کو واپس لیلے پھر جب واہب نے عوض پر قبضہ کرلیا تو دونون مین سے کسیکو اختیار نہ ہوگا۔ کہ جس چیز کا اوسنے دوسرے کو مالک کردیا ہے اوسکو واپس لے خواہ واہب کو موہوب لہٗ نے خود عوض دیا ہو یا اوسکے حکم سے یا بدون حکم کے کسی اجنبی نے عوض دیا ہو۔ بدایع۔ جو شرطین ہبہ مین ہین وہ تمام عوض سے بھی متعلق ہین مثل قبضہ وغیرہ کے۔ عوض ہبہ بمعنی معاوضہ ابتداءً یا انتہاءً نہین ہوتا ہے۔ پس شفیع کو اسمین شفع کا حق ثابت نہ ہوگا۔ اور نہ موہوب لہٗ کو بسبب عیب کے واپس کرنیکا اختیار ہوگا۔ محیط سرخسی۔

ہبہ بشرط العوض دوسری قسم کے عوض مین یعنی ایسے عوض مین جو عقد ہبہ مین مشروط ہو ابتدا مین ایسی شرطین چاہیین جو ہبہ مین ہین حتی کہ ایسی غیر منقسم شے مین جو محتمل قسمت ہے

---

[1] دیکھو مقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسین ہفتہ وار ۱۸۹۸ء صفحہ ۲۶۶

صحیح نہ ہوگا - اور قبضہ سے پہلے ملک ثابت نہ ہوگی اور دونون مین سے ہر ایک کو سپرد کرنے سے انکار کرنیکا اختیار رہوگا - اور بعد باہمی قبضہ واقع ہونے کے اوس مین بیع کا حکم ثابت ہوگا - پس کیسکو دونون مین یہ اختیار نہ رہے گا کہ جو چیز اوسکی تھی اوس کو واپس کرلے اور شفع ثابت ہوگا - اور دونون مین سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے مقبوضہ کو بسبب عیب کے واپس کردے - جس صدقہ مین عوض دینا شرط ہو وہ بمنزلہ ہبہ بشرط العوض کے ہے اور یہ جو مذکور ہوا دلیل استحسان کی سے ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ ہبہ بشرط العوض ابتداً و انتہاءً دونون راہ سے بیع ہو - فتاوی قاضی خان -

ایک گھر دو شخصون کو بشرط ہزار درم عوض کے ہبہ کیا تو بعد باہمی قبضہ کے اس ہبہ کا انقلاب بیع کی جانب ہوگا - یعنی ہبہ منقلب ہو کر بیع جائز ہوگا - قنیہ -

ہبہ بالعوض ناقابل رجوع ہے | اگر کل ہبہ کے لیے عوض دیا خواہ عوض قلیل ہو یا کثیر ہو تو ہبہ سے رجوع کرنا ممنوع ہوجاتا ہے و اگر کچھ ہبہ کے لیے عوض دیا تو واہب کو اختیار ہوگا کہ جس قدر کا عوض اوسنے نہین لیا ہے اوس سے رجوع کرے اور جسکا عوض لیا ہے اوس قدر مین ہبہ سے رجوع نہین کرسکتا - شرح طحاوی -

اگر کسی اجنبی نے واہب کو عوض دیا تو جایز ہے خواہ موہوب لہٗ کے حکم سے ہو یا بلا حکم اور اس اجنبی کو یہ اختیار نہوگا کہ جس قدر اوس نے عوض دیا ہے وہ موہوب لہٗ سے واپس لے تاوقتیکہ موہوب لہٗ نے واپس دینے کی شرط نہ کی ہو - فتاوی قاضی خان -

اصل اس جنس کے مسائل مین یہ ہے - کہ جو حق ایسا ہو کہ جس یعنی قید و ملازمہ[1] کے ساتھ آدمی سے اُسکا مطالبہ کیا جاتا ہے اگر ایسے حق کی ادا کرنیکا حکم دے تو بدون ضمان کے شرط لگانے کے حکم دینے والے سے واپس لے سکتا ہے اور جو حق ایسا نہ ہو اگر اُسکے

---

[1] قید و ملازمہ کے ساتھ ہو یعنی حق مخصوص و معین ہو اور اوسکا دینا کسی شخص پر واجب ہو -

ادا کرنیکا حکم دے تو مامور کو بدون اشتراط ضمان کے واپس لینے کا اختیار حاصل ہوگا (ظہیریہ)
اگر نابالغ کے والد نے نابالغ کے مال مین سے کچھ ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے عوض
دیدیا تو ہر ایک کو دونون مین سے اختیار ہے کہ اپنی چیز واپس کرے اور ہبہ باطل ہے
اگر نابالغ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اور باپ نے نابالغ کے مال سے اوسکا عوض دیا تو تفویض
جائز نہین ہے اگرچہ یہ بشرط عوض ہے۔ وجہ ان دونون مسلون کی ظاہر ہے کیونکہ باپ
کو بجز چند خاص صورتون کے اپنے نابالغ لڑکے کی جائداد کو تصرف کرنا جائز نہین ہے۔
ایک مریض نے ہزار درم قیمت کی جائداد ایک صحیح آدمی کو ہبہ کیا اور اوسکے سوائے
اوسکے پاس کچھ اور مال نہین ہے اور موہوب لہٗ نے اوسکا عوض دیا اور مریض نے اوسپر
قبضہ کر لیا پھر مریض مر گیا اور عوض اوسکے پاس موجود ہے پس اگر یہ عوض اوس مال موہوب
کے دو تہائی قیمت کے برابر یا زیادہ ہے تو ہبہ تمام رہا اور اگر عوض کی قیمت ہبہ کی نصف
ہو تو واہب کے وارث لوگ چھٹا حصہ ہبہ کا واپس لینگے۔ اگر عوض دینا اصل ہبہ مین شرط
ہو تو موہوب لہٗ کو اختیار ہوگا چاہے تمام ہبہ واپس کرے یا ہبہ کا چھٹا حصہ واپس دے
اور باقی رہنے دے۔ کسی نصرانی نے کسی مسلمان کو کچھ ہبہ دیا اور مسلمان نے اوسکو
کوئی حرام چیز مثل شراب یا سور کے عوض دیا تو یہ عوض نہ ہوگا۔ اور نصرانی کو اپنی ہبہ سے
رجوع کرنیکا اختیار ہوگا۔ سید امیر علی کہتے ہین ہبہ بالعوض قانون کی نظر مین بیع ہے
عقد بیع کے جواز کے لیے باہمی قبضہ کی ضرورت نہین ہے۔ اور جسطرح کہ معاہدہ
بیع بالعموم منعقد ہوتا ہے اوس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو چیز ایک دوسرے کے مقابلہ مین دیگئی
وہ موجود ہے اور ایک فریق کو دوسرے کے فریب سے نقصان کا احتمال نہین ہے
مثلاً اگر معاہدہ بیع ان لفظون مین قرار پایا ہے کہ "مین نے یہ شے فلان شے کے عوض
دی" تو اوسکا یہ مفہوم ہے کہ معاوضہ موجود ہے۔ اور معاہد لہٗ قبل اپنی چیز دینے کے

معاوضہ کو لے لیگا - اسلئے ایسے عقد پر قانوناً بلحاظ شرط و نتیجہ کے بیع کی تعریف صادق آتی ہے - دیکھو غلام مصطفی بنام حرمت[1] -

قبضہ غیر ضروری ہے | مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے ہبہ یہ کہکر کیا کہ مین نے اپنا کل مال العوض اوس شے کے جو موہوب لہٗ نے مجھے دی ہے اوسے ہبہ کیا تو یہ ہبہ بالعوض کسی ایسی شے کے عوض نہین جو مابعد دیجاویگی - بلکہ یہ عقد شرط و نتیجہ دونون معنی کر کے ایک انتقال باہمی ہے یعنی بیع ہے - اسصورت مین قبضہ ایک شرط لازمی نہین ہے -

ہبہ بشرط العوض | لیکن ہبہ بشرط العوض بالکل مختلف قسم کا عقد ہے - جسکے منعقد ہونے مین کسی شرط کا پایا جانا ضرور ہے - مثلاً "مین نے یہ شے تمکو اس شرط پر دی کہ تم مجھے فلان شے دو" اس مثال سے واضح ہے کہ اس عقد کا نفاذ قانوناً شرط کے پورے ہونے پر موقوف ہے - یعنی عوض کی حوالگی و سپردگی پر - اگر بغیر پورے ہونے شرط کے یہ عقد جائز رکھا جاوے تو ممکن ہے کہ عوض پھر موہوب لہٗ کو نہ دیا جاوے مگر بلحاظ نتیجہ کے اس قسم کے معاہدہ کی نسبت یہ کہہ سکتے ہین کہ بیع کے مشابہ ہے یعنی بعد باہمی قبضہ کے درحقیقت اس پر بیع کی تعریف صادق ہوتی ہے - مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین نے اپنی تمام جائداد اس شرط پر ہبہ کی کہ موہوب لہٗ مجھے اس ہبہ کے عوض کوئی شے دے اور موہوب لہٗ نے اس شرط کو قبول کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض ہوگا - جب تک کہ شرط پوری نہ کیجاویگی اوسوقت تک واہب کو ہبہ سے رجوع کرنیکا حق ہے اسلیے حوالگی قبضہ ضروری ہے - لیکن جب شرط پوری ہوگئی تو یہ عقد بیع ہوجاتا ہے -

اسی وجہ سے شرح چلپی مین لکھا ہے کہ وہ ہبہ بشرط العوض بلحاظ شرط کے ہبہ ہے اور بلحاظ نتیجہ کے بیع - اِسکی صحت کے لیے قبضہ لازمی ہے اور ہبہ اوسوقت تک مکمل نہ کہا جائیگا

---

[1] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۸۵۴ -

تاوقتیکہ فریقین نے ایک دوسرے کو قبضہ نہ دیدیا ہو۔"

ہبہ مین شرط لگانیکا نتیجہ

اگر ہبہ مین کوئی ایسی شرط لگی ہوئی ہے جسکا وقوع مین آنا بالکل ایک امر موہوم نہین ہے۔ بلکہ اوسے موہوب لہٗ پوری کرسکتا ہے یا کچھ دنون بعد وہ خود بخود پوری ہوجائیگی تو شرط و ہبہ دونون صحیح ہین۔ اسکی چند تمثیل شرح چلپی مین لکھی ہین۔ شارح چلپی لکھتا ہے کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو یہ کہکر کوئی چیز دے کہ یہ چیز تمہاری ہے اگر تمہاری پسند ہو اور شخص مخاطب یہ کہے کہ مین اسے پسند کرتا ہون یا قبول کرتا ہون تو شرط صحیح ہے۔ ایسے ہی امام محمد سے مروی ہے کہ اگر درخت خرما مین پھل آنے شروع ہوئے اور مالک درخت کسی سے یہ کہے کہ یہ خرما جب پک جائین تو تمہارے ہین یا کل تمہارے ہوجائینگے تو جائز ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ خرما تمہارے ہین اگر زید مکان مین داخل ہو تو صحیح نہین ہے۔

ہبہ وابراءمین خیار صحیح نہین ہے

اگر ہبہ اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ موہوب لہٗ کو تین روز تک منظور و نامنظور کرنے کا اختیار ہے تو اگر اوسنے قبل فراق یعنی جدائی کے اجازت دیدی تو جائز ہے و اگر جدا ہونے سے پیشتر منظور نہین کیا تو جائز نہین ہے۔ اگر ہبہ اس شرط سے کیا کہ واہب کو تین روز تک اختیار ہے تو ہبہ صحیح ہے اور خیار باطل کیونکہ ہبہ ایک عقد لازم ہے اور اوسمین خیار کی گنجایش نہین ہے۔ اسیطرح اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ مین نے اپنے اوس حق سے جو تمپر ہے تمکو بری کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ مجھے خیار باقی ہے تو ابراجائز ہے اور خیار باطل۔

ہبہ شرطیہ و ہبہ مین شرط لگانے مین فرق

اگر کوئی شخص جسکے ہزار درم کسی پر چاہتے ہین اپنے مدیون سے یہ کہے کہ جب کل کا روز ہو تو یہ ہزار درم تمہارے ہین یا تم اوس سے بری ہو یا جب تمنے نصف روپیہ ادا کردیا تو بقیہ نصف سے تم بری ہو۔ یا بقیہ نصف

تمھارا ہو گیا تو یہ باطل ہے۔

لیکن اگر وہ کہے کہ ویں تمکو اس شرط سے بری کرتا ہون کہ تم اپنا غلام آزاد کردو؟
اور وہ کہے کہ مین نے قبول کیا یا آنکہ غلام آزاد کردیا تو وہ شخص قرض سے بری ہو جائیگا
ہمارے سب اصحاب نے فرمایا کہ اگر کچھ ہبہ کیا اور ہبہ مین کوئی شرط فاسد لگائی تو ہبہ
جائز ہوگا۔ اور شرط باطل ہوگی مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو کوئی شے ہبہ کی
اور یہ شرط لگائی کہ اوسکو فروخت نہ کرے یا ایک مہینہ کے بعد مجھے واپس کرے
تو ہبہ جائز ہے اور یہ شرطین باطل۔ اصل اسمین یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہے کہ اوسمین
قبضہ شرط ہے تو اوسکو کوئی شرط فاسد نہین کرتی ہے جیسے ہبہ ورہن۔ سراج الوہاج۔

اگر کوئی عورت اپنا مہر کسی شرط پر ہبہ کرے اور شرط پوری نہ کیجائے تو ہبہ کالعدم
ہے مثلاً زوجہ نے شوہر کو مہر سے اس شرط پر بری کیا کہ وہ اوسکو حج کرائے یا اوسپر
ظلم نہ کرے یا اوسکے ہوتے کسی اور سے نکاح نہ کرے یا اوسکے والدین ودیگر اقربا
سے ملنے مین مانع نہ ہو اور یہ شرط پوری نہ کی گئی تو مہر بحالہ قایم رہیگا۔ ایک عورت نے
اپنے شوہر سے کہا کہ مین نے اپنا مہر چھوڑ دیا بشرطیکہ تو میرا امر میرے اختیار مین دے
یعنی جب چاہون تو اپنے تئین طلاق دیدون تو اوس عورت کا مہر بحالہ رہے گا جب تک
اپنے آپ کو طلاق نہ دے۔

فصل سیزدہم۔ قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنیکے بیانمین

فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ مین لکھا ہے کہ قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنا قیاساً و استحساناً

جائز ہے اور قرضہ سوائے قرضدار کے دوسرے کو ہبہ کرنا استحساناً جائز ہے جب کہ
قرضہ وصول کرنیکا حکم اوسے دیدے۔ قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنا یا بری کرنا بدون قرضدار کے
قبول کرنے کے تمام ہوجاتا ہے اور اگر قرضدار اوسکے ہبہ کرنے یا بری کرنے کو رد کردے
تو رد ہوجاتا ہے اسکو عامہ مشائخ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ جواہر اخلاطی۔ اور
یہ حکم اوسوقت ہے کہ قرضہ بدل الصرف نہ ہو یعنی نقد نہ ہو۔ اگر بدل الصرف یعنی نقد ہو
اور قرضخواہ نے اوسکو ہبہ یا بری کیا تو اوسکے قبول کرنے پر موقوف رہیگا پس اگر
قبول کیا تو بری ہوگا اور نہ قبول کیا تو بری نہ ہوگا باقی تمام قرضون مین خواہ قبول کرے
یا نہ کرے بری ہوجاتا ہے ولیکن باقی تمام قرضون مین ہبہ یا برئیت اوسکے رد کرنے
سے رد ہوجائیگی۔ یہ سب حکم اصل کا ہے یعنی اصل قرضدار کے متعلق۔
اگر کفیل کو قرضہ ہبہ کیا تو بدون قبول کے تمام نہ ہوگا۔ اگر کفیل نے رد کیا تو رد ہوجائیگا
و اگر کفیل کو بری کیا تو بدون قبول کے تمام ہوجائے گا۔ اور رد کرنے سے رد نہ ہوگا۔ (عبارت
مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ دونون صورتون مین فرق ہے۔ یعنی اول الذکر صورت مین
ہبہ کا تمام ہونا کفیل کے قبول پر منحصر ہے اور صورت ثانی مین کفیل کا قبول کرنا بری ہونے
کے لئے ضرور نہین ہے) اگر اصل قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا یا اوسکو بری کیا اور وہ رد کرنے
سے پہلے مرگیا تو بری ہوگیا اسیطرح اگر مرگیا ہو اور پھر قرضخواہ نے اوسکو بری کیا
یا حلت مین کردیا تو جائز ہے پھر اگر وارث نے رد کردیا تو اوسکا رد کرنا موثر ہوگا اور مال کا
حکم ہوگا یعنی حکم کیا جائیگا کہ فلان میت اس قدر قرضدار ہے۔ یہ امام ابویوسف کا قول ہے
اور امام محمد نے فرمایا کہ اوسکا رد کرنا بے سود ہے اور برارت بحالہ رہیگی۔ ذخیرہ۔ اگر طالب
نے اصیل کو قرضہ سے بری کیا یا ہبہ کیا اور اوسنے قبول کیا تو اصیل و کفیل دونون
بری ہوجاوینگے اور قبول نہ کیا تو بری نہ ہونگے۔ خلاصہ۔

ایک شخص پر قرضہ ہے وہ اوسکے ادا کرنے سے پہلے مرگیا اور قرض خواہ نے قرضدار کے وارث کو قرضہ ہبہ کیا تو صحیح ہے خواہ ترکہ اوسکا مستغرق ہو یا نہ ہو۔ اور وارث نے اگر رد کیا تو رد ہو جائیگا بخلاف قول امام محمد کے۔ واگر بعضے وارثون کو ہبہ کیا تو سبکو ہبہ ہوگا واگر وارث کو بری کیا تو بھی صحیح ہے۔

خزانہ مین لکھا ہے کہ دو عقد ایسے ہوتے ہین کہ اون مین مرجانا بمنزلہ قبول عقد کے قرار دیا جاتا ہے۔ ایک مدیون کو دین ہبہ کرنا اور دوسرا عقد وصیت۔ یعنی اگر مدیون وموصی لہ بدون قبول کے مرجائین تو ہبہ ووصیت واجب ہوگی۔

اگر ایک وارث نے اپنا حصۂ قرض مدیون کو تقسیم سے پہلے ہبہ کیا اور ترکہ مین نقود وعروض (یعنی نقد و اسباب) دونون ہون تو استحسانًا مثل صلح کے صحیح ہے۔

اگر قرضہ صحیح طور پر مدیون کو ہبہ کیا گیا ہے تو وہ مستحق ہے کہ قرض خواہ سے وہ جائداد واپس کرے جو قرضہ مین مستغرق ہے[1]۔ قرض خواہ نے قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا اوسنے نہ قبول کیا و نہ رد کیا حتیٰ کہ دونون مجلس سے جدا ہوگیے پھر چند روز کے بعد اگر مدیون نے ہبہ رد کیا تو اسمین مشایخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہبہ رد نہ ہوگا۔

اگر قرضہ کے مالک دو شخص ہون اور ایک شریک نے اپنا حصہ مدیون کو ہبہ کیا

---

[1] ترجمہ فتاوی عالمگیری مین بحوالہ تاتارخانیہ اس مسئلہ کو اسطرح لکھا ہے کہ دو اگر مدیون سے مال وصول کرلیا پھر اوس سے کہا کہ واسے کہ مرا بود وہ است بتو بخشیدم تو ہبہ صحیح ہے اور جب ہبہ صحیح ہوا تو مدیون کو اختیار ہے کہ جو کچھ اوسنے طالب کو دیا ہے اوس سے واپس کرلے"۔

اس مسئلہ کی عبارت بہت محفوظ نہین معلوم ہوتی کیونکہ صحت ہبہ کے لیے موہوب کا موجود ہونا ضرور ہے۔ لیکن جب قرض ادا ہوچکا تو اوسکا وجود باقی نہ رہا اسلیے پھر وہ قرض کیونکر ہبہ ہو سکتا ہے متن مین یہ مسئلہ سید امیر علی کی انگریزی شرح محمدی سے لکھا گیا۔

توصیح ہے واگر مطلقاً نصف دین ہبہ کیا تو چوتھائی دین ہبہ نافذ ہوگا اور چوتھائی دین موقوف رہیگا۔

ابرا معلق جس شے کے وجود و عدم کا خطرہ ہو اوسکی تعلیق باطل ہے۔ پس ایسا ابرار جسمین تعلیق بہ خطر ہے باطل ہے۔ لیکن اگر ابرا ایسی شرط پر معلق کیا گیا ہے جو فوراً پوری ہو جاتی ہے تو ابرا صحیح ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارے ذمہ کچھ قرض ہے تو مین تمکو اوس سے بری کرتا ہون تو یہ ابرا صحیح ہے۔ اگر اوسوقت کچھ قرض اوسکے ذمہ تھا اسیطرح اگر کوئی شخص کہے کہ جب مین مر جاؤن تو تم میرے قرضہ سے بری ہو تو یہ صحیح ہے۔ اور برات مثل وصیت کے اثر پذیر ہو گی۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ ذمہ داری سے بری کرنے مین قبضہ کی حوالگی ناممکن ہے اسلئے یہ حکم ہے کہ مدیون کو قرضہ ہبہ کرنا بدون اوسکے قبول کے تمام ہو جاتا ہے کیونکہ قرضہ سے بری کرنا بمنزلہ منسوخ کرنے قرضہ کے ہے۔ اسلیے موہوب لہٗ کا قبول کرنا و قبضہ کرنا ضرور نہین ہے۔

مدیون کے سوائے کسی دوسرے شخص کو قرضہ ہبہ کرنا ذیل کی صورتون مین صحیح ہے۔

اول یہ۔ کہ جب ہبہ بطور حوالات کے ہو یعنی موہوب لہٗ اوسکا وکیل کردیا جائے۔

دوم یہ۔ کہ جب اوسکی وصیت کیجائے۔

سوم یہ۔ کہ جب موہوب لہٗ کو قرضہ وصول کرنے پر مسلط کردے۔

اگر کسی شرط پر مدیون قرض سے بری کیا گیا ہے اور اوسنے وہ شرط پوری نہ کی تو قرض بحالہ قایم رہیگا مثلاً اگر کسی عورت نے اپنا مہر شوہر کو اس شرط پر معاف کیا کہ وہ دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور شوہر نے اس شرط کو قبول کیا مگر پھر دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو زوجہ اول کا مہر اوسکے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ اگر مدیون کو قرض سے بری

کیا اور اوسنے برائت قبول کرلی تو پھر وہ برارت منسوخ نہین ہوسکتی۔

باب الوقف

فصل اوّل

تمہید

شرع محمدی سید امیر علی جلد ا صفحہ ۱۵۲۔ شرع محمدی مین وقف کا قانون نہایت اہم و ضروری ہے۔ ابتداء زمانہ اسلام سے مسلمانون مین وقف کا قاعدہ جاری ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر علیہ السلام خلیفہ دویم نے اپنے حصہ خیبر کو جسکا نام تمغ تھا صدقہ کرنا چاہا تو رسولِ مقبول سے دریافت کیا کہ سب سے بہتر طریقہ حصول ثواب کا اِسکے صدقہ کرنے مین کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اوسکی اصل کو

(۱) واقف ۔ وقف کرنے والا۔

(۲) موقوف یا وقف ۔ جو چیز وقف کی گئی جمع اوقاف ۔

(۳) موقوف علیہم ۔ وہ لوگ جنپر وقف واقع ہوا۔

(۴) جہت وقف ۔ جس راہ پر وقف ہوا ہے مثلاً فقرا و مساکین کے لئے۔

(۵) قیم ۔ وہ شخص جو وقف پر متولی ہو۔

(۶) وقف کے لغوی معنی روکنا ہے۔

صدقہ کرو کہ وہ بیع و میراث و ہبہ نہ ہو سکے اور اوسکی منفعت کو اپنی اولاد و اقارب و مسکینون پر خدا کی راہ مین صرف کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) مصنف فتح القدیر جو سنیون مین بہت ہی مستند کتاب ہے لکھتا ہے کہ وقف کی قاعدہ کی ابتدا خود رسول مقبول کی ذات سے ہوئی ہے۔ رسول مقبول نے علاوہ اوس حکم کے جو حضرت عمر علیہ السلام کو دیا تھا یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان کے جملہ افعال اوسکی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتے ہین۔ مگر عمل صالح ہمیشہ قایم رہتا ہے کیونکہ بعد موت کے بھی اسکا ثواب جاری رہتا ہے۔ ان ارشادات کی تعمیل مین رسول مقبول کی حیات سے لیکر ابتدائے چند صدیون تک وقف کا بہت رواج تھا۔ مصنف نے چند مثالین وقف کی ذکر کی ہین جنمین سے چند اوسوقت تک موجود تہین جب مصنف اپنی کتاب کی تالیف مین مشغول تہا۔ وہ مثالین یہ ہین۔

(۱) خود رسول مقبول نے ایک قطعہ اراضی جو خیبر مین آپکو ملی تہی مسافرون کے لیے وقف کر دیا تھا۔

(۲) حضرت عمر علیہ السلام نے ثمغ کو اپنی اولاد و اقربا و مسکینون پر وقف کیا جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۳) زبیر ابن عوام نے جو آنحضرت کے بہتیجے تہے اپنی لڑکی کے لئے وقف کیا تہا۔

(۴) حضرت ابوبکر علیہ السلام خلیفہ اول نے اپنی اولاد کے لئے وقف کیا۔

(۵) سعد ابن ابی وقاص فاتح فارس نے اپنی زمین مملوکہ واقع ملک مدینہ و مصر کو اپنی اولاد کے حق مین وقف کیا جو ہنوز قایم ہے۔

(۶) عثمان بن ارقم مخزومی نے دار الاسلام کو اپنی اولاد کے لئے وقف کیا جو صفا (نزدیک مکہ) مین واقع تھا اور جسمین رسول مقبول دعوۃ اسلام کرتے تہے اور جس جگہہ بہت لوگون نے جن مین حضرت عمر علیہ السلام بہی شامل تہے مشرف باسلام ہوئے۔

(۷) بیہقی نے اپنی کتاب خلافت مین بروایت ابوبکر عبید اللہ بن زبیر الحمیدی بیان کیا ہے کہ خلیفہ حضرت ابوبکر علیہ السلام کا ایک مکان مکہ مین تہا جسکو اونہون نے اپنی اولاد کے حق مین وقف کیا تہا اور جو اب بہی موجود ہے۔

(۸) حضرت عثمان علیہ السلام خلیفہ ثالث نے اپنی زمین اپنی اولاد کے لیے وقف کی تھی اور وہ وقف ابتک موجود ہے۔ فتح القدیر۔
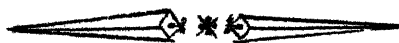
یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے جامع ترمذی مین منقول ہے۔

بموجب ارشاد کے حضرت عمر علیہ السلام نے اوس جائداد کو وقف کر دی جو کئی صدی تک اوسی حالت مین قایم رہی۔ حتی کہ وہ زمین غیر مزروعہ ہو گئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقف کا قاعدہ مسلمانون کے مذہبی زندگی و تمدنی کفایت شعاری دونون پر حاوی ہے۔

تعریف وقف عالمگیری مین ہے کہ امام اعظم کے نزدیک شرع مین وقف مال عین کو ملک واقف پر حبس کرنے اور اوسکی منفعت کو فقرا یا اور کسی کار خیر کے واسطے صدقہ کرنے کو کہتے ہین اور یہ صدقہ مثل عاریت کے ہوگا پس یہ لازم نہ ہوگا اور وقف کنندہ کو اختیار ہوگا کہ وقف سے رجوع کرے اور مال موقوفہ کو فروخت کرے۔ وقف صرف دو طریقون سے لازم ہوتا ہے اول آنکہ قاضی اوسکے لازم ہونیکا حکم دے۔ دویم یہ کہ مثل وصیت کے وقف صرف تہائی مال ہو۔ قاضی کے حکم سے وقف لازم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وقف کرنیوالا متولی کو مال وقف سپرد کرے پھر یہ حجت کرے کہ وقف لازم نہین ہوا وقف سے رجوع کرے پس قاضی اوسکے لازم ہونیکا حکم دے۔ امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک شرع مین وقف یہ ہے کہ مال عین کو ملک اللہ تعالے پر اسطرح پر حبس کرے کہ اس مال عین کی منفعت بندون کی طرف عود کرتی رہے بس صاحبین کے نزدیک وقف لازم ہو جاتا ہے اور پھر نہ وہ فروخت ہو سکتا ہے اور نہ میراث[۵۱] صاحبین مین بھی باہم اختلاف ہے

[۵۱] امام اعظم اور صاحبین نے اپنے اپنے قول کی تائید مین جو دلائل بیان کئے ہین اونپر غور کر کے علما نے یہ قرار دیا ہے کہ صاحبین کے دلائل زیادہ قوی ہین۔ مترجم ہدایہ صفحہ ۴۳۶ مین یہ لکھتا ہے۔ شمس الاسلام نے شرح مبسوط مین کہا کہ امام ابو حنیفہ کی دلیل منقول مین کوئی حجت نہین اور شیخ ابن الہمام نے کہا کہ حق اس مقام پر یہی ہے کہ صاحبین و عامہ علما کے قول کو ترجیح ہے یعنی وقف لازم ہو جاتا ہے کیونکہ

امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کی ملکیت مال موقوفہ مین فقط قول سے زائل ہو جاتی ہے اور یہی امام شافعی و مالک و احمد کا قول ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے اور مشائخ بلخ اسی پر ہین اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فتح القدیر۔

امام محمد کا قول ہے کہ بعد وقف کرنے کے اگر اوسکا متولی مقرر کرکے شئے موقوفہ اوسکے سپرد نہ کی گئی تو واقف کی ملک زائل نہ ہوگی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مشاع کا وقف صحیح ہے لیکن امام محمد کے نزدیک صحیح نہین ہے۔ سبب امام اعظم کے قول کے موافق بعد حکم قاضی کے و امام ابو یوسف کے موافق مجرد وقف کرنے سے و امام محمد کے موافق وقف کرنے و متولی کے سپرد کرنے کے بعد عین وقفی وقف کرنے والے کی ملک سے خارج ہوگئی تو جسپر وقف کی گئی ہے اوسکی ملک مین داخل نہ ہوجائیگی۔ وقف کے رکن وہی مخصوص الفاظ ہین جو وقف پر دلالت کرین۔ درالمختار جلد ۲ صفحہ ۵۱۶ مین لکھا ہے۔ وقف کے رکن وہی الفاظ مخصوصہ ہین مثلاً یوں کہنا کہ میری یہ زمین مساکین پر صدقہ موقوفہ دائمی ہے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ مثلاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) اس باب مین احادیث کثرت سے ہین و صحابہ و تابعین و اونکے مابعد اُمتیون کا عمل بھی اسی پر چلا آتا ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ امام اعظم و صاحبین کے قول کو بیان کرکے مترجم درالمختار صفحہ ۵۱۶ پر لکھتا ہے کہ ان قولون مین اگر کسیکو ترجیح ہوسکتی ہے تو باعتبار دلیل کے ہوسکتی ہے خصاف نے درباب لزوم وقف صاحبین کے مذہب کے واسطے رسول مقبول و اصحاب کے اوقاف سے بکثرت استدلال کیا ہے۔ امام ابو یوسف ابتداءً امام اعظم کے قول کو صحیح مانتے تھے لیکن جب خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ طیبہ اور اوسکے نواح مین اصحاب کرام کے اوقاف کو ملاحظہ کیا تو امام اعظم کے قول سے رجوع کرکے لزوم وقف کا فتویٰ دیا اس حکایت کو سید امیر علی نے بھی اپنے ضمیمہ مین لکھا ہے۔

یون کہنا کہ یہ زمین خدا کے واسطے وقف ہے یا علی الوجوہ الخیر یا علی وجوہ البر وقف ہے وامام ابو یوسف کے نزدیک فقط لفظ وقف کفایت کرتا ہے یعنی اگر صرف یہ کہا کہ یہ زمین وقف ہے ومساکین یا کسی دوسرے کار خیر کا ذکر نہ کیا و نہ یہہ قید لگائی کہ دایمی وقف ہے تاہم وقف صحیح ہوگا۔

صدر الشہید نے کہا کہ بسبب عرف کے ہم اسی قول پر فتوی دیتے ہین ؎

اور سبب وقف خواہش تقرب بجناب باری ہے۔

حکم وقف صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ وقف کا مال عین واقف کی ملک سے خارج ہوکر اللہ تعالی کے ملک حقیقی مین داخل ہوتا ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ وقف کا مال عین وقف کنندہ کی ملک پر اسطرح محبوس ہو کہ ایک ملک سے دوسرے ملک مین منتقل نہ ہوسکے۔

فصل دویم شرائط متعلق وقف

اول یہ کہ وقف کنندہ عاقل ہو یعنی یہ سمجھتا ہو کہ وقف کا مقصود کیا ہے اور بالغ ہو پس طفل و مجنون کا وقف صحیح نہین ہے۔ وقف کنندہ آزاد ہو۔ یعنی کسیکا غلام نہ ہو۔ سید امیر علی لکھتے ہین کہ تمام مذاہب مین یہ شرطین لازمی خیال کی گئین ہین۔ شرایعہ مین ہے کہ واقف بالغ و عاقل ہو اور مجبور نہ ہو جو شخص جو عاقل و بالغ ہے وقف کر سکتا ہے لیکن جن وجوہات سے ہبہ ناجائز ہوجاتا ہے اون سے وقف بھی ناجائز ہوجاتا ہے۔ مثلاً۔ اکراہ ۔ فریب ۔ یا واقف کا مضمون دستاویز

نہ سمجھنا [۵۱]۔

وقف کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہین

واقف کا مسلمان ہونا شرط نہین ہے۔ ہر مذہب و ملت کا آدمی وقف کرسکتا ہے لیکن مصرف وقف واقف کے مذہب و مسلمانون کی شرع مین ممنوع نہ ہو۔ چونکہ وقف کا اصل مقصود تقرب الہی و خوشنودی خدا کا حاصل کرنا ہے۔ اسلئے اگر اوسکا مصرف شرع اسلام و واقف کے مذہب کی رو سے گناہ ہے تو وقف صحیح نہین ہے۔ اسی وجہ سے کوئی مسلمان کسی بت کے لیے یا ایسے معبد کے لیے جو اسلام کے عقائد کی رو سے داخل گناہ ہے کوئی مال وقف نہین کرسکتا اسیطرح کسی غیر مسلم کا وقف مسلمانون کے معبد کے لیے صحیح نہ ہوگا۔ لیکن ان دونون صورتون مین واقف کی موت کے بعد اوسکے وارثون کی رضامندی سے وقف صحیح ہوجائے گا فتاوی عالمگیری مین یہ اصول اسطرح بیان کیا گیا ہے۔ اگر کسی ذمی نے اپنا مکان مسلمانون کیواسطے مسجد کردیا اور مثل مسلمانونکی مسجد کے اوسکی عمارت بنائی اور مسلمانونکو اوسمین نماز پڑھنے کی اجازت دی اور اونہون نے نماز پڑھی بعد کو ذمی مرگیا تو یہ مکان اوسکے وارثون کیواسطے میراث ہوگا اسپر کل امامونکا اتفاق ہے اگر کسی ذمی نے اپنا مکان آتش خانہ یا بیعہ کردیا اور یہ اپنی صحت مین کیا پھر مرگیا تو یہ اوسکے وارثون کی میراث ہوجائیگا

موقوف کا واقف کی ملک ہونا چاہیئے

عالمگیری مین ہے یہ بھی شرط ہے کہ وقف کرنے کے وقت وقف کرنے والے کی ملک ہوحتی کہ اگر کسی نے کوئی اراضی غصب کرکے

[۵۱] اصغر علی بنام دلروس بانو بیگم جلد ۳ کلکتہ صفحہ ۳۲۴ - انگریزی و ۳۲۹۴ - اُردو - حکام پریوی کونسل نے تجویز کی کہ "عدالت پر لازم ہے کہ جب نسبت انتقال جائداد منجانب عورت پردہ نشین کے تجویز کرے تو اسبات کا اطمینان کرلے کہ معاملہ کی توضیح اُس سے کی گئی تھی اور مسماۃ جانتی تھی کہ وہ کیا کرتی ہے"۔ اس مقدمہ کا حوالہ بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام اڈوکیٹ جنرل بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ مین دیا گیا۔ و نیز دیکھو بہاری لال بنام حبیبہ بی بی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۶۷۔

وقف کیا پہر اوسکے مالک سے اوسکو خرید اور ثمن دیدیا یا جو دیا ہے۔ اوسپر مالک سے صلح کر لی تو یہ اراضی وقف نہ ہوگی۔ اگر زید نے عمرو کی اراضی کسی کار خیر مین جو بیان کر دیا ہے وقف کر دی پہر اوس زمین کا مالک ہوگیا تو وقف جائز نہ ہوا اور اگر مالک نے اجازت دیدی تو ہمارے نزدیک وقف ہوگیا یہ فتاوی قاضی خان مین ہے۔ اگر زید نے عمرو کے واسطے ایک اراضی کی وصیت کی اور عمرو نے اوسکو فی الحال وقف کر دیا بعدہٗ زید مرا تو یہ زمین وقف نہ ہوئی۔ یہ فتح القدیر مین ہے۔ اگر کسی نے زمین خریدی بدین شرط کہ بائع کو بیع مین خیار ہے پہر اوسکو وقف کر دیا پہر بائع نے بیع کو پورا کر دیا اور اجازت دیدی تو وقف جائز نہ ہوا۔ یہ بحر الرائق مین ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو اراضی ہبہ کی اور موہوب لہٗ نے ہبہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اوسکو وقف کر دیا پہر اوسپر قبضہ کیا تو وقف صحیح نہین فتح القدیر مین ہے۔ اگر مال وقف مین کسی نے اپنا حق ثابت کیا تو وقف باطل ہے اور اگر مشتری کے وقف کرنے کے بعد اراضی و مکان موقوفہ کو شفیع نے شفعہ کر کے لے لیا تو وقف باطل ہوگیا۔ اگر مسلمان مرتد ہوگیا تو اوسکا وقف باطل ہوگا اور یہ مال میراث ہوجائیگا خواہ وہ اپنی ردت پر قتل کیا گیا ہو یا مر گیا یا اسلام مین لوٹ آیا ہان اگر اوس نے اسلام کی طرف عود کرنے کے بعد دوبارہ وقف کیا تو جائز ہوگا جیسے امام خصاف نے اخیر کتاب مین توضیح کی ہے۔ مرتدہ عورت کا وقف صحیح ہے اسواسطے کہ وہ قتل نہین کیجاتی۔

موقوف مین کسی غیر کا حق وقف کے واسطے یہ شرط نہین ہے کہ جس مال کو وقف کرنا منظور ہو اوسمین کسی غیر کا حق متعلق نہ ہو مثلاً اگر زمین رہن ہے یا کسی میعاد معین کے لیے اجارہ پر ہے تو قبل فک الرہن کرانے کے و قبل منقضی ہونے میعاد اجارہ کے اوس زمین کو وقف کر دیا وقف لازم ہوگا اور وقف کی وجہ سے وہ زمین رہن سے خارج نہ ہوگی و نہ اوسکا اجارہ باطل ہوگا بلکہ بعد فک الرہن کرانے کے و بعد گذرنے میعاد اجارہ کے وہ زمین جہات وقف مین داخل

ہوگی۔ اگر رہن فک کرانے سے پہلے راہن مرگیا اور اس قدر مال چھوڑا جس سے رہن فک ہوسکے تو زمین مفک الرہن کرائی جائیگی۔ اور وقف لازم ہوگا و اگر اوس قدر مال نہ چھوڑا تو زمین فروخت کی جائیگی اور وقف باطل کیا جائیگا۔

مقروض وقف کر سکتا ہے یا نہین۔

یہ بھی شرط ہے کہ وقف کرنے والا بسبب سفاہت یا قرضہ کے مجور نہ ہو یعنی ممنوع از تصرف نہ ہو امام خصاف نے اسیطرح مطلقاً بیان کیا ہے۔ اگر سفاہت کی وجہ سے مجور ہونے[۵۱] کی حالت مین اپنے اوپر وقف کیا پھر ایسی جہت پر وقف کیا جو منقطع نہین ہوتی یعنی ہمیشہ برابر جاری ہے تو چاہیئے کہ امام ابویوسف کے نزدیک صحیح ہووے اور ان محققین کے نزدیک صحیح ہے اگر کسی حاکم نے اوسکے صحیح ہونیکا حکم دیدیا تو کل اماموں کے نزدیک صحیح ہوگا یہ فتح القدیر مین ہے۔

درالمختار مین ہے کہ وہ راہن مفلس کا اور اُس مریض کا جو قرضہ مین مستغرق ہو وقف کرنا باطل ہے۔ علامہ طحطاوی اپنی شرح درالمختار مین لکھتے ہین وہ اگر مریض مرض الموت نے درحالیکہ وہ قرض مین مستغرق ہے وقف کیا تو فقہاء کے نزدیک ایسا وقف منسوخ کیا جائیگا اور جائداد کو فروخت کر کے قرض ادا کیا جائیگا۔ لیکن اگر وقف حالت صحت مین کیا گیا قبل اسکے کہ قاضی نے اوسے مجور قرار دیا ہے تو یہ لازم ہوگا گو قرضہ واقف کی جائداد کو محیط ہی

---

[۵۱] مجور قرار دئے جانے کی کارروائی مشابہ اوس کارروائی کے ہے جسمین کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جاتا ہے اگر کسی شخص کا قرض خواہ یا اوسکے عزیز واقارب قاضی سے اس امر کی شکایت کرین کہ وہ شخص مسرف ہے اور کاروبار کرنے کی لیاقت نہین رکھتا اور یہ شکایت قاضی کے نزدیک ثابت ہوئی تو قاضی اوس شخص کو مجور قرار دیگا یعنی آیندہ وہ شخص قرض لینے اور جملہ اقسام کے کاروبار کرنے سے ممنوع کیا جائے گا اور اوسکی جائداد و تجارت کے انتظام کے واسطے قاضی کسی شخص کو مقرر کریگا۔

کیون نہ ہو اور استحساناً ایسے وقف کو منسوخ نہین کر سکتے۔ ایسے ہی فتح القدیر مین بھی مذکور ہے۔ دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۹۲ء سے شرح محمدی کے احکام مین کچھ تغیر و تبدل نہین ہوا۔ (دیکھو دفعہ ۲ فقرہ (د)) اسلیے اگر کوئی شخص جو دیوالیہ نہین ہے اپنی کوئی جائداد وقف کرے تو اوسکے قرض خواہان مابعد کو یہ حق نہین ہے کہ اوس وقف پر معترض ہون۔ اور نہ جائداد مذکور کے خریدار مابعد کو وقف کے منسوخ کرانے کا حق ہے۔ کیونکہ جب جائداد ایک بار وقف ہو گئی تو پھر وہ واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی اور اوسکو جائداد پر قرض لینے کا یا اوسکو فروخت کرنے کا کچھ اختیار نہین ہے جیسے ایک اجنبی شخص کو نہین ہے۔

وقف بحالت مرض الموت سید امیر علی لکھتے ہین اگر کسی نے مرض الموت مین وقف کیا تو وہ مثل وصیت کے متصور ہو کر واقف کے ترکہ کے ایک ثلث تک صحیح ہوگا۔ لیکن اگر وقف کرنے کے بعد مریض کو اوس مرض سے صحت ہو گئی تو کل وقف صحیح ہوگا۔ ردالمختار مین ہے کہ وہ مریض کا وقف مثل مریض کے ہبہ کے ہے یعنی واقف کی جائداد کے ایک ثلث کی بابت وہ وقف صحیح ہوگا۔ لیکن اگر وارث لوگ اجازت دیدین تو کل وقف صحیح ہوگا۔ واگر بعض وارث اجازت دین تو اونکے حصہ کی بابتہ وقف صحیح ہوگا۔

وقف بالوصیت اگر کسی شخص نے وقف بالوصیت کیا یعنی ایسا وقف جسکا انفاذ واقف کے مرنے کے بعد موقوف رکھا گیا ہے تو وہ بھی واقف کے ترکہ مین صرف ایک تہائی تک جائز ہوگا لیکن اگر وارثون نے اجازت دیدی تو کل وقف صحیح ہوگا۔

واقف کسی حالت مین اپنے وقف کو منسوخ نہین کر سکتا۔ لیکن وقف بالوصیت مین واقف کو اختیار ہے کہ اپنی موت سے پہلے اوسے منسوخ کر دے۔

فصل سوم موقوف علیہم یا مصرف خیر

سید امیر علی نے موقوف علیہم کو مصرف خیر کے مضمون کو اسطرح شروع کیا اس فصل مین جس مضمون کا ذکر کیا جائے گا وہ قانون وقف کا سب سے مہتم بالشان مسئلہ ہے۔

اہل اسلام کے نزدیک قانون یعنی شریعت و مذہب مرادف الفاظ ہین اور باہم ایسے مخلوط ہین کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا بالکل غیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر جو امر کہ قانوناً یا شرعاً جائز ہے وہ داخل ثواب ہے اور جو امر کہ داخل ثواب ہے وہ قانوناً جائز ہے۔

مسلمانون کے جملہ مختلف مذاہب اسپر متفق ہین کہ وقف کسی خاص شخص یا اشخاص کے حق مین یا کسی مصرف خیر کے واسطے کیا جا سکتا ہے۔ حتی کہ ایسے اولاد کے فائدہ کے واسطے بھی ہو سکتا ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی ہے۔ اگر وہ شخص یا مصرف جسکے لیے وقف کیا گیا ہے وقف کرنے کے وقت موجود نہ ہو تو وقف مسکینون کے لیے ہوگا جو تمام وقف کے آخری مصرف ہین۔ بشرطیکہ کوئی اور دوسرا مصرف نہ بیان کیا گیا ہو الفاظ خیر و بر و احسان وغیرہ کا شرعی مفہوم اوس سے کہین زیادہ ہے جو اب تک تسلیم کیا گیا ہے۔ ان الفاظ مین وہ تمام نیک و مذہبی اغراض شامل ہین جو مذہب اسلام و شرع اسلام مین خیر و ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے کسی کام کے کار خیر و ثواب ہونیکا معیار یہ ہے کہ اوس سے خوشنودی خدا حاصل ہو۔ تمام وجوہ الخیر جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو یا اونسے قربت خدا حاصل ہو شرعاً مصرف وقف ہو سکتا ہے۔ خود اپنی ذات یا اپنی اولاد یا اپنے عزیز و اقارب کی پرورش کا انتظام کرنا ویسے ہی کار خیر

و ثواب ہے جیسا کہ مساکین وغیرہ کے لیے وقف کرنا - یہ اصول مذہب اسلام و تعلیم
رسول پر مبنی ہے - شرع محمدی مین دوسرا امر لایق غور یہ ہے کہ تمام وقف خواہ کسی غرض
کے لیے کیا گیا ہو درحقیقت بندگانِ خدا کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے - شرع اسلام کا
اصل موضوع بندگان خدا کی حاجت روائی اور اونکو فائدہ پہونچانا ہے - مسجد کے لئے
وقف ہوتا ہے لیکن مسجد کی غرض یہ ہے کہ بندگانِ خدا اوسمین عبادت کرین - وقف مدرسہ
کے لئے ہوتا ہے جسکا مقصود طلبا کو علم پڑہانا ہے خانقاہ کے لئے وقف ہوتا ہے
جسکی غرض یہ ہوتی ہے کہ مخصوص قسم کے انسان اوسمین خدا کی پرستش کرین - اس سے
ثابت ہوا کہ وقف کا مصرف فی الحقیقت بندگانِ خدا کو روحانی و مذہبی و اخلاقی و دنیوی
فائدہ پہونچانا ہے - رسول مقبول کے اس مختصر مگر بامعنی جملہ کا کہ "مال عین کو ملک
اللہ تعالیٰ پر اسطرح حبس کرو کہ اس مال عین کی منفعت بندون کیطرف عود کرتی رہے"
یہی معنی ہین - وقف چاہے کسی غرض کے لیے کیا گیا ہو اوسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مال عین
تو اللہ تعالیٰ کی ملک مین حبس کیا جاتا ہے اور صرف اوسکی منفعت بندگانِ خدا کے فائدہ
مین صرف ہوتی ہے - مولویون نے مقدمہ محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ [۹۱] نقط وقف
کی جو تعریف یہ لکھی تھی کہ "کسی مال مین اپنے حق ملکیت سے دست برداری کرکے اوسکو
خدا کی راہ مین اسطرح دینا تاکہ انسان کو اوس سے فائدہ پہونچے" اون مولویون کی طبعزاد
تعریف نہ تھی بلکہ شرع محمدی کے موافق تھی اور اس تعریف کو اون تشریحات کے ساتھ
پڑہنی چاہیے جو کتب فقہ مین درج ہین -
وقف "مخصوص بعبادتِ خدا" کا وجود مذہب اسلام مین کہین نہین پایا جاتا - اور یہ ایک
بے معنی جملہ ہے - انسان کی حاجت روائی و بندگانِ خدا کو فائدہ پہونچانا (منجملہ عبادات)

[۹۱] سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۷ -

خدا کی بہت بڑی عبادت ہے تمام چیزین جو خدا کی راہ مین وقف کیجاتی ہین اون سے درحقیقت انسان کی بہبودی مقصود ہوتی ہے اور تمام وقف جو بندگان خدا کے فائدہ کے لیے کیا جاتا ہے وہ خدا کی عبادت ہے۔ ہر قسم کا کار ثواب خدا کی عبادت مین داخل ہے اپنے والدین کی یا اپنی اولاد کی یا اپنے محتاج عزیز و اقارب کی پرورش کرنی یہ سب داخل عبادت ہین۔ وقف کا مقصود قربت خدا ہے۔ نماز حصول قربت و عبادت کی ایک شکل ہے۔ اس مضمون کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ اسلئے بیان کیا گیا تاکہ اوس سے ظاہر ہو کہ ذی علم حکام بمبئی نے بمقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسن میان رحمت اللہ[۵۱] یہ تجویز کی کہ "وہ صحیح وقف ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ وقف مخصوص لعبادت خدا ہو" اس جملہ کا مفہوم مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے اگر یہ رائے صحیح ہے تو امام باڑہ کا وقف خانقاہ کا وقف اور درگاہ کا وقف سب ناجائز ہین۔

فصل چہارم اپنی ذات و اولاد پر وقف کرنا

فتاوی عالمگیری۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ اراضی میری ذات پر وقف ہے تو قول مختار کے موافق یہ وقف جائز ہے۔ و اگر کہا کہ مین نے وقف کیا اپنی ذات پر بعد اپنے فلان پر پھر بعد اوسکے فقیرون پر تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے و اگر کہا کہ میری اراضی وقف ہے فلان پر و بعد اسکے مجھ پر یا کہا کہ مجھ پر و فلان پر یا کہا کہ میرے غلام و فلان پر تو مختار یہ ہے کہ صحیح ہے۔

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ بمبئی صفحہ ۱۰۔

در المختار ہے " امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے کہ واقف اپنی ذات کے لیے آمدنی وقف اور اوسکی ولایت کو مقرر کرے اور اسی پر فتوی ہے "

ہدایہ ۔ قدوری نے فرمایا کہ اگر وقف کرنے والے نے حاصلات وقف کو اپنی ذات کے واسطے رکھا یا ولایت وقف اپنے واسطے رکھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے

دلیل امام محمد | وقول محمد پر قیاس کرنے سے نکلتا ہے کہ امر اول یعنی حاصلات کا اپنے لیے شرط کرنا نہیں جائز ہے اور یہی قول ہلال رازی و امام شافعی کا ہے خواہ کل حاصلات کی شرط کی یا بعض کی اسمین کچھ فرق نہین ۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف ایک احسان بطور مالک کر دینے کے بغرض حصول تقرب بجناب آلہی ہے تو اسمین بعض یا کل حاصلات کا اپنی ذات کے واسطے شرط کرنا وقف کو باطل کریگا کیونکہ یہ ایسا ہو گیا جیسے فقیر کو کچھ مال بطور صدقہ اس شرط پر دیا کہ اسمین سے کچھ میرے واسطے ہے یا جیسے کوئی مسجد اس شرط سے بنائی کہ اوسکا کوئی حصہ اوسکی ذات کے لیے ہے (حالانکہ یہ دونون باطل ہین) تو وقف بھی باطل ہوگا ۔

دلیل امام ابو یوسف | امام ابو یوسف کی دلیل وہ حدیث ہے کہ آنحضرت اپنے صدقہ ین سے یعنی وقف مین سے کہاتے تھے حالانکہ وقف سے کہانا حلال نہین مگر شرط کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ شرط کر لینا صحیح ہے ۔ اور اس دلیل سے کہ وقف کے معنی تقرب کے طور پر اپنی ملکیت زائل کر کے اللہ تعالی کی ملک مین دینا ہے ۔ پس جب اوسنے بعض یا کل حاصلات اپنی ذات کے لیے شرط کی تو جو چیز اللہ تعالی کی ملک ہو گئی تھی وہ اپنی ذات کے واسطے شرط کی اور یہ نہین کہ اپنے ملک کو اپنے واسطے کر لیا اور اللہ کی مملوک چیز کو اپنے لیے شرط کرنا صحیح ہے ۔ جیسے کوئی سراے وسقایہ بنائے یا قبرستان بناے اور یہ شرط کی کہ اس سراے مین خود بھی اوترے گا یا اوس سقایہ سے خود ہی پانی پیئے گا یا اوس مقبرہ مین

اپنا مردہ دفن کرے گا تو یہ سب جائز ہے۔ اور اس دلیل سے کہ اوسکا مقصود تقرب ہے
اور اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی یہ بات حاصل ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا
کہ آدمی کا اپنی ذات پر خرچ کرنا یا اپنی زوجہ و اولاد و خادم پر صرف کرنا اوسکے واسطے صدقہ
ہے۔

درمختار ردالمحتار مواہب کی عبارت یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے ولد اور اپنی نسل اور اپنے
عقب کے وقف میں اس صورت میں آمدنی وقف کی اپنی ذات کے واسطے اپنی حیات مین
ٹھہرایا پھر اسیطرح درجہ بدرجہ تو یہ صحیح ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

فتاوی عالمگیری۔ اگر واقف نے کہا کہ صدقہ موقوفہ خدا کے واسطے ہے اور جب تک
مین زندہ ہون اوسکا غلہ مجھپر جاری رکھا جاوے اور اوس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو جائز ہے
اور جب وہ مرجائیگا تو اوسکی آمدنی فقیرون پر صرف ہوگی۔ واگر کہا کہ میری یہ اراضی صدقہ
موقوفہ ہے کہ جب تک مین زندہ ہون اوسکی آمدنی مجھپر جاری رہیگی پھر بعد میرے موت کے
میرے فرزند اور میرے فرزند کے فرزند اور اونکی نسل پر جب تک اونکی نسل رہے جاری
رہیگی پھر جب یہ سب گذر جائین تو یہ مساکین پر صدقہ ہوگی تو یہ بھی جائز ہے۔ ایک نے فقیرون
پر وقف کیا اور یہ شرط کی کہ وقف کنندہ کو اختیار ہے کہ جب تک زندہ ہے خود کھائے و کھلائے
پھر جب مرجاوے تو اوسکے فرزند کی ہو اور اسیطرح اوسکے فرزند کے فرزند کیواسطے جب تک
نسل باقی رہے تو یہ شرط جائز ہے۔ اور اسکو شیخ شمس الائمہ حلوائی و صدر حسام الدین نے
لیا ہے سراجیہ۔ اور اگر یہ شرط کی کہ مجھے اختیار ہے کہ اسمین سے اپنی ذات پر اور اپنے
فرزند پر خرچ کرون اور اسکی آمدنی سے اپنا قرضہ ادا کرون پھر جب مجھے حادثہ موت پیش
آوے تو اسکی آمدنی واسطے فلان بن فلان کے اور اوسکے فرزند و اوسکی نسل و اوسکے عقب
کے ہوگی یا جو اوسنے فلان مذکور کے واسطے شرط کیا ہے وہ پہلے بیان کیا ہے اور جو اپنے

واسطے شرط کیا ہے وہ پیچھے بیان کیا تو امام خصاف نے فرمایا کہ یہ اسکی شرط پر جائز ہے اور تقدیم تاخیر بھی بنا بر قول امام ابو یوسف کے یکسان ہین۔ سید امیر علی نے اپنی شرع محمدی مین بہت سی مستند کتابون سے جستہ جستہ فقرہ امام ابو یوسف کے قول کی تائید مین نقل کئے ہین جن سب کا ترجمہ کرنا خالی از طوالت نہین۔

ڈیوڈم جان بی بی بنام عبد اللہ حجام۔

بمقدمہ ڈی اوڈم جان بی بی بنام عبد اللہ حجام[۱] حکام نے یہ تجویز کی کہ مسلمان حنفی المذہب مین امام ابو یوسف کا قول مثل قانون تسلیم کیا گیا ہے شیعہ وشافعی المذہب حنفیون سے اس امر مین اختلاف رکھتے ہین۔ حنفیون کے صحیح و مسلمہ اصول کے مطابق واقف اپنی تمام عمر کے لیے جائداد موقوفہ کا کل محاصل اپنی ذات خاص کے فائدہ کے واسطے مخصوص کرسکتا ہے۔ لیکن شیعہ و امام شافعی کے نزدیک واقف اگر متولی ہے تو صرف اوسی قدر حق الخدمت پائیگا جو متولی کو ملیگا امام محمد کا قول بھی ایسے ہی ہے جیسے شیعہ وشافعی کا یعنی اونکے نزدیک واقف کو حق نہین کہ کل حاصلات وقف کو اپنی تمام عمر کے لیے اپنے فائدہ مین صرف کرے گا لیکن اپنی اولاد کے واسطے وقف کرنے کے جواز مین کسی قسم کا کوئی اختلاف نہین ہے جملہ مختلف المذاہب اور فقہا اوسکے جواز کو تسلیم کرتے ہین جیسا کہ اسناد مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ مختلف مذاہب یا امام ابو یوسف ویا امام محمد کے نزدیک اگرچہ اختلاف ہے تو اس امر مین ہے کہ واقف اپنی ذات کے واسطے وقف کی آمدنی مخصوص کرسکتا ہے یا نہین۔

فتاوی عالمگیری۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میرے اس فرزند پر جو پیدا ہو حالانکہ اوسوقت اوسکا کوئی فرزند موجود نہین ہے تو یہ وقف صحیح ہے پھر جب حاصلات آئینگی تو فقیرون کو تقسیم کیجائیگی اور پھر اگر بعد مین اوسکے فرزند پیدا ہوا تو اوسکے بعد جو حاصلات آئیگی وہ اوسکے فرزند کو ملا کریگی جب تک وہ زندہ رہے پھر جب

[۱] قلٹن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۳۴۵۔

اوسکا کوئی فرزند باقی نہ رہیگا تو وقف کی حاصلات فقیرون پر تقسیم ہوا کریگی
فتاوی قاضی خان -
واگر کہا کہ مین نے اپنی اولاد پر وقف کیا تو اوس مین مذکر و مونث و خنثی سب داخل ہونگے
واگر پسران پر وقف کیا ہے تو اوسمین خنثی داخل نہونگے واگر دختران پر وقف کیا
ہے تو اوسمین بہی خنثی داخل نہ ہونگے اسواسطے کہ ہم نہین جانتے کہ یہ خنثی لڑکا ہے
یا لڑکی واگر لڑکے و لڑکیون پر وقف کیا تو خنثی داخل ہو جائینگے - سراج الوہاج -
پہر جہان اولاد کے واسطے استحقاق ثابت ہو وہان وہی اولاد داخل ہون گی جنکا
نسب اس وقف کنندہ سے معروف ہے اور جنکا معروف نہین ہے اور صرف وقف
کنندہ کے قول سے معلوم ہوا ہے وہ استحقاق مین اون لوگون کے ساتھ داخل نہ ہوگا -

| استحقاق کس وقت ثابت ہوتا ہے |

مشایخ نے اوس دن کی شناخت مین کہ جس روز آمدنی مین استحقاق
واجب ہوتا ہے اختلاف کیا ہے شیخ ہلالؒ نے بیان کیا ہے
کہ یہ وہ روز ہے جس روز حاصلات ایسی ہو گئی جسکی کچھ قیمت ہے اور یہ شرط نہین ہے
کہ خرچہ سے زائد کچھ قیمت ہو اور بعض نے فرمایا کہ یہ وہ روز ہے جس روز اوسکی قیمت ہوگئی
مگر اس حیثیت سے کہ خرچ و خراج وغیرہ مثل قرضہ کے جو غلہ پر واجب ہوا ہے ان سب کو
محسوب کرکے اسکی قیمت ہووے - محیط سرخسی - اور اسکو متاخرین مشایخ بخارا نے
اختیار کیا ہے - حاوی - اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری کانڑی دانہی اولاد پر
صدقہ ہے تو وقف ایسی ہی اولاد کے لیے ہوگا دوسرون کے واسطے نہ ہوگا اور اوسوقت
کے کانڑے دانہے کا اعتبار کیا جائیگا جو وقف کے دن تہے وہ حاصلات آنے
کے دن کانڑا او دانہا ہونا شرط نہین ہے واگر کہا کہ میری یہ زمین اولاد صغیر پر صدقہ موقوفہ
ہے تو صدقہ خاصۃً اولاد صغیر کے واسطے ہوگا اور استحقاق کے واسطے وہ معتبر ہوگا جو

وقف کے دن صغیر تھا اور یہ شرط نہین کہ غلہ حاصل ہونے کے وقت بھی نابالغ ہو ظہیریہ۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری اوس اولاد پر صدقہ موقوفہ ہے جو بصرہ مین سکونت پذیر ہے تو آمدنی اونہین کو ملیگی جو ساکن بصرہ ہون دوسرون کو نہ ملیگی اور بصرہ کی سکونت غلہ حاصل ہونے کے روز معتبر ہوگی۔ فتاوی قاضی خان۔ حاصل یہ ہے کہ اگر استحقاق ایسی صفت سے مشروط ہو جو زایل ہو جاتی ہے اور پھر عود کر سکتی ہے تو اوس صفت کا حاصلات وقف کے آنے کے دن ثابت ہونا استحقاق کے لیے شرط ہے۔ محیط۔ اگر کہا کہ جو شخص میری اولاد مین سے مسلمان ہو جائے۔ یا جو شخص نکاح کرے اوسپر وقف ہے تو وہ شخص داخل ہوگا جو وقف کے بعد مسلمان ہووے یا نکاح کرے اور وہ داخل نہ ہونگے جو وقف کے وقت مسلمان تھے یا اونکا نکاح ہوگیا تھا۔ اگر وارثان زید پر وقف کیا اور زید ہنوز زندہ ہے تو اوسکے وارثون کو کچھ نہ ملیگا اور کل آمدنی فقیرون کے واسطے ہوگی پھر اگر زید مرگیا تو آمدنی اوسکے وارثون کے درمیان اونکی تعداد پر تقسیم کیجائیگی۔ عورت و مرد سب مساوی پائینگے پھر اگر ان مین سے بعض مرگئے تو اونکا حصہ ساقط ہو جائیگا اور جو لوگ آمدنی حاصل ہونے کے وقت موجود ہون اونہین مین تقسیم ہوگا۔ و اگر ان مین سے ایک ہی باقی رہے گا تو نصف اوسکا ہوگا اور باقی نصف فقیرونکا۔ حاوی۔

وقف ہلال مین مذکور ہے کہ اگر کسی نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور وقف مین ذکر کیا کہ یہ وقف ہے میری حیات مین اور بعد میری وفات کے تو اوسکا بعد میری وفات کے کہنا کچھ موجب فساد نہ ہوگا اور یہی اصح ہے اور یہ نہ ہوگا کہ اس قول سے یہ وقف وارثون کے واسطے وصیت ہوتا قرار دیا جائے بلکہ اسپر محمول ہوگا کہ اوس نے تابید یعنی ہمیشہ ایسا رکھنے کا قصد کیا ہے۔

مرض الموت کا وقف

سید امیر لکھتے ہین۔ اگر مرض الموت کے مریض نے اپنے ولد و ولد کے ولد کے لیے ہمیشہ کے واسطے جب تک اوسکی نسل مین کوئی شخص زندہ رہے اپنی زمین وقف کی تو یہ وقف وارثون کے حق مین صحیح نہ ہوگا لیکن ابوحنیفہ وابو یوسف وزفر حمن کے نزدیک غیر وارثون کے حق مین ایک ثلث کی نسبت یہ وقف صحیح ہوگا کیونکہ مریض کا وقف مثل وصیت کے ہے اسلیے اگر وہ ایک ثلث سے برآمد ہوتا ہے تو غیر وارثون کے واسطے صحیح ہوگا۔

اگر دو یا زیادہ اشخاص کے حق مین وقف ہے تو اون لوگون کو یہ حق نہین ہے کہ جائداد موقوفہ کو اپنے درمیان مطابق اوس حصہ کی جو اونکو محاصل مین تھا تقسیم کرلین۔ لیکن متولی کو اختیار ہے کہ واقف کی شرائط کے بموجب زمین وقف کی کاشت کرنے یا مکان وقف کے قبضہ کی نسبت جو مناسب خیال کرے انتظام کرے۔

فصل پنجم اپنی ذات و اولاد پر وقف کرنا

سید امیر علی جلد ا صفحہ ۲۳۶ لغایتہ ۲۵۶۔ اپنی ذات و اولاد کے لیے وقف کرنے کے متعلق اس قدر صاف وصریح سند کی موجودگی مین یہ امر بہت تعجب خیز ہے کہ اس ملک کی عدالت ہائے دیوانی نے اسکے بالکل خلاف راے قایم کی ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے اس مسئلہ کے متعلق سب سے آخری فیصلہ مین یعنی بمقدمہ راسمایا دہر چودھری بنام ابوالفتح محمد اسحاق[۹۱] یہ تجویز کی ہے اور

[۹۱] کلکتہ جلد ۱۸ صفحہ ۱۷۸ و اردو صفحہ ۳۹۹۔ اس سے بمقدمہ میر محمد اسرائیل خان بنام شاشنی چرن گھوس کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۱۲ مین اختلاف کیا گیا۔ آخر الذکر مقدمہ مین امیر علی صاحب جسٹس نے باتفاق اپنے ہم جلیس کے یہ تجویز کی کہ وقف مین مذہبی و خیراتی اغراض کی تعبیر شرع محمدی کے مطابق ہونی چاہیئے۔

امر کہ وقف کسی اتفاق غیر معین پر منحصر نہ ہونا چاہیئے مثلاً امکاناً معدوم ہوجانا خاندان واقف کا زمانہ حال مین ہائیکورٹ مدراس نے بمقدمہ یا تھوکٹی بنام اناتھالاکٹی صحیح طور پر قرار پایا ہے[۹۱]" بہ تعظیم راے حکام کے ہم کہتے ہین کہ یہ راے شرع محمدی کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر وقف مین کسی شرط کے تعلیق کی گئی ہے تو وہ وقف ناجایز ہے۔ اس قسم کی تعلیق کی مثالین کتب فقہہ مین کثرت سے موجود ہین۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرا لڑکا کل آئے یا میرا جہاز بصرہ سے آیندہ جمعہ کے روز آسکے تو یہ میرا مکان وقف ہے" تو اس صورت مین وقف مین ایک شرط کی تعلیق کی گئی ہے جو ممکن ہے کہ واقع ہو یا نہ ہو یعنی یہ ممکن ہے کہ لڑکا کل آئے یا نہ آئے یا جہاز جمعہ کو آئے یا نہ آئے ان صورتون مین تاوقتیکہ وہ شرط جسکے ساتھ وقف مشروط کیا گیا ہے نہ پائی جاے وقف بالکل بے اثر کہا گیا ہے۔ لیکن چونکہ شرط کا وقوع مین آنا بالکل غیر یقینی ہے اس لیے ایسے وقف کو ناجایز قرار دیا گیا ہے کیونکہ منجملہ شرایط وقف کے ایک یہ بھی ہے کہ اسکا نفاذ فوراً ایسے مصرف مین کیا جاے جو شرعاً داخل گناہ نہین ہے یا اگر وقف بذریعہ وصیت کیا گیا ہے تو اوسکا نفاذ واقف کی موت کے بعد ہی ہونا چاہئیے۔ جب وقف مین شرط کی تعلیق کا (جسکو اتفاق غیر معین پر منحصر ہونا مترجمان انڈین لارپورٹ نے ترجمہ کیا ہے) وہ مفہوم ہے جو اوپر بیان ہوا تو یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اس قاعدہ کو اپنی اولاد کے حق مین وقف کرنے سے کیا تعلق ہے۔ اپنی اولاد یا نسل پر بلکہ خود اپنی ذات پر خرچ کرنا سبب قربت الٰہی ہے۔ فقرا یا مساکین کا ذکر کرنا امام محمد کے نزدیک بغرض جواز وقف ضرور نہین ہے بلکہ اوس وقف مین دوامی وصف پیدا کرنے کے واسطے ضرور ہے کیونکہ انسان فانی ہے اور وقف کا دایمی ہونا لازم ہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ شرط

---

[۹۱] مدراس جلد ۱۳ صفحہ ۶۶

لازمی ہے کہ یا تو فقرا صاف طور پر بیان کیے گئے ہون یا لفظ صدقہ سے ضمناً ایسا مفہوم ہوتا ہو۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک خواہ لفظ مساکین وفقرا بیان کیا گیا ہو یا نہ وخواہ لفظ صدقہ استعمال ہوا ہو یا نہ۔ صرف لفظ وقف سے ہمیشگی مفہوم ہوتی ہے اور اس وجہ سے تا وقتیکہ کوئی دوسرا مصرف نہ بیان ہو واقف کے خاندان کے معدوم ہونے پر وقف کی آمدنی مساکین پر صرف کیجائیگی اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ لہذا جواز وقف مین کوئی گفتگو نہین ہے۔ فقرا کے ذکر کرنے سے فی نفسہ وقف کے جواز مین کمی بیشی نہین ہوتی اس سے صرف ہمیشگی کی صفت پیدا کرنی منظور ہوتی ہے جو شرعاً ضروری خیال کی گئی ہے۔ ہائی کورٹ نے مقدمہ مذکورہ بالا مین جو راسے ظاہر کی ہے اوس سے صاف پایا جاتا ہے کہ شرع مین وقف معلق کا جو مفہوم ہے وہ صحیح طور پر نہین سمجھا گیا اور دوسرے یہ خیال کیا گیا ہے کہ اخیر مین جو مساکین پر وقف کیا گیا ہے وہی اصلی وقف ہے۔ اس تجویز کے پڑھنے سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ الفاظ مذہبی وخیراتی کے متعلق کرنے مین سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ ریان صاحب چیف جسٹس کی تجویز بمقدمہ ددوی جان بی بی بنام عبداللہ حجام کو حوالہ دیتے وقت ذی علم حکام تحریر کرتے ہین کہ "اس تجویز سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلجات مقدمات عبدالغنی بنام حسن میان رحمت اللہ[۵۱] و محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق[۵۲] مین اس امر کی تجویز کرنے مین حد سے زیادہ تجاوز کیا گیا کہ وقف جائز شروع سے محض وتنہا اغراض مذہبی وخیراتی کے لیے ہونا چاہیے لیکن تجویز مذکور سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ فیصلجات مذکور مین یہ تجویز غلطی سے کی گئی کہ اغراض اولین واصلی اوس قسم کی ہونی چاہیے" اور بعد اوس کے لکھتے ہین "کہ وہ تمام مقدمات جن مین انتظام آخر الذکر (یعنی کل یا جز و حاصلات وقف

[۵۱] بمبئی ہای کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ [۵۲] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۹۴ ۔

کو واقف کے خاندان پر صرف کرنا منظور کیا گیا تھا ایسے مقدمات سے جنہیں اوّل درجہ ظاہری و اصلی غرض وقف کی مذہبی یا خیراتی تھی " ان دونون فقرون مین الفاظ مذہبی، و خیراتی کے متعلق کرنے مین صریح غلطی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اپنے انگریزی معنون مین استعمال کیے گئے ہین اور اون معنون مین نہین جنکے لیے شرع مین یہ الفاظ موضوع ہوئے ہین۔ ان الفاظ کو مسٹر ہملٹن نے اپنے ہدایہ کے ترجمہ مین غلط طور پر استعمال کیے ہین حالانکہ شرع محمدی مین ان کا کہین وجود تک بھی نہین ہے شرع محمدی مین ثواب کا ہر کام وقف کا جائز مصرف ہے۔ مذہب حنفی مین جسکے مطابق ذی علم حکام اس مقدمہ کی تجویز کرنے مین مشغول تھے یہ بات صاف طور پر بیان ہوئی ہے کہ خود اپنی ذات پر کچھہ خرچ کرنا کار ثواب ہے۔ اور اپنی اولاد و اقربا کے معاش کے لیے کچھہ مقرر کیا تو اسکے کار ثواب ہونے مین جملہ فقہاء و مختلف مذاہب مین کسی قسم کا اختلاف نہین ہے۔ اس قسم کا کفاف شرع و دین اسلام کی رو سے ایسے ہی مذہبی و خیراتی اغراض مین داخل ہے جیسا کہ مساکین کے لیے وقف کرنا۔ لفظ خیراتی صرف اونہین اغراض مین محدود کرنا جیسا انگریزی زبان مین سمجھا جاتا ہے غلطی ہے۔ یہ خیال کہ مقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبد اللہ حجام " چونکہ منافع کی شرط خود واقف اور بعض ایسے اشخاص کے حق مین تھی جو اوسوقت موجود تھے " اور اس وجہ سے وقف کے جواز کا باعث ہوا کتب شرعی محولہ مولویون کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شرع محمدی کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر وقف ایسے اشخاص کے حق مین کیا جائے جو موجود ہین اور جو ہنوز پیدا بھی نہین ہوئے ہین تو اس سے جواز وقف پر کچھہ اثر نہین پڑتا۔ اس تجویز مین ایک اور فقرہ لایق غور ہے وہ یہ ہے " ہم باور نہین کر سکتے کہ مصنفان شرع محمدی کا یہ منشا رہا کہ خدا تعالی کے وقف کے حیلہ کے پردہ مین مالکان جائداد کو

یہ موقع حاصل ہو کہ وہ جائداد کو اپنے استعمال مین لائین اور اوسکو ہمیشہ کے لیے اپنے
و اپنی اولاد کے وایثون سے بچاوین اور اون انتقالات کو مسترد کردین جنکی بابتہ اونھون
نے پورا معاوضہ پایا ہے ؎ پھر ہم نہایت ادب و تعظیم سے کہتے ہین کہ اس جملہ کا
اصل مفہوم سمجھنا مشکل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی وقف کی نوعیت
و شرعی نتایج کے سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے - شرع محمدی مین اپنی یا اپنی اولاد
یا اپنے اقربا کی پرورش کا انتظام کرنا داخل ثواب ہے اور وقف کا صحیح مصرف ہے
لفظ حیلہ جب انتقال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے خواہ وہ انتقال بذریعہ بیع ہو یا ہبہ ہو
یا وقف ہو تو ہماری سمجھ مین اسکے یہ معنی ہوتے ہین کہ گو ظاہر مین انتقال ہوا ہے
مگر درحقیقت منتقل کنندہ نے اپنے حق ملکیت کو منتقل نہین کیا ہے - فرضی ہبہ کے
یہ معنی ہین کہ گو واہب نے اپنی جائداد کا ہبہ کیا مگر باوجود اسکے وہ اپنی جائداد کا مالک
ہے - اگر اس قسم کے ہبہ مین حوالگی بھی وقوع مین آئی ہو تو وہ مخفی طور پر واہب کا
امین ہے - اسیطرح نمائشی بیع یا نمائشی وقف مین بایع یا واقف اپنی حق ملکیت
کو زائل نہین کرتا - یعنی باوجود اس نمائشی بیع یا نمائشی وقف کے بایع و واقف پھر بھی
اوسکا مالک ہے - الفاظ فرضی یا نمائشی یا حیلتاً کا تعلق اسلامی وقف سے تقریباً
غیر ممکن ہے کیونکہ جب وقف ایکبار عمل مین آگیا تو اوس سے واقف کی ملکیت
کلیتاً زائل ہوجاتی ہے اور جائداد موقوفہ خدا کی معنوی ملک مین داخل ہوجاتی ہے
اگر وقف کرنے کے وقت واقف مقروض ہے تو اوس صورت مین وقف کا کیا نتیجہ ہوگا
اسکے لیے شرع نے الگ قواعد مقرر کیے ہین لیکن وقف کرنے کے وقت واقف
مقروض نہین ہے یا اوسکے پاس اور جائداد ہے جس سے قرضہ ادا ہوسکتا ہے تو
اس صورت مین قرضخواہون کو کوئی حق نہین ہے کہ جائداد موقوفہ سے اپنا قرض وصول

کرین کیونکہ وہ جائداد اب اوسکے مدیون کی ملکیت مین نہین رہی اگر اوسکا مدیون جائداد
موقوفہ کے محاصل مین کوئی حق رکھتا ہے تو اوس حق سے مدیون کی حیات تک
اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے۔ اسیطرح اگر واقف کی اولاد کو محاصل وقف مین
وقف نامہ کی روسے کچھ حق حاصل ہے اور وہ مقروض ہین تو ویسے ہی کیا جائے گا
جیسے خود واقف کے ساتھ۔ لیکن نہ تو خود واقف و نہ اوسکے وارثون کو یہ اختیار
و منصب ہے کہ جائداد موقوفہ پر کوئی بار عاید کرین یا اوسکا کوئی جزو منتقل کرین خواہ
بعوض معاوضہ یا کسی اور طریق پر۔ اور شرایط وقف نامہ کے خلاف کسی اور طریق
پر جائداد موقوفہ کے ساتھ عمل کرنا داخل خیانت ہے۔ اسمین شبہہ نہین کہ ہائیکورٹ
نے جو رائے اس مقدمہ مین قایم کی ہے اوسکی تائید کسی قدر پریوی کونسل کی
نظیر بمقدمہ محمد احسن اللہ چودہری بنام امرچند کنڈو[۵۱] سے ہوتی ہے۔ لیکن اس
مقدمہ مین حکام عالی مقام پریوی کونسل نے کوئی عام اصول قرار دینے سے انکار
کیا۔ بلاشک حکام موصوف کے روبرو بحث مین کہا گیا تھا کہ اصل امر تصفیہ طلب
یہ تھا کہ "دستاویز وقف کی غرض اولین خیراتی تھی یا آنکہ اوسکا اصلی مقصود اپنے
اہل خاندان کی پرورش کا انتظام کرنا تھا" لیکن حکام موصوف نے اپنے فیصلہ
مین نہایت دور اندیشی سے فرمایا کہ "حکام عالی مقام مقدمہ ہذا مین یہ کوشش
نہین کرتے ہین کہ کوئی ٹھیک تعریف اس امر کی کرین کہ وقف جائز کس طرح پر ہوتا ہے

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸۔ اسکی تقلید بمقدمات بیکانی میان بنام سکہ لال
پودار کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ و میر محمد اسرائیل خان بنام ساشتی چرن گھوس کلکتہ جلد ۱۹
صفحہ ۴۱۲ و عبد الغفور بنام نظام الدین بمبئی جلد ۱۷ صفحہ ۱ و مرتضی بی بی بنام جمن بی بی
الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۱ مین ہوئی۔

یا یہ تجویز کرین کہ عطیہ کرنے والا کس حد تک اپنے اہل خاندان کی پرورش کے لیے عطیہ کو ایسی شرط سے مشروط کر سکتا ہے جس سے عطیہ کی نوعیت بطور ہبہ خیراتی کے زائل نہ ہو"

حکام عالی مقام نے جو الفاظ اپنی تجویز مین استعمال کیے ہین شاید اوسکی وہ تعبیر ہو سکتی ہے جو تعبیر اس ملک کی دیوانی عدالتین اب کر رہی ہین - لیکن اوس مقدمہ کے واقعات کسی قدر عجیب تھے - جس سے خواہ مخواہ انگریزی مقننان کے دلون مین شبہہ پیدا ہو سکتا تھا - اوس مقدمہ کی دستاویز وقف کے فقرہ (۸) کی رو سے متولی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی مرضی سے وہ اپنی تنخواہ مین اضافہ کر سکتا ہے - اس قسم کا اختیار دینا درحقیقت لایق اعتراض تھا اور شاید ناجائز تھا - لیکن وقف نامہ مین ناجائز شرط کے ہونے سے بموجب شرع محمدی کے وقف سرے سے باطل نہین ہو سکتا بلکہ خود وہ شرط باطل ہوتی ہے - گمان غالب یہ ہے کہ اگر صحیح اسناد حکام پریوی کونسل کے روبرو پیش کیجاتین تو حکام موصوف اس مقدمہ مین بالکل دوسری راے قایم کرتے - کیونکہ وے تحریر فرماتے ہین "بخلاف اسکے حکام ممدوح کو کسی سند کا حوالہ بہ ثبوت اس امر کے نہین دیا گیا اور نہ حکام ممدوح کو ملسکتی ہے کہ مطابق شرع محمدی کے عطیہ بطور وقف صحیح کے اوس صورت مین بھی جائز ہوتا ہے جب زیادہ تر حصہ جائداد موقوفہ کا کسی نہ کسی زمانہ مین خیراتی اغراض کے لیے مخصوص نہ کیا گیا ہو" اس قسم کے وقف کے (یعنی جب زیادہ تر حصہ جائداد موقوفہ کا خیراتی اغراض کے لیے مخصوص نہ کیا گیا ہو) جواز ثابت کرنے کے لیے معلوم ہوتا ہے کہ کسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا حالانکہ ایسا وقف بلا کسی اختلاف کے شرع محمدی کے مطابق صحیح ہے - کسی عربی کتاب کا حوالہ نہین دیا گیا اور مقدمہ کی بحث ہائیکورٹ کلکتہ و پریوی کونسل دونون عدالتون مین اس کلیتاً غلط خیال کی بنا پر کی گئی کہ وقف

کے صحیح وجائز ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ جائداد موقوفہ زیادہ تر ایسے خیراتی اغراض
کے لیے مخصوص کی گئی ہو جو مفہوم خیراتی اغراض کا انگریزی قانون مین ہے ۔ لفظ خیرات
(زیادہ صحیح ترجمہ صدقہ ہے) کا جو مفہوم شرع محمدی مین ہے وہ نہین بیان کیا گیا اور نہ یہ
دکھلایا گیا کہ بموجب شرع اسلام کے اپنے خاندان کی پرورش کا انتظام کرنا سب سے
بڑی خیرات ہے اور کسی جائداد کو اپنی اولاد کی پرورش کے لیے ''حبس کرنا'' ردالمختار کے
بموجب ''خیراتی اغراض کے لیے فی الحقیقت ویسے ہی وقف کرنا ہے گویا کہ وقف
کی ابتدا محتاجون ہی سے کی گئی'' نہ اون کتابون کے حوالہ سے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے
یہ بات دکھلائی گئی کہ اگر صاف الفاظ مین وقف کیا گیا ہے اور یہ نہ کہا گیا کہ ابتدائی مصرف
یا مصارف کے منقطع ہونے کے بعد یہ وقف محتاجون کیلئے ہے۔ تو اس سے جواز وقف پر کچھ اثر نہین
پڑتا کیونکہ شرع نے اس بات کو مان لیا ہے کہ وقف کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ وہ فقرا و مساکین کیطرف عود کرتا ہے۔ نہ یہ دکھلایا
گیا کہ ایسی اولاد کیلئے وقف کرنا جائز ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی ہے نہ یہ دکھلایا گیا کہ اگر وہ ابتدا سے مصرف
یا غرض جسکے لیے وقف کیا گیا ہے باقی نہ رہے یا کسی وجہ سے ناجائز ہو گئی تو جائداد
موقوفہ پھر واقف کی ملکیت مین واپس نہین آتی نہ اوسکے وارثون کو ملتی ہے بلکہ اوسکا
منافع پھر دوسرے مصرف مین جسکو واقف نے بتلایا ہو صرف کیا جائیگا و اگر کوئی اور
مصرف نہین بتلایا گیا ہے تو محتاج و مسکین پر صرف کیا جائیگا۔ مثلاً اگر وقف زید کی
اولاد کے لیے کیا گیا اور زید کے کوئی اولاد نہین ہے تو وقف کی آمدنی مساکین و فقرا کو
دیجائیگی جب تک کہ زید کے لڑکا نہین ہے اور جب زید کے اولاد ہوئی تو آمدنی وقف
کی اون اولاد کو ملیگی۔ یا مثلاً واقف نے اگر کہا کہ وقف زید کے لیے ہے اوسکے بعد عمر کے لیے
اور اگر وہ نہ ہو تو مساکین کے لیے۔ اس صورت مین اگر وقف کا نفاذ زید کے حق مین کسی وجہ
سے نہین ہو سکتا یعنی یہ کہ اگر وہ مر گیا یا وہ حربی ہے تو اس وجہ سے وقف باطل نہ ہوگا بلکہ

اوسکی آمدنی عمر کو ملیگی اور لبعدہ مساکین کو دیجاویگی۔

منظہر الحق بنام بہراج دیتارے مہا پتر

بمقدمہ منظہر الحق بنام بہراج دیتارے مہا پتر[۵۱] کیمپ صاحب جسٹس نے اپنی رائے اون اخراجات کے متعلق جو جائداد موقوفہ پر قایم کی گئی تھی حسب ذیل بیان کی ہے۔

"ہماری یہ رائے ہے کہ بموجب شرع محمدی کے وقف اوس صورت مین باطل نہین ہوجاتا جب جائداد کی آمدنی پر چند ایسی رقوم کا محض مطالبہ قایم کیا جائے جو کچہہ عرصہ مین اس وجہہ سے بالضرور زائل ہوجائے گا کہ وہ صرف ایک خاندان پر اور خاص اغراض کے لیے محدود ہے اور خاندان و اغراض مذکور کے نہ ہونے کی حالت مین جائداد کی کل آمدنی وقف کے اصل اغراض کے لیے مخصوص رہجائیگی۔ یہ جایز ہے کہ کوئی شخص اس طرح پر وقف کرے کہ اوسکی حاصلات سے وہ خود اپنی حیات مین متمتع ہو اور بعد اپنے مرنے کے فقرا و مساکین پر صرف کرنے کی ہدایت کرے۔ اصل مقصود شرع محمدی کا یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کا محاصل ایسے مصرف کے لیے وقف کیا جائے جسکا وجود ہمیشہ قایم رہے"

یہ رائے شرع محمدی کے اصول کے مطابق ہے۔ کیونکہ اوس صورت مین بہی جب وقف صرف فقرا و مساکین کے لیے کیا گیا ہو تو بموجب شرع محمدی کے واقف کو اسبات کا اختیار ہے کہ خواہ کل یا ایک جزو آمدنی وقف کو اپنے قرضہ کی ادایگی کے لیے مخصوص کرے یا محاصل وقف پر اپنی حسب خواہ کسی رقم کے ادا کرنے کا مطالبہ قایم کرے خواہ ایک معینہ زمانہ کے لیے یا ایک یا چند اشخاص کی حیات تک جنکی موت کے بعد پہر کوئی مطالبہ محاصل وقف پر نہ رہیگا۔ بلکہ وہ کلیتاً فقرا و مساکین کے حق کا ہوگا۔ اسطرح پر

---

[۵۱] ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۶۔

خیال کرنے سے مسٹر جسٹس کیمپ کی راے مسلمانون کے حنفی اصول کے مطابق ہے اور اس فیصلہ پر اس راے کی تائید مین استدلال نہین کیا جا سکتا کہ اگر واقف اپنے خاندان کے لیے وقف کرے تو شرع محمدی کے بموجب ایسا وقف ناجائز ہے۔ اگر اس تجویز کا یہ نتیجہ ہے جیسا کہ بعض وقت گمان کیا گیا ہے کہ اپنے خاندان کے حق مین وقف کرنا صحیح نہین ہے تو اسکی نسبت جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اوس صورت مین یہ تجویز بالکل اوس قانون کے خلاف ہے جس قانون کے مطابق عدالت کو معدلت گستری کرنی چاہیے تھی۔

محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق	محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق[۵۱] کا مقدمہ جیسا کہ ہمنے اوپر کہتے کی جرأت کی ہے شرع محمدی کے بالکل خلاف فیصل ہوا ہے

دستاویز وقف کا ضروری حصہ حسب ذیل تھا۔

مین نے بہ حقیقت اپنی نواسی جمیلہ خاتون عرف دولہی بی بی اور اوسکی اولاد اور اوسکی اولاد کی اولاد کے حق مین جب تک اوسکی نسل مین کوئی باقی رہے وقف کیا اور جب اونمین کوئی نہ رہے تو فقرا و مساکین کے حق مین۔

ظاہر ہے کہ یہ وقف شرع محمدی کے بموجب بالکل صحیح ہے۔ لیکن ذی علم ججون نے سب ترین تجویز کی وہ ہمارے روبرو لفظ وقف کی اصلی مفہوم کی نسبت بہت کچھ بحث کی گئی ہے اسمین شک نہین کہ بیلی صاحب و دیگر مصنفان شرع محمدی مثل میگناٹن و ہملٹن صاحب نے اس امر مین اختلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن ابو حنیفہ کی کتاب ہدایہ سے جو بہت بڑی مستند کتاب ہے اور خود ابو حنیفہ بلاشبہہ سنی المذہب تھے جس مذہب کے پیرو غلام شرف کے اہل خاندان ہین اور ابو حنیفہ کے شاگردون کے اقوال سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے

[۵۱] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۹۴ ۔

کہ اسناد کا پلہ اوس رائے کے حق مین بہت زیادہ جھکا ہوا ہے جو بمبئی ہائی کورٹ نے بمقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسین مرزا رحمت اللہ[1] قایم کی تھی یعنی "وقف کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ جائداد کا وقف صرف خدا کی پرستش کے لیے یا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے کیا جاوے"

"ابو حنیفہ ہدایہ جلد ۲ مین بلاشبہہ لکھتے ہین کہ وقف خیراتی اغراض کے لیے ہونا چاہیے - اس مقدمہ مین ظاہر ہے کہ بدر النسا کے حق مین جو وقف ہے وہ خیراتی وقف کی نوعیت کا نہین ہے - وہ از قسم تملیک بحق دختر ہے یعنی ایک ایسی جائداد کی تملیک ہے جو قابل وراثت تھی اور جو بدر النسا کی اولاد کو بہ تعین حصص دی گئی تھی - الفاظ صاف ہین - ہر دختر کو ہبہ دیا گیا - اور وقف نامہ کے الفاظ مین چار چار آنہ حصہ چارون کے واسطے وقف کیا گیا - اگر وقف مین اصولاً خیرات داخل ہے اور اگر آخری مصرف جائداد کا یعنی مصرف وقف کا ایسی شے کا ہونا ضرور ہے جو کبھی معدوم نہ ہوا اور وہ تمام اغراض مذہبی و خیراتی قسم کے ہون تو اس عطیہ مین یہ شرائط نہین پائی جاتین - اسلیے چار آنہ حصہ کا وقف جسکی بابت یہ اپیل ہے ناجائز ہے اور شرعاً ایسے وقف نہین کہہ سکتے" مگر اس بحث مین جو ہمارے روبرو پیش ہوئی ہے فی الجملہ زور ہے کہ اون عطیہ جات کو جو کسی شخص نے اپنی اور اپنی اولاد کے حق مین کیے ہون اکثر مفسرین شرع محمدی نے بطور عطیہ جات جائز کے وقف کے نام سے تصور کیا ہے مگر اس قسم کی تملیک شرع محمدی مین صدقہ کہلاتی ہے اور بظاہر جب اے بیلی صاحب کے جب کوئی شخص اپنی اولاد کے حق مین جائداد عطا کرے تو لفظ صدقہ کا استعمال ہونا ضروری - مگر ہمکو واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ دستاویز مورخہ یکم بھادون ۱۲۴۸ مین استعمال

[1] بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ -

نہین ہوا ہے مزید برآن اگر یہ امر فرض ہی کیا جاسے کہ شرع محمدی کے بموجب
اس قسم کے عطیہ جات وتملیک ہوسکتی ہین تاہم ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عطیہ
حال وقف کے اصول سے خارج ہے۔ حسب تصریح مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین
میان رحمت اللہ اصول تملیک اس حدیث پر مبنی ہے "جو شخص کہ اپنے اوپر صرف
کرتا ہے وہ گویا خیرات دیتا ہے" مگر یہ اصول ہملٹن صاحب کے نوٹ کے بموجب
صرف اوس صورت مین صحیح ہے[ف۱] جس صورت مین کوئی شخص اپنی کل جائداد کا عطیہ
کر کے اپنے تئین محتاج کر دے تو اوسکی نسبت خیرات ایسی ہی ہوگی جبکہ اوس نے
محاصل سے ضرورتاً اپنی مدد معاش کے واسطے کافی مقدار رکھلی ہو جیسے کہ کسی
دوسرے محتاج کے واسطے۔ پس حسب قول پیغمبر کے اگر کوئی شخص اپنی جائداد اپنے یا
اپنی اولاد کے حق مین وقف کرے تو اوسکے جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ واقف آپنے
آپ کو نہایت محتاجی کی حالت مین کر دے۔ مقدمہ حال مین یہ صاف ہے اور
طرفین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ کہ عطا کنندہ کے پاس علاوہ اوس جائداد کے جو
اس دستاویز مین مندرج ہے اور جائداد بھی ہے پس یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ بدرالنسا
نے یہ جایداد بطور مفلس کے پائی پس دونون طرح سے ہمکو واضح ہوتا ہے کہ عطیہ
ایک ربع حصہ یعنی ۴/۱ حصہ کا وقف جائز نہین ہو سکتا" ہم نہایت ادب سے
کہتے ہین کہ اس تجویز مین چند باتین غلط فرض کر لی گئین ہین۔ اول یہ بات فرض
کر لی گئی ہے کہ بیلی صاحب و دیگر مولفان شرع محمدی مثل میگناٹن وہملٹن کے درمیان
اختلاف ہے۔ میگناٹن نے شرع محمدی پر کوئی مفصل کتاب لکھنے کا کبھی دعویٰ نہین
کیا۔ اونھون نے صرف چند عام اور ابتدائی اصول اکٹھا کر دیے ہین جسکا کچھ حصہ

[ف۱] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۱۔

یا تو کلیتاً غلط ثابت ہوا یا ناکمل پایا گیا ہے۔ مسٹر ہملٹن نے عربی ہدایہ کو فارسی ترجمہ سے انگریزی میں صرف ترجمہ کر دیا ہے۔ اور اکثر ضروری فقرون کو ترک کیا ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ ہدایہ کو ابو حنیفہ کی تصنیف خیال کی گئی ہے اور حال یہ ہے کہ ابو حنیفہ اس کتاب کے لکھے جانے سے پانچسو برس پہلے مر چکے تھے۔

پھر اس رائے کی تائید مین کہ "وقف جائز ہونے کے لیے جائداد مذہب پرستش خدا یا اغراض مذہبی یا خیراتی کے لیے عطا ہونی چاہیئے" کوئی سند نہین پائی جاتی۔ صاحب ہدایہ نے اپنی اولاد کے حق مین وقف کرنے کے مضمون پر کچھ بحث نہین کی ہے کیونکہ اس امر مین امام ابو یوسف و امام محمد مختلف الرائے نہین تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ مصنف مذکور نے اس امر کو مسلمہ تسلیم کر کے رسول مقبول کی سند سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اگر واقف نے ابتداً اپنے لئے کوئی حق جائداد وقف مین مخصوص کر لیا ہے تو وقف صحیح ہے۔ مترجم۔ یعنی ہملٹن صاحب کے نوٹ کی تقویت پر اس اصول کے معنی غلط قایم کیے گیے ہین اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ اوس شخص کو یعنی واقف کو اپنے تیئن بالکل مفلس بنا لینا ضرور ہے۔ متن ہدایہ و رسول مقبول کی حدیث پر ہملٹن صاحب کی یہ شرح ہے جس شرح کو کبھی کسی مسلمان مقننن نے صحیح نہین مانا۔ رسول مقبول نے فرمایا ہے کہ "خود اپنی ذات پر خرچ کرنا صدقہ ہے" (جو بموجب انگریزی ترجمہ کے ایک فعل خیراتی ہے" ہونا چاہیے) عام اس سے کہ اوس نے اپنی کل جائداد وقف کر دی ہے یا صرف ایک جزو وقف کی آمدنی کو کلیتاً یا جزواً اپنے لیے مخصوص کرنا کار ثواب و تقرب الٰہی ہے۔ خود اپنے حق مین وقف کے جائز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ایک کار خیر ہے۔ یعنی خود اپنی ذات کی پرورش کا ذریعہ مہیا کرنا داخل ثواب ہے۔ مشرق مین مال و دولت کی بے ثباتی پر نظر کہکر یہ حکم دیا گیا کہ جب کوئی شخص خدا کی

حفاظت مین انسان کے فایدہ کے واسطے اپنی جائداد سپرد کرے تو وہ خود تنہا یا بشمول اورون کے اوس جائداد کے منافع سے جبکا امین خدا ہے فائدہ اوٹھا سکتا ہے۔ ذی علم ججون نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر اپنی اولاد کے واسطے کوئی ایسا انتظام ہوسکتا ہے تو وہ صرف اوسی صورت مین جب لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو یہ امر مسلم الثبوت اصول شرع محمدی کے خلاف ہے۔ نیز یہ راے کہ اولاد کے حق مین اگر وقف ہے تو اوسکی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ واقف اپنے آپ کو بالکل محتاج و مفلس کرلے۔ مستند کتابون کے بالکل خلاف ہے۔ درمختار مین لکھا ہے "وقف تین صورت پر ہے۔ اول فقیرون کے واسطے۔ دوم۔ مالدارون یعنی اغنیا کے واسطے اور بعدہٗ فقیرون کے واسطے۔ سوم۔ یا اوسمین دونون فریق یعنی اغنیا و فقیر دونون برابر ہین جیسے مسافر خانہ و خانقاہ و قبرستان و آبدارخانہ و مسجد و پل وغیرہ کہ ان چیزون کے وقف مین فقیر و غنی سب برابر ہین" مقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی[۵۱] مین کچھ بحث ہی نہین ہوئی اور ذی علم ججون نے مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام رحمت اللہ خان کی تقلید کر کے اوس مقدمہ کو فیصل کر دیا۔ اس مقدمہ مین شرع محمدی کے اصول کے بالکل خلاف یہ تجویز کی گئی کہ دو تجارتی کمپنیون کے حصص کا وقف ناجائز ہے۔

لچھمی پت بنام امیر عالم اون دو ذی علم ججون مین سے جنہون نے محمد حمید اللہ خان بنام بدرالنسا خاتون[۵۲] کا مقدمہ فیصل کیا ایک جج کو لچھمی پت سنگھ بنام امیر عالم[۵۳] مین کسی قدر مشکل مسئلہ تجویز کرنا پڑا اور مقدمہ آخر الذکر کی تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جج صاحب موصوف نے اپنی سابق راے کو کسی قدر ترمیم کر دیا۔ لچھمی پت سنگھ کے مقدمہ کے

---

۵۱ کلکتہ لا رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۶۷ ۵۲ کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۴۷ ۵۳ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۶۔

وقف نامہ مین یہ شرائط تہین کہ واقف کا قرضہ ادا کیا جاے - ایک مسجد کا خرچ ضروری دیا جائے - اور اوسکے مورثون کی قبرون پر فاتحہ پڑہا جاے اور بقیہ واقف کی اولاد پر خرچ کیا جاے - جو فرق اس مقدمہ مین و مقدمہ محمد حمید اللہ خان مین بیان کیا گیا ہے وہ فی الواقع کوئی فرق نہین ہے - اصل مین وقف اولاد کے لیے تہا جسمین مسجد وغیرہ کے اخراجات بہی داخل تہے مگر تاہم وقف جایز خیال کیا گیا - یہ خیال کیا گیا کہ مسجد وغیرہ کے اخراجات کے باعث اولاد کے حق مین جو انتظام کیا گیا تہا وہ بہی جائز ہو گیا -

امرت لال بنام شیخ محمد ابراہیم وغیرہ

ان تینون مقدمات پر مسٹر جسٹس قیران نے بمقدمہ امرت لال بنام شیخ محمد ابراہیم وغیرہ[۵۱] نہایت لیاقت سے بحث کی ہے ذی علم جج نے بہت مناسب کیا "محمد حمید خان بنام لطف الحق[۵۲] و فاطمہ بی بی بنام عارف اسمعیل جی[۵۳] کی سنداس امر سے نہایت ضعیف ہوجاتی ہے کہ اون حکام نے جنہون نے ان مقدمات کو فیصل کیا اوس امر کو جو غایت درجہ صفر ایک اظہار راے مقدمہ عبد الغنی بنام حسین میان رحمت اللہ[۵۴] مین ہے بطور فیصلہ کے تصور کیا - اور اوس اشتباہ سے جو اون مقدمات پر عدالت نے بمقدمہ لچہمی پت سکہہ بنام امیر عالم[۵۵] ظاہر کیا ہے جسمین ایک حاکم منجملہ اون حکام کے جنہون نے اول الذکر مقدمہ کو فیصل کیا تہا اجلاس فرماتے تہے - مقدمہ فاطمہ بی بی بنام اڈوکیٹ جنرل بمبئی[۵۶] کا حوالہ ان مین سے کسی مقدمہ مین نہین دیا گیا " مقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسین

۵۱ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۴۹۹ - ۵۲ کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۴۴۷ - ۵۳ کلکتہ لار یورٹ جلد ۹ صفحہ ۴۲ - ۵۴ ہائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۱۰ صفحہ ۷ - ۵۵ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۶ - ۵۶ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ -

میان رحمت اللہ کی نسبت اب ہم کچھ لکھنا چاہتے ہین - نہ تو اس مقدمہ مین و نہ کلکتہ
ہائی کورٹ کے مقدمات مین جسمین اسکی پیروی کی گئی ہے - چیف جسٹس کی تجویز
بمقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر[۵۴] کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے - کوئی اصلی
سند یعنی عربی کتاب بحث مین پیش نہین کی گئی - بحث مین کثرت سے ایسے
قیاسات پر استدلال کیا گیا تھا جو دوسرے ملک و قوم کے قانون پر مبنی ستھے لیکن
شرع محمدی کے اون اصول کا جو فقہ کی مستند کتابون سے ماخوذ ہین یا ماخوذ
ہو سکتے ستھے بحث مین ذکر تک بھی نہین آیا - ذی علم ججون نے پریوی کونسل کی
نظیر بمقدمہ جیون داس بنام شاہ کبیر الدین احمد[۵۵] سے (جس نظیر کو مسئلہ زیر بحث سے
کچھ بھی تعلق نہ تھا) حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا "اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی ہے کہ اغراض
مذہبی یا خیراتی کے لیے وقف کرنے کے واسطے بموجب شرع محمدی کے یہ ضرور نہین
ہے کہ لفظ وقف کا استعمال کیا جائے اگر عطیہ کی نوعیت عام سے ایسا وقف
مفہوم ہو سکتا ہو - ہماری دانست مین عکس اس مسئلہ کا ٹھیک ہے یعنی یہ کہ وقف
ثابت ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ عطیہ یا وقف مذہبی یا خیراتی کامون کے لیے ہو
اور یہ کافی نہین کہ محض لفظ وقف کا دستاویز عطیہ مین مندرج ہو اگر اسکے خلاف تجویز
کیجائے تو اوس سے ہر شخص محض ایک لفظ کے کہنے سے ہر قسم کا استمرار پیدا
کر سکے گا" اس سے زیادہ دہوکہ دینے والی دلیل مشکل سے خیال مین آسکتی ہے
اس دلیل سے جو نتیجہ ذی علم ججون نے مستنبط کیا ہے وہ شرع محمدی کے سب سے
اہم جزو کو منسوخ کیے دیتا ہے - یہ کہا جاتا ہے کہ وقف کے متعلق جو یہ تمام خرابیان

---

[۵۴] ہائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۱۰ صفحہ ۷ [۵۵] یہ فیصلہ کلیتاً آیندہ لکھا جائیگا [۵۳] ویکلی رپورٹر
جلد ۶ صفحہ ۳ یا اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ -

واقع ہوئی ہین اون سب کا الزام ہدایہ پر ہے - لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسٹر ہملٹن نے
اصل کتاب سے جو عربی زبان مین ہے ہدایہ کا ترجمہ نہین کیا - صاحب موصوف کی
درخواست پر کلکتہ کے مولویون نے عربی ہدایہ کا ترجمہ فارسی زبان مین کیا - اور اوسمین جا
بجا اپنی طرف سے چند فقرات بہی داخل کر دے جسکا اصل مقصود غالباً مصنف کے
مفہوم کو زیادہ واضح کرنا تہا مگر اوسکا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ مثل ہے کہ بد سے بدتر ہو گیا - اکثر
ضروری فقرات ترک کر دے گئے ہین جسکے باعث ترجمہ کی وقعت بالکل کہو ئی
گئی اسی کتاب پر جو ترجمہ کے نام سے موسوم ہے تمام فیصلہ جات اکا دار مدار ہے مسٹر ہملٹن
کے ترجمہ و حاشیہ کی نسبت مسٹر نیل بیلی جنہون نے فتاوی عالمگیری کا لفظی ترجمہ کیا ہے
یہ کہتے ہین "مسٹر ہملٹن نے بلا ضرورت لفظ وقف کے قانونی مفہوم کو ثواب و خیرات
کے اغراض کے لیے ہبہ کرنے سے مقید کیا ہے"

جو معنی ثواب و خیرات کے انگریزی مقننون کے نزدیک ہین اوسپر خیال کر کے کوئی شخص
جسنے شرع محمدی کو غور سے پڑہا ہے ایک لحظہ کے لیے بھی شک نہین کر سکتا
کہ مسٹر بیلی کا قول بہت صحیح ہے - اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہدایہ و دیگر کتب
شرع محمدی مین کچہہ بہی اختلاف نہین ہے ہدایہ مین وقف کا مضمون بہت
اختصار سے لکہا گیا ہے اور اپنی اولاد و نسل پر وقف کرنے کی بابت اوسمین کچہہ بحث
بہی نہین کی گئی ہے - جسکی وجہہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین - لیکن دوسری شرحون مین
مثل فتح القدیر و غایۃ البیان وغیرہ کے اس مضمون پر پورے طور پر بحث کی گئی ہے -

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام اڈوکیٹ جنرل[۱] ویسٹ صاحب جسٹس صحیح تحریر فرماتے ہین

---

[۱] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ - بمقدمہ جگت موہنی چودہرانی بنام سوکھانی بی بی کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۳ ۵ - مین بہی غلطی ہوئی یعنی
یہ کہ آخری مصرف بصراحت مذکور ہونا چاہیے اسکی تقلید امرت لال کالیداس بنام شیخ حسین بمبئی جلد ۱ صفحہ ۴۹۲ مین ہوئی

"اگر یہ شرط پائی جاسے کہ وقف کا آخری مصرف کوئی دایمی کارخیر ہے تو وہ اس وجہ سے باطل نہ ہوگا کہ واقف نے اپنی اولاد و اونکی اولاد کے حق مین کسی درمیانی زمانہ کی بابتہ جائداد کی تملیک کی ہے" یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقف کے استعمال سے شرعاً یہ امر تسلیم ہوگا کہ وقف کا آخری مصرف دایمی و مستقل ہے۔ بعدہٗ ذی علم جج تحریر کرتے ہین "جو حق (ان لوگون کو (یعنی اولاد کو) یکے بعد دیگرے حاصل ہوگا ممکن ہے کہ قانون انگلستان کے مفہوم کے مطابق استمراری ہو مگر شرع محمدی کے بموجب اوسکی تملیک ناجائز نہ ہوگی بشرطیکہ اخیر مصرف خیر کی صراحت بوضاحت کردی گئی ہو" یہ شرط صرف امام محمد کے قول کے مطابق ضروری ہے نہ کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذی علم جج نے دونون امامون کے اختلاف پر خیال نہین کیا و نہ اس امر کا لحاظ کیا کہ تمام حنفی دنیا مین امام ابو یوسف کا قول صحیح قانون تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم یہ تجویز اپنی تائید مین ایک سند رکھتی ہے بخلاف اِسکے دیگر مقدمات تو بالکل شرع کے اصول کے خلاف ہین۔ انگریزی قانون کے قاعدہ امانت و تملیک سے شرعی وقف کے مفہوم سمجھنے مین کچھہ بھی مدد نہین ملسکتی۔ شرع محمدی مین وقف کی بنیاد رسول مقبول کی احادیث پر ہے جنپر صحابہ و تابعین کا عمل درآمد رہا ہے۔ انگریزی قانون مین استمراری حقیت ممنوع ہے۔ شرع مین دایمی ہونے کی صفت بلا کسی اختلاف کے وقف کے لیے لازمی ہے۔ اپنی اولاد و نسل کے لیے وقف کرنا مسلمانون کے شرع مین کارخیر و ثواب ہے۔ لیکن چونکہ ہر شخص کی اولاد و نسل کسی نہ کسی وقت معدوم ہو جائیگی اسیلیے دوام پیدا کرنے کے لیے شرع مین ضرورت ہے تاکہ وقف دایمی مصرف کی طرف عود کرے۔ حنفی مذہب کے صحیح اصول کے مطابق اوسکے ذکر کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ اگر کسی ایسے مصرف کا ذکر نہین ہوا ہے

تو واقف کی نسل کے منقطع ہونے کے بعد شرع خود اوس فروگذاشت کی تصحیح
اسطرح پر کر دے گی کہ وقف محتاج و مساکین کے لیے ہے۔

جو کچھ اوپر مذکور ہوا اوس سے بخوبی واضح ہوگا کہ شرعی مفہوم وقف کا کیا ہے۔ اور نیز
یہہ کہ اس ملک کی عدالتوں مین اسکے متعلق فیصلے ایکسان نہین ہین۔ بعض مقدمات مین
شرع محمدی کی پابندی ایک حد تک کی گئی ہے اور بعض دیگر مقدمات مین کسی قدر
اوسکے خلاف تجویز ہوئی ہے چند مقدمات کا ذکر اوپر آگیا ہے۔ لیکن اگر کیسیکو زیادہ
شوق ہو تو کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کا فیصلہ بمقدمہ بیکانی میان بنام سکھدلال[1]
پڑہے۔ اسوقت تک جس قدر نظائر وقف کے متعلق ہو چکے ہین وہ سب ذی علم
بارسٹرون کی بحث مین مل سکتے ہین و نیز اونپر جو محققانہ جرح و قدح کی گئی ہے وہ سب
اِسکے پڑہنے سے معلوم ہو جائیگی۔

کسی خاص مضمون پر مختلف نظائر ہونے کی وجہ سے جو دقتین عوام کو و عدالتون کو پیش
آتی ہین وہ ظاہر ہے۔ اس خیال سے حکام عالی مقام پریوی کونسل کی تجویز بمقدمہ
ابو الفتح محمد اسحاق بنام راسمایا دہر چودہری[2] تسکین بخش ہے گو شاید یہ فیصلہ کلیتاً وقف
متعارف کے مفہوم کے مطابق نہ کہا جائیگا۔ اس فیصلہ مین تین امور مختتم طور پر طے
کر دے گئے ہین۔

اول۔ اگر وقف صرف خاندان کی ترقی کی غرض سے کیا گیا ہے اور کار خیر مین (جیسا کہ عرف
مین سمجھا جاتا ہے) اوسکا زیادہ تر حصہ فوراً صرف نہ کیا جا سکے تو وقف ناجائز ہے۔

دوم۔ اپنی اولاد کو اگر وقف کی آمدنی سے کچھ حصہ دیا تو اس وجہ سے وقف ناجائز

[1] جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ [2] کلکتہ جلد ۲۲ صفحہ ۶۱۹۔

نہین ہے۔

سوم۔ مقدمات وقف و دیگر اسلامی انتقالات سے شرع محمدی متعلق ہے۔

اس فیصلہ کا ضروری حصہ ذیل مین نقل کیا جاتا ہے۔

اس مقدمہ کے وقف نامہ کے مضمون سے یہ بات ثابت کرکے کہ واقف کا اصلی مقصود اپنے خاندان کی عظمت اور اہل خاندان کی پرورش تہی اور اوسمین مذہب کا کچہہ ذکر نہین ہے بجز اسکے کہ جیب خدا سے یہ دعا مانگی گئی ہے کہ خاندان کا نام ہمیشہ قایم رہے اور اونکی جائداد محفوظ رکہے حکام عالی مقام حسب ذیل تحریر کرتے ہین

"معلوم ہوتا ہے کہ ہائی کورٹ مین ذی علم ایڈوکیٹ جنرل نے منجانب مدعیان یہ حجت کی کہ واہب اگر اپنی اولاد کے حق مین کوئی عطیہ کرے اور اوسمین محتاجون کا ذکر بہی نہ ہو تو وہ مثل وقف کے قائم رکہا جا سکتا ہے اور نیز یہ کہ شرع محمدی کی منشا کے موافق اپنے خاندان پر دوامی تملیک بنام نہاد مذہبی امانت کے کیجا سکتی ہے بمقدمہ محمد احسان اللہ چودہری بنام امرچند کنڈو[۵۱] بورڈ ہذا نے فرمایا "حکام ممدوح کو کسی ایسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا اور نہ حکام ممدوح کو کوئی ایسی سند ملتی ہے کہ شرع محمدی کے مطابق عطیہ مثل وقف کے صحیح ہے بجز اسکے کہ جائداد کا زیادہ تر حصہ کسی نہ کسی وقت خیراتی اغراض کے لیے وقف ہو" بورڈ موصوف نے کلکتہ ہائی کورٹ کا فیصلہ بحال رکہا جس نے یہ تجویز کی ہے کہ جائداد کا تہوڑا سا حصہ خیراتی اغراض کے لیے بخوبی وقف تہا لیکن جائداد مذکور کے جزو کثیر کی نسبت عطیہ مذکور باوجود بعض عبارات مشعر وقف کے دراصل خاندان کے حق مین ہبہ دوامی کے سوائے کچہہ نہین تہا اور بوجہ مذکور وہ خلاف شرع محمدی کے تہا۔ فیصلہ مذکور کے اصول کا حوالہ بمقدمہ عبدالغفور بنام نظام الدین[۵۲]

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸ [۵۲] بمبئی جلد ۱۷ صفحہ ۱ ۔

دیا گیا اور پسند کیا گیا اوس بحث کا جو ہائی کورٹ مین کی گئی یہ کافی جواب ہے۔

"لیکن حکام عالی مقام اب یہ نہین کہہ سکتے کہ حکام موصوف کو کسی ایسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا جو اس راے کے خلاف ہو کیونکہ مسٹر پینسن نے حکام ممدوح کو دو ایسے مقدمات کا حوالہ دیا جسمین ذی علم جج مسٹر امیر علی نے کلکتہ ہائی کورٹ مین بڑی محنت کے ساتھ تجویزین لکھی تہین۔ تجاویز مذکور اوس راے کے موافق ہین جو اونہون نے اپنے ٹیگور لا لکچرس مین ظاہر کی تہین واگر حکام عالی مقام نے اونکو صحیح طور پر سمجھا ہے تو اون سے پورے طور پر اڈوکیٹ جنرل کی حجت کی تائید ہوتی ہے۔ مقدمات مذکور مین سے ایک مقدمہ محمد اسمٰعیل خان بنام ششٹی چرن گھوش[۵۱] ہے اس مقدمہ مین بعض عطیہ ایسے تہے جو فوراً مساکین کے حق مین نفاذ پذیر ہو گئے تہے اور وقف بحال رکہا گیا اور اوسکا پہر کوئی مزید اپیل نہین ہوا۔ دوسرا مقدمہ بیکانی میان بنام سکھہ لال پوڈر[۵۲] ہے جسمین مساکین کے لیے کوئی عطیہ اوسوقت تک نہین ہے جب تک کہ واقف کے خاندان مین کوئی زندہ رہے۔ اس مقدمہ کی سماعت اجلاس کامل پانچ حکام مین ہوئی۔ حکام موصوف نے یہ تجویز کی کہ دستاویز مذکور ناجائز تہی صرف امیر علی صاحب جسٹس نے اختلاف کیا۔" "ہم حکام عالی مقام کی راے مین اس ذی علم مقنن کی راے ایسے اقوال پر مبنی ہے جو اصول ذہنی تہے اور ایسی اسناد پر جو ناکافی طور پر بیان کئے گئے ہین" بعدہ حکام عالی مقام نے عثمان بن ارقم مخزومی کے دار الاسلام کے وقف کی نسبت جسکا حوالہ مسٹر امیر علی نے اپنی تجویز مین بہ صفحہ ۱۴۰ کلکتہ جلد ۲۰ دیا ہے یہ کہکر کہ وقف کے مفصل حالات نہین معلوم ہو سکتے اسلیے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ مقدمہ حال کے متعلق بھی ہے یا نہین تحریر فرماتے ہین۔

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۱۲ [۵۲] کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶۔

دو اون احکام اخلاقی کی نسبت جو شرع محمدی کے اصل اصول بیان کیے گئے ہین
حکام عالی مقام یہ امر فراموش نہین کرتے کہ اہل اسلام کے مختلف فرقون مین شرع
اور مذہب باہم بہت زیادہ مخلوط ہین - لیکن حکام ممدوح نے اثنا بحث مین دریافت
کیا کہ کیا وجہ ہے اگر کوئی شخص آنے والی نسلون کے حق مین جو ہنوز پیدا نہین ہوئی
ہین ہبہ محض کرے یعنی ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ہبہ کے ذریعہ سے دے
تو ایسا ہبہ بموجب عام قانون اسلام کے داقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہے) ممنوع
ہے اور کیا یہ متصور کرنا چاہیئے کہ وہی انتقالات جو ہبہ کے معمولی الفاظ مین کیے جائین
تو ناجائز ہین لیکن اوس صورت مین جائز ہو جاتے ہین اگر یہ کہا جاوے کہ خدا کی راہ مین
یا مساکین پر وقف ہے -

ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا و نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی اور نہ حکام
عالی مقام کو اسکا کوئی جواب معلوم ہوتا ہے - یہ سچ ہے کہ واقف کا قطعی حق ملکیت
کم ہو کر صرف حق حین حیاتی رہجاتا ہے - یعنی وقف نامہ کی رو سے وہ صرف متولی
یا مہتمم تصور کیا جاتا ہے - لیکن وہ تمام عمر متولی رہتا ہے اور اوسکو اختیار ہے کہ محاصل
وقف جس طرح چاہے صرف کرے اور اوس سے کوئی شخص حساب طلب نہین کرسکتا
حق ملکیت مین اس قدر تبدیلی کرنی خاندان مین مداومت قایم کرنے کی نیت کے بالکل
موافق ہے اور بلا شک ایسے ارادہ کی فوراً تکمیل کے لیے ضروری ہے" بیکافی میان
دکلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶) کے مقدمہ مین جسکی بحث د تجاویز مین بہت محنت صرف
ہوئی ہے کچھ اشتباہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ بموجب
شرع محمدی کے ہونا چاہیئے یا نہین - اور کنایتاً یہ بھی کہا گیا ہے کہ احسان اللہ چودہری
دکلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸) کے فیصلہ نے شرع محمدی کو خارج کرکے بجاے اوسکے

انگلستان کا قانون قائم کیا ہے۔ اسمین کچھہ شبہہ نہین ہے کہ مخصوص اسلامی انتقالات شرع محمدی کے تابع ہین۔ حکام عالی مقام نے اپنی کل لیاقت اوس شرع محمدی کے تحقیق و متعلق کرنے کی کوشش مین صرف کی جس سے ہندوستان کے لوگ واقف ہین اور جسپر وہان عمل ہوتا ہے۔ لیکن حکام ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ شرع مذکور قطعی طور پر پیغمبر کے احکام اخلاق کے موافق ہے اور اگر ایسا ہے تو حکام ممدوح کے نزدیک اون احکام کے متعلق کرنے مین مبالغہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ احکام اخلاقی اپنے مناسب موقع پر بہت عمدہ ہون۔ جہان تک حکام ممدوح کو معلوم ہے یہ ممکن ہے اور نیز ذی علم جج بھی لکھتے ہین کہ وقف کے قاعدہ و دستور پر اون احکام کا بہت کچھہ اثر ہوا ہے لیکن اوس بڑے واضع قانون[۵۱] کے حق مین یہ خیال کرنا ناانصافی ہوگی کہ اون اقوال مین اونہون نے ایسے وقف کی ستایش کی ہے جن مین واقف نے اپنا حق کلیتاً قایم رکھا ہے۔ جن مین واقف ایک ہاتھ سے اوس چیز کو واپس لیتا ہے جسکو بظاہر وہ دوسرے ہاتھ سے دیتا ہے۔ جو وقف کہ محاصل کے جمع کرنے اور خاندانی جائداد کے ترقی دینے کا م کرنا بنایا جائے جسمین وہ اشخاص جو متولی کے نام سے موصوف ہون حساب دینے سے بالکل بری کئے گئے ہین۔ جس وقف کا یہ منشا ہے کہ قرض خواہون کے مطالبہ کا کچھہ خیال نہ کرکے واقف اور اوسکے اہل خاندان اوسکو اپنے تصرف مین لائین اور جسمین دوسرون کو خالی الفاظ کے سوا عملی طور پر فائدہ پہونچانا مقصود نہ ہو۔ بعدہٗ حکام ممدوح فرماتے ہین وہ نظائر محولہ پر غور کرنے کے بعد حکام ممدوح کی راے مین اسناد کا پلہ اپیلانٹ کے خلاف بہت جھکا ہوا ہے۔ بعض نظائر مین اس حد تک تجویز ہوئی ہے کہ صحت وقف کے لیے یہ ضرور ہے

---

[۵۱] یعنی رسول عربی (محمد صلعم)

کہ جائداد تنہا مذہبی اغراض کے لیے وقف کیجاسے لیکن اس امر مین بورڈ ہذا نے
احسان اللہ چودھری (کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۴۹۸) کے مقدمہ مین مسٹر جسٹس کیمپ
کی اس رائے کو اختیار کیا ہے کہ واقف کا جائداد موقوفہ سے اپنے اہل خاندان کی
پرورش کا انتظام کرنا اغراض وقف کا منافی نہیں ہے" بعدہ حکام ممدوح نے
یہ فرمایا کہ اپیلانٹ کی حجت کی تائید مسٹر امیر علی کی تجویز بمقدمہ بیکا فی میان[۱]
و ویسٹ صاحب کی تجویز بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل[۲] و فیران صاحب
کی تجویز بمقدمہ امرت لال کالیداس بنام شیخ حسین[۳] سے ہوتی ہی تحریر فرماتے ہین۔
دو حکام ممدوح ان نتائج کو نہین قبول کر سکتے۔ نتائج مذکور مین الفاظ کو اصلی غرض پر
و عرض کو جوہر پر ترجیح دی گئی ہے۔ حکام ممدوح کی راے مین کلکتہ ہائی کورٹ نے
یہ صحیح فیصلہ کیا ہے کہ اس مقدمہ مین فقراء کے حق مین فی الحقیقت وقف نہین ہے
وقف دو طرح سے نمائشی ہوسکتا ہے یعنی بسبب قلیل التعداد ہونے کے یا بسبب
غیر معین و بعید ہونے کے۔ اگر کوئی شخص ایک کرور روپیہ وقف کرے اور اوسمین
سے صرف دس روپیہ محتاجون کو دینے کی شرط ہو تو وقف کے نمائشی ہونے مین
کچھ کلام نہین ہوسکتا ایسا وقف بھی جسمین فقرا کو اوس وقت تک ایک روپیہ پانے کا
حق نہ ہو جب تک واقف کے خاندان کا ایک متنفس بھی زندہ رہے بدرجہ مساوی
نمائشی ہے۔ ممکن ہے کہ صدہا سال تک مستحق نہ ہون ممکن ہے کہ اوس وقت تک
مستحق نہ ہون جب تک کہ جائداد وقف مقدمہ بازی و بداعمالی یا آفت ارضی یا سماوی
کے نقصانات سے کلیتاً تلف نہ ہو جاوے اور یقیناً اوس وقت تک مستحق نہین
ہین جب تک کہ اون اشخاص مین سے ایک شخص بھی روے زمین پر زندہ ہے

---

[۱] کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ [۲] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۵۳ [۳] بمبئی جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۲ –

جنکی بہ عزت وآبرو پرورش کا خیال فی الواقع واقف کوتہا۔ حکام عالی مقام کو اتفاق ہے۔ کہ اوس وقف نامہ پر پارسائی کا رنگ جمانے کے لیے اسمین مساکین کا ذکر کیا گیا ہے اور نیز اس وجہ سے تاکہ یہ انتظامات جبکا مقصود صرف خاندان کی عظمت تھی جائز ہو جائین۔

فصل ششم۔ پڑوسیونکو وقف کرنیکے بیان

فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے۔ اگر اپنے پڑوسیون پر وقف کیا تو قیاس یہ ہے کہ اونہین لوگون پر صرف ہو جو اوسکے ملاصق ہون اور استحساناً تمام اون لوگون کو ملیگا جو محلہ کی مسجد مین جمع ہوتے ہین اور یہی مختار ہے۔ امام اعظم کے ظاہر مذہب مین ہے کہ شرط فقط سکونت ہے چاہے رہنے والا اپنی ملک کے مکان مین رہتا ہے یا مالک مکان نہ ہو اور یہی صحیح ہے۔ اگر رہنے والا مالک کے سوا کوئی اور ہو یعنی خود مالک نہ رہتا ہو تو مکان مین رہنے والے کا استحقاق وقف مین ہے۔ اور اس وقف مین پڑوسی داخل ہوگا خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو یا مونث ہو آزاد ہو یا مکاتب ہو یا صغیر ہو یا کبیر ہو۔ اور مال وقف ان سب پر مساوی تقسیم ہوگا وقف کنندہ کی اولاد اور اوسکا باپ دادا اور زوجہ اس وقف مین داخل ہونگے لیکن اوسکے بہائی و چچا و مامون داخل نہ ہونگے۔ واضح ہو کہ تقسیم غلہ کے وقت جو شخص پڑوسی ہو وہی پڑوسی اعتبار کیا جائیگا پس اگر محلہ کے چند اشخاص محلہ چہوڑ کر دوسری جگہ مستقل طور پر چلے گیے اور بجاے اونکے دوسرے اشخاص آباد ہوگئے۔ حالانکہ جب وہ آباد ہوئے تو غلہ طیار ہو چکا تھا مگر ہنوز کاٹا نہین گیا

تھا تو یہ لوگ اوس غلہ کے مستحق ہونگے ۔ فتاوی قاضی خان ۔
اگر وقف کرنے کے وقت واقف اپنے مکان مین کسی خاص محلہ مین رہتا تھا لیکن بعد کو اوس محلہ کو چھوڑ کر دوسرے مکان مین بکرایہ رہنے لگا اور وہین مرا تو وقف کا غلہ اوس مکان کے پڑوسیون کو ملیگا جسمین وہ بعد کو اوٹھکر چلا گیا اور وہین مرا ۔ محیط
اگر پڑوسیون پر وقف کرنے کے بعد وقف کرنے والا مکہ معظمہ کو چلا گیا اور وہین مرا تو دیکھا جاے گا کہ اگر اوس نے مکہ معظمہ مین مستقل سکونت اختیار کر لی تھی تو وقف کی آمدنی مکہ مین اوسکے پڑوسیون کے واسطے ہوگی واگر وہ حج یا عمرہ ادا کرنے کے واسطے نکلا تھا تو غلہ اوسکے شہر والون کے پڑوسیون کے لیے ہوگا ۔ ظہیریہ ۔
اگر وقف کرنے والے کے دو مکان ہین جنمین سے ایک مین وہ خود رہتا ہے اور دوسرا کرایہ پر چلتا ہے تو وقف کی آمدنی اوس مکان کے پڑوسیون پر صرف ہوگی جسمین وہ رہتا ہے ۔ واگر دونون مکانون مین سے ہر ایک مین اوسکی ایک ایک زوجہ رہتی ہے تو وقف کی آمدنی اون دونون مکانون کے پڑوسیون کو ملیگی ۔ چاہے وقف کرنے والا ان دونون مکانون مین سے کسی مین مرا ہو اور خواہ ان دونون مکانون مین سے ایک کوفہ مین ہو دوسرا بصرہ مین ۔
ایک عورت کسی مکان مین رہا کرتی تھی اور اوس نے پڑوسیون پر کچھ وقف کیا پھر اوس نے کسی مرد سے نکاح کر لیا اور شوہر کے مکان مین چلی گئی اور وہین اوسکا انتقال ہوا تو وقف کے مستحق شوہر کے پڑوسی ہونگے اور اسیطرح اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا حالانکہ اپنے پڑوسیون پر وقف کر چکا ہے پھر اوس نے اپنی زوجہ کے یہان سکونت اختیار کی تو اوسکا پڑوس منتقل ہوگیا ۔ ظہیریہ ۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر اوسکا اسباب پہلے گھر مین ہے تو اوسی گھر کے پڑوسی غلہ کے مستحق ہونگے ۔ محیط ۔

اگر پڑوسی فقیر ہون تو وقف اونپر ہوگا یعنی وہ عورتین اس استحقاق مین شامل ہونگی اگر پڑوسی ہین اور شوہر والیان ہون تو شامل نہ ہونگی۔

فصل ہفتم ۔ وقف کیونکر کیا جاتا ہے

سید امیر علی لکھتے ہین وقف کرنے کے لیے شرعاً کوئی مخصوص الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ شرع صرف واقف کی نیت کا لحاظ کرتی ہے۔ اگر وقف کرنے کی نیت ہے تو خواہ کسی زبان مین یا کسی پیرایہ مین اوسکا اظہار ہوا ہو وہ وقف شرعاً صحیح ہے۔ وقف زبانی و تحریری دونون طرح کیا جا سکتا ہے جب وقف لفظ وقف یا اسکے ہم معنی کسی دوسرے لفظ سے کیا گیا ہے تو شرعاً صحیح وقف کے لیے جو باتین ہونی چاہئین مثل استمرار وغیرہ وہ سب اسکے ساتھ قیاس کئے جائینگے۔ نیت دریافت کرنے کی ضرورت صرف اوس حالت مین ہوتی ہے جب وقف کرنے کے وقت صاف و صریح الفاظ نہ استعمال کیے گئے ہون۔ لیکن جب وقف کرنے کی نیت ظاہر ہے یا مضمون دستاویز یا واقف کے طریق عمل یا اوس مصرف پر خیال کرنے سے جسکے حق مین عطیہ کیا جاتا ہے یا گرد و پیش کے حالات سے نیت و ارادہ دریافت ہو سکے تو اس سے صحیح وقف قایم ہو جاتا ہے۔ گو لفظ وقف استعمال نہ کیا گیا ہو۔

بمقدمہ پیرن بنام عبد الکریم[۵۱] جن الفاظ سے وقف تجویز ہوا تھا یہ تھے "دو سوا ئی موضع کندرا کہ مختص برائے خرچ خانقاہ منہا کردہ متعلق سجادہ نشین گردانیدیم" اس مقدمہ

---

[۵۱] شیو نراین سنگھ بنام علی بخش شاہ ہائیکورٹ صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ [۵۲] کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۲۰۲۔

پریوی کونسل کی ایک نقیض کی تائید ہوتی ہے یعنی ہون داس بنام شاہ کبیر الدین[۵۱] کی آخر الذکر مقدمہ مین حسب فرمات کے ذیل سے وقف پیدا ہوا تھا اوسمین لفظ وقف مذکور نہ تھا بلکہ عطیہ "الغام التمغہ مدد معاش" کے لیے دیا گیا تھا۔ مدعا علیہ کی جانب سے یہ حجت ہوئی کہ الفاظ مذکور سے ناقابل انتقال وقف نہین قایم ہوا۔ حکام عالی مقام پریوی کونسل نے حسب ذیل تجویز کی "صدر دیوانی عدالت نے بمقدمہ مسماۃ خاورہ بنام شاہ کبیر الدین[۵۲] مولویون کی رائے کے مطابق یہ تجویز کی کہ گو فرمان شاہی مین الفاظ الغام والتمغہ مستعمل ہوئے ہین اور اون اشخاص کے نام مندرج ہین جنکے عرضی پر عطیہ دیا گیا تاہم اوس عرضی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عطیہ کار خیر کے قیام کے لیے دیا گیا تھا اور اشخاص مذکور اوسکے مالک نہین قرار دیے گیے۔ نیز یہ کہ درحقیقت خانقاہ موہوب لہ تھا اور اشخاص مذکور صرف اوسکے متولیان تھے اور یہ کہ متولی کو انتقال کرنیکا حق نہین تھا اس لیے شاہ کبیر الدین نے جو اسکا ہبہ کیا یا کسی دوسرے طور پر منتقل کیا وہ سب انتقال ناجائز تھا"

بعدہٗ حکام ممدوح نے تحریر فرمایا "یہ فیصلہ ہدایہ کتاب الوقف (۲۵) کے موافق ہے۔ دیکھو ترجمہ ہملٹن صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔ اسمین لکھا ہے کہ وقف کے اصلی معنے حبس کے ہین یعنی روک لینا و شرع مین حبس کے معنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہین کہ مال عین کو وقف کرنے والا اپنی ملک پر روکے[۵۳] اور اوسکی منفعت کو صدقہ دے جیسے عاریت ہوتی ہے۔ اور صاحبین کے یعنی امام موصوف کے دو شاگردون کے نزدیک وقف کے معنی مال عین کو اللہ تعالے کی ملک پر اسطرح پر روکنا ہے کہ مال مذکور وقف کرنیوالے کی

---

[۵۱] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ [۵۲] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۷۰۴ [۵۳] یعنی واقف کا حق ملک اوسمین قایم رہے۔

مالکیت سے خارج ہوکر اللہ تعالیٰ کی ملک مین اس طور سے داخل ہوجاوے کہ اوسکی
منفعت بندون کی طرف عود کرتی رہے - پس وقف لازم ہوگا اور فروخت نہین ہوسکتا
و نہ ہبہ و میراث ہوسکتا ہے" بعدہٗ صفحہ ۲۴۴ مین حکام ممدوح نے یہ تجویز کی "بموجب
شرع محمدی کے مذہبی و خیراتی وقف کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ وقف
کا لفظ دستآویز مین مستعمل ہو اگر دستاویز کی کل عبارت سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہو کہ اس
سے وقف کرنا مقصود تھا تو یہ کافی ہے"

فتاوی عالمگیری مین ہے - اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ یا صدقہ محبوسہ
ہے اور یہ نہ کہا کہ ہمیشہ کے واسطے تو تمام علما کے نزدیک جو وقف جائز رکھتے ہین
وقف ہوجائیگا اسواسطے کہ صدقہ ہمیشہ کے لیے ہوا کرتا ہے و بعض کے نزدیک جائز
نہ ہوگا کہ اسمین ہمیشگی کا ذکر نہین آیا - لیکن اگر یہ کہا کہ میری یہ اراضی مساکین کے لیے
صدقہ موقوفہ ہے تو بالاجماع وقف ہوجائیگا اسواسطے کہ مساکین کا ذکر بھی تابید کا ذکر
ہے - اگر صدقہ کا لفظ نہ کہا لیکن وقف کا لفظ ذکر کیا اور کہا میری زمین وقف ہے
یا مین نے اپنی یہ زمین وقف کردی یا میری یہ زمین موقوفہ ہے تو امام ابویوسف کے
نزدیک فقیرون پر وقف ہوجائیگی - و اگر لفظ فقیرون کا کہا گیا مثلاً یہ کہا کہ میری یہ زمین
فقیرون کے لیے وقف ہے تو امام ابویوسف کے نزدیک و نیز دیگر علما کے نزدیک
وقف صحیح ہے اسواسطے کہ فقیرون کے کہنے سے احتمال جاتا رہا - اگر کہا میری یہ زمین
برائے سبیل ہے پس اگر ایسے شہر مین ہو جہان کے لوگون مین یہ لفظ وقف کے
واسطے متعارف ہے تو زمین مذکور وقف ہوجائیگی و اگر وہان کے لوگون مین یہ لفظ
متعارف بمعنی وقف نہ ہو تو اوس سے اوسکی مراد دریافت کیجائیگی پس اگر اوس نے
وقف کا ارادہ کیا ہو تو وقف ہوجائیگی و اگر اوس نے صدقہ کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی

تو نذر ہوگی پس یہ زمین یا اوسکا ثمن صدقہ کر دیا جائیگا - اگر کسی نے کہا کہ میرا یہ مکان بعد میری موت کے فلان مسجد کی سبیل ہے تو وقف صحیح ہے بشرطیکہ تہائی ترکہ سے برآمد ہوا اور اوس نے مسجد کو معین کر دیا ہو ورنہ نہین - اگر کسی نے کہا کہ میرے اس مکان کی آمدنی سے ہر مہینہ مین دس درم کی روٹیان خرید کر مساکین کو بانٹ دیا کرو تو مکان مذکور وقف ہوجائیگا - اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنی اس چہار دیواری والے باغ کے انگور کے پہلون کو وقف کر دیا خواہ اوسوقت اوسمین پہل تھے یا نہ تھے تو باغ مذکور وقف ہوجائیگا اسیطرح اگر اوس نے کہا کہ مین نے اوسکے حاصلات وقف قرار دئے تو وقف ہوجائے گا - یہ فتح القدیر مین ہے -

بمقدمہ محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق[۱۵] یہ تجویز ہوئی کہ اگر وقف اپنی ذات یا اولاد پر مقصود ہے تو ضرور ہے کہ لفظ صدقہ کا استعمال کیا جائے ورنہ وقف صحیح نہ ہوگا - مگر اس رائے کی تائید مین کوئی سند نہین پائی جاتی -

سید امیر علی صفحہ ۱۲۶ - علامہ طحطاوی اپنی شرح در المختار مین لکھتے ہین "ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقف یا موقوفہ کا استعمال کرنا کافی ہے اور صدر الشہید نے لکھا ہے کہ بسبب عرف کے ہم لوگ اسی پر فتویٰ دیتے ہین - اور یہ کہا جاتا ہے کہ مشائخ بلخ ابو یوسف کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہین - وقف کا اگر کوئی مصرف نہین بیان کیا گیا اور نہ یہ کہا گیا کہ یہ دایمی ہے تو اوس صورت مین بھی وقف جائز ہے" امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک منجملہ شرایط وقف کے یہ بھی ہے کہ وقف اخیر مین ایسی جہت کے لیے ہو جو کبھی منقطع نہ ہو اگر واقف نے اسکا ذکر نہ کیا تو امامان موصوف کے نزدیک وقف صحیح نہ ہوگا - لیکن امام ابو یوسف کہتے ہین کہ اسکا ذکر کرنا ضرور نہین ہے بلکہ اگر

[۱۵] کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۴۴۷ -

ایسی جہت بیان ہوئی ہے جو منقطع ہوجاتی ہے تو بھی وقف صحیح ہے اور بعد منقطع ہونے اوس جہت کے وقف فقیرون کے لیے ہوجائیگا گو اون فقیرون کو بیان نہ کیا ہو۔ پس اس شرط کا بیان ہونا از روے ولالت ثابت ہے فتاوی عالمگیری مین ہے کہ "وقف مین یہ بھی شرط ہے کہ تابید یعنی استمرار ہو اور یہ شرط بالاجماع سب کے نزدیک ہے۔ لیکن اسکا بیان کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہین اور یہی صحیح ہے

وقف کا دایمی ہونا شرط ہے

اگر کسی نے اپنا مکان ایک روز یا ایک مہینہ یا کسی وقت معلوم کے لیے وقف کیا اور کچھہ نہ کہا تو وقف جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ لیکن اگر اوس نے یہ کہا کہ میری یہ زمین ایک مہینہ کے لیے وقف ہے پھر بعد اوسکے وقف باطل ہوگا تو وقف ابتدا ہی سے باطل ہوگا یہ فتاوی قاضی خان مین ہے"

وقف مثل اعتاق کے ہے

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ واقف اگر کہے کہ مین نے فلان جائداد وقف کردی تو معاً اوسکے کہنے کے وقف ہوجائیگا کیونکہ وقف مثل اعتاق کے ہے یعنی مثل غلام آزاد کرنے کے[1]

---

[1] اسکے معنی یہ ہین کہ جب کسی شخص نے اپنا غلام آزاد کیا تو پھر وہ اوس قول سے رجوع نہین کرسکتا اور نہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اوسکی نیت آزاد کرنیکی نہ تھی۔ جب ایک شخص نے کہا کہ "مین نے یہ غلام آزاد کیا" تو معاً اوسکے کہنے کے وہ غلام شرعاً آزاد ہوجائیگا اور پھر وہ شخص خود یا اوسکے ورثا دیا اوسکے قرض خواہ غلام مذکور کی آزادی کی نسبت کوئی عذر نہین کرسکتے۔ نیت و ارادہ سے کوئی سوال نہین پیدا ہوتا کیونکہ مجرد قول کو قانوناً غلام آزاد ہوجائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف کی حالت بالکل بعینہ اعتاق کی ہے۔ اور مجرد اسکے کہ کسی شخص نے اپنی جائداد وقف کرنیکو کہا کہ وقف ہوگیا۔ اور پھر وہ جائداد واقف کی ملک سے خارج ہوگئی اور وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ اوس نے صحیح طور پر وقف کرنیکی نیت نہ کی تھی۔ اسیطرح اوسکے ورثا یا قرض خواہ یہ نہین کہہ سکتے کہ وقف فرضی تھا یعنی وقف کرنے کے وقت واقف فی الحقیقت وقف کرنا نہین چاہتا تھا۔ مگر عدالتون کا میلان امام ابو حنیفہ امام محمد کے قول کی طرف زیادہ ہے یعنی یہ کہ وقف ایسی جہت کے لیے ہو جو کبھی منقطع نہ ہو۔ دکار خیر و ثواب کے لیے) اور واقف کو بصراحت اوسے ذکر کرنا چاہیے۔ محمد غلام بنام عبد الغفور بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۴۴۴ و دیگر فیصلجات جو اس کتاب مین درج ہین۔

وقف کا متولی کو سپرد کرنا ضرور ہے یا نہین

سید امیر علی لکھتے ہین کہ لزوم وقف کے واسطے یہ ضرور نہین ہی کہ واقف جائداد کو فی الواقع کسی متولی کے سپرد کرے۔ جیسے ہبہ مین حوالگی قبضہ ضروری ہے ویسے وقف مین نہین۔ مجرد واقف کے قول سے جائداد وقف ہو جاتی ہے اور اوسکے بعد سے واقف اوس جائداد کا متصرف امین رہتا ہے۔ وہ خود اپنا امین ہو سکتا ہے یعنی وہ اپنی حیات مین جائداد موقوفہ کی آمدنی اپنے فائدہ کیلئے مخصوص کرسکتا ہی گو شرعاً واقف کو ایسا کرنیکا اختیار ہے یعنی یہ کہ اپنے فائدہ کیلئے کل یا بعض آمدنی جائداد موقوفہ کو اپنے لیے مخصوص کرے تاہم وہ جائداد اوسکے ہاتھ مین مثل امانت کے رہیگی وہ اسے بیع کرسکتا ہے نہ رہن کرسکتا ہے نہ اسپر کوئی معاوضہ عائد کرسکتا ہے نہ اسے کسیطرح پر کم قیمت کرسکتا ہے واگر وہ ان باتون مین سے کوئی بات کرے تو اون اشخاص کو جنکو جائداد وقف مین بعد واقف کے کوئی حق ہے یہ حق بھی حاصل ہے کہ اوسکے ہاتھ سے جائداد دیگر کسی متولی کے سپرد کرین یا خود جائداد وقف کا محاصل وصول کرین و بعد منہائے اخراجات ضروری کے جو بچ رہے واقف کے حوالہ کرین۔ گو عین وقفی کو واقف کی ملک سے خارج کرنے کے لیے امام محمد کے نزدیک یہ ضرور ہے کہ جائداد وقف کسی متولی کے سپرد کیجائے اور واقف کی دوسری جائداد سے تقسیم ہوکر علیحدہ ہو گئی ہو (یعنی وقف مشاع نہو) لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف قول سے ملک زایل ہو جائیگی کیونکہ یہ بمنزلہ اعتاق کے ہے یعنی بمنزلہ غلام آزاد کرنے کے۔ خلاصہ مین ہے کہ مشایخ بلخ ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہین۔ و صدر الشہید نے کہا ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور فتح القدیر مین ہے کہ امام ابو یوسف کی رائے صحیح مانی گئی ہے اور مشایخ بلخ اسی پر فتوی دیتے ہین۔ لیکن مشایخ بخارا امام محمد کے قول پر فتوی دیتے ہین۔ اور شرح وقایہ و شرح ملا خسرو یعنی دار الاحکام مین ہے کہ فتوی ابو یوسف کے قول پر ہے۔

اس سوال پر کہ وقف کے جواز کے لیے متولی کو جائداد موقوفہ سپرد کرنا ضرور ہے یا نہین -

ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر -

بمقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر جسکو سپریم کورٹ نے فیصل کیا تہا - ریان صاحب چیف جسٹس نے بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے - یہ تجویز بہت اہم ہے اسلیئے ہم اوسکو پوری نقل کیے دیتے ہین

"اس مقدمہ کے واقعات کو جو سماعت کے وقت ثابت ہوئی ہین بیان کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ فریقین مین امر متنازعہ اب صرف یہ ہے کہ دستاویز مورخہ یکم مارچ سنہ ۱۸۳۲ء کی صحیح تعبیر کیا ہے منجانب ٹھیکہ دہندہ مدعی کے یہ حجت کیجاتی ہے کہ دستاویز مذکور صرف ایک دستاویز ہبہ ہے جو مرض الموت مین لکھی گئی ہے اور اسلیئے اس دستاویز کے ذریعہ سے صرف ایک ثلث جائداد منتقل ہو سکتی ہے اور بقیہ دو ثلث جائداد متنازعہ مدعی کے قایم مقامون کو ملنی چاہیئے - اور یہ بہی بحث کی گئی ہے کہ وقف قایم کرنے کے لیے اس دستاویز مین چند باتون کی کمی ہے جنکا ہونا بموجب شرع محمدی کے ضرور ہے - اولاً یہ کہا جاتا ہے کہ مذہبی اغراض کے لیے وقف کرنے والا شرع محمدی کے مطابق کوئی حصہ جائداد موقوفہ کا اپنے فائدہ کے لیے اپنی حیات تک مخصوص نہین کر سکتا جیساکہ اس دستاویز کا منشا رہے - ثانیاً جواز وقف کے لیے یہ لازمی شرط ہی کہ جائداد متولی کے سپرد کی گئی ہو لیکن اس مقدمہ مین اس قسم کی کوئی حوالگی عمل مین نہین آئی بلکہ وقف کنندہ نے خود اپنے آپ کو اپنی حیات مین اسکا متولی قرار دیا ہے -

ثالثاً یہ بہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک عورت جو اس مقدمہ مین واقف اور اپنی حیات تک متولی ہے شرع محمدی کے بموجب متولی نہین ہو سکتی ہے -

مدعا علیہ کی جانب سے یہ بحث کیجاتی ہی

اولاً یہ دستاویز وقف نامہ ہے نہ وصیت نامہ -

ثانیاً اس دستاویز کی روسے کل حقیت واقف کی ملک سے زائل ہوگئی اور بموجب شرع محمدی کے یہ جائز وقف ہے یعنی خدا کی ملک مین یہ جائداد دی گئی ہے اور اسی لیے تجویز عدالت ماتحت بحال رہنی چاہیئے۔

اول سوال کی نسبت یعنی دستاویز وقف نامہ ہے یا وصیت نامہ۔ عدالت کو کچھ بھی شبہہ نہین ہے مولویون نے دستاویز کی نوعیت کی نسبت جو رائے دی ہے وہ بہت صحیح ہے وے کہتے ہین کہ یہ کاغذ دستاویز وقف ہے۔ کیونکہ خود واقفہ کہتی ہے کہ اوس نے وہ کچھ زمین اپنی زندگی مین وقف کی ہے "اور پہر آخر مین لکھتی ہے وہ کہ یہ چند کلمے بطور دستاویز وقف کے لکہ گیے ہین تاکہ جب کبھی ضرورت پیش آئے تو سند رہے" مولوی کہتے ہین کہ اگر مساۃ نے یہ کہا ہوتا کہ یہ وقف میری زندگی کے بعد وقوع مین آئے گا تو یہ وصیت ہوجاتی یا اگر یہ وقف ایسی بیماری کی حالت مین کیا گیا ہوتا جس بیماری سے وہ بالآخر مرگئی۔

یہ امر بھی ویسے ہی صاف اور بلاحجت ہے کہ عورت متولی ہوسکتی ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لیے اسناد کے حوالہ دینے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ مسٹر میکناٹن کی کتاب صفحہ ۳۴۳ کے نوٹ مین گدی نشین و متولی کا فرق بیان کیا گیا ہے اوسی مقام پر صاحب موصوف لکھتے ہین کہ عورت متولی ہوسکتی ہے اور اوس عہدہ کی خدمات نائب کی معرفت انجام دلاسکتی ہے۔ مساۃ حیاتی خانم بنام مساۃ کلثوم خانم[۵۱] کے مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی ہے کہ تمام اسناد سے یہ ثابت ہے کہ عورت متولی ہوسکتی ہے دیکھو فتاوی عالمگیری۔

دو بقیہ دو سوال جسکی بابتہ بحث ہوئی ہے یعنی یہ کہ واقف و متولی ایک ہی شخص ہے

---

۵۱ سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۸۵

اور ثانیاً یہ کہ واقف نے جائداد موقوفہ کا ایک حصہ اپنی حیات مین اپنے فائدہ کے لیے مخصوص رکہا ہے زیادہ مشکل اور مشتبہ ہین - ہدایہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان دونون مسئلون مین بڑے بڑے آئمہ کے درمیان اختلاف ہے - جس کتاب کا مین حوالہ دیتا ہون وہ میری راے مین اوس وقعت سے بہت زیادہ کی مستحق ہے جو مسٹر ایڈوکیٹ جنرل اوسکو دینا چاہتے ہین - مسٹر ہملٹن نے اس کتاب کی تمہید مین جو سترہوین صدی کی اخیر مین تالیف ہوئی ہے بیان کر دیا ہے کہ شرع محمدی مین اس کتاب کا کیا پایہ ہے اس کتاب مین ابو حنیفہ یا اونکے بڑے شاگردون کی راے کو وقعت دی گئی ہے - اون شاگردون مین سے سب سے زیادہ ممتاز دو شاگرد ہین یعنی ابو یوسف و محمد - اور ہدایہ مین اونہین کے اختلاف آرا کی نسبت مین نے حوالہ دیا ہے جسکے باعث یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ دستاویز بموجب شرع محمدی کے صحیح وقف نامہ ہے یا نہین -

"ایسا وقف جسمین واقف نے اپنی حیات مین اپنے لیے کچھ مخصوص کیا ہو محمد کے نزدیک ناجائز ہے اور اونکے نزدیک جائداد موقوفہ کو متولی کے سپرد و حوالہ کرنا بھی لازمی ہے ابو یوسف ان دونون امور مین محمد سے اختلاف کرتے ہین - اپنے مولویون کے ذریعہ سے جو واقفیت ہمکو حاصل کرنی ممکن تھی اوسکے حاصل کرنے اور جملہ اسناد کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہماری یہ راے ہے کہ ان دونون باتون مین ابو یوسف کی راے کو قانون مروجہ خیال کرنا چاہیئے جسکی تائید حال کی اسناد سے ہوتی ہے - مترجم ہدایہ کا (جسکی ایک حد تک سند مانی جا سکتی ہے) رجحان ابو یوسف کی راے کی طرف پایا جاتا ہے جیسا کہ اوسکے نوٹ سے جو صفحہ ۱۵۳ پر ہے ظاہر ہوتا ہے - اور اس امر کے متعلق کہ متولی کے حوالگی جواز ہبہ (یعنی وقف) کے لیے لازمی شرط ہے یا نہین "ہدایہ مین ابو یوسف کا قول مرجح قرار دیا گیا ہے"

متن ترجمہ مین یہ لکھا ہے کہ ابو یوسف کی راے بالعموم صحیح تسلیم کی گئی ہے - لیکن ہم نے اپنے مولویون کو یہ ہدایت کی ہی ان دونون امور پر اپنی راے بحوالہ اسناد کے تحریر کرین - اور اسناد کی نسبت خواہ چہپی ہون یا قلمی - ہمنے مترجمون کو حکم دیا ہے کہ انگریزی زبان مین ترجمہ کرین - گو مولویون نے اپنے جواب کو حنیفہ کے دو ذی علم شاگردون کے اختلاف راے سے شروع کیا ہے مگر جن اسناد کا اونہون نے حوالہ دیا ہے اون سے ہمکو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین علما کے نزدیک اس معاملہ مین ابو یوسف کی راے زیادہ صحیح قانون ہے -

"چند اسناد مطبوعہ ہین اور منجملہ اونکے خاصکر ایک جو ابو یوسف کے قول کی تائید مین ہے اوسکی نسبت مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہین ہے کہ شرع محمدی مین بہت مستند کتاب ہے وہ کتاب فتاوی عالمگیری ہے - جو کہ شرع محمدی مین فتاوی ورایون کا مجموعہ ہے جسکو خاندان مغلیہ کے سلطان اورنگ زیب کے حکم سے شیخ نویان و دیگر عالمون نے جمع کیا تھا - مین خیال کرتا ہون کہ سترہوین صدی کے اخیر مین یہ تالیف ہوئی تہی اور بلاشبہہ اس زمانہ کے مروجہ شرع محمدی مین بہت مستند کتاب ہے"

"عدالت کے مولویون سے سوالات ذیل کی نسبت استصواب راے کی گئی تہی

اول - آیا بموجب شرع محمدی کے وقف خیراتی اغراض کے لیے جائز ہے یا نہین جبکہ واقف نے اپنی حیات مین اپنے واسطے کچھہ لگان و منافع مخصوص کیا ہو -

دوم - آیا وقف کے جواز کے لیے یہ لازمی شرط ہے - کہ جائداد موقوفہ مثل ہبہ کے دوسرے کے حوالہ کیجاے -

سوم - آیا واقف اپنے کو شرعاً متولی قرار دیسکتا ہے یا نہین -

چہارم - آیا عورت کا متولی ہونا جائز ہے یا نہین -

پنجم۔ آیا دستاویز متنازعہ وقف نامہ ہے یا وصیت نامہ۔
سوالات مذکورہ بالا کی نسبت مولویون نے حسب ذیل جواب دیے اور وہ باضابطہ شامل مثل کیے گئے۔
اول۔ ایسے وقف کی نسبت جسمین واقف نے جائداد موقوفہ کے محاصل یا منافع کا ایک جزو خود اپنی پرورش کے لیے مخصوص کیا ہو ابو یوسف و محمد کے درمیان اختلاف راے ہے۔ ابو یوسف اس فعل کو جائز کہتے ہین و محمد ناجائز۔ عالمون کے فتوون مین ابو یوسف کی راے قایم رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ شرح وقایہ کی شرح یعنی چلپی و فتاوی عالمگیری و قاضی خان و کافی مین ہے۔
دوم۔ ابو یوسف کے نزدیک مال غیر منقول جو وقف کیا گیا ہے اوسکو متولی کے حوالہ کرنا ضرور نہین ہے۔ اس امر مین محمد کی راے اونکے خلاف ہے لیکن عمل درآمد ابو یوسف کی راے پر ہے جیسا کہ مونیہ۔ فتح القدیر۔ سراج الوہاج و ہدایہ سے ثابت ہوتا ہے۔
سوم۔ واقف کے لیے جائز ہے کہ خود متولی ہو اور جائداد موقوفہ کے کسی جزو کے محاصل کو اپنے فائدہ یا اپنی اولاد کے فائدہ کے لیے مخصوص کرے جیسا کہ ہدایہ و قاضی خان و عالمگیری مین ہے۔
چہارم۔ عورت کے لیے جائز ہے کہ متولی ہو جیسا کہ فتاوی عالمگیری و دوسری فتاوی و کتابون مین ہے۔
پنجم۔ دستاویز وقف نامہ ہے۔ اِس کاغذ کے مضمون سے ہماری یہ راے ہے کہ وقف نامہ ہے نہ کہ وصیت نامہ کیونکہ خود وقف کرنے والی تحریر کرتی ہے کہ ”اوس نے چند اراضی اپنی زندگی مین وقف کی ہے“ اور دستاویز کے اخیر مین لکھتی ہے ”اسلیے یہ چند سطر بطور وقف نامہ کے لکھدیا“ یہ دستاویز وصیت نامہ ہو جاتی اگر اوس نے

یہ لکھا ہوتا کہ وقف اوسکی موت کے بعد وقوع مین آئیگا یا ایسے مرض مین لکھا ہوتا جس مرض سے بالاخر اوسکا انتقال ہوا۔

ان صورتون مین اس دستاویز سے قانون وصیت متعلق کیا جاتا۔

اسناد ذیل کا مولویون نے حوالہ دیا۔

اول۔ عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۴۹۵ سطر ۱۰ لغایتہ ۱۲ "جب کسی اراضی کا یا اور کسی جائداد کا وقف کیا جاوے اور وقف کرنے والا اوسکا کل محاصل اپنے لیے یا صرف اوسکا ایک جزو اپنی حیات مین مخصوص کرے اور اپنے مرنے کے بعد ساکین کے لیے تو اوسکی بابتہ ابو یوسف کہتے ہین کہ وہ یہ وقف صحیح ہے" اور مشائخ بلخ نے (توران کا ایک شہر) ابو یوسف کی اس راے کے موافق فتوی دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے تاکہ لوگون کو وقف کرنے کی ترغیب ہو۔ مطبوعہ حلبی شرح وقایہ کی شرح صفحہ ۴۲۵ سطر ۲۷ لغایتہ ۲۸۔

ابو یوسف کے نزدیک واقف کو جائز ہے کہ کل محاصل اپنی ذات پر خرچ کرے اور خود آپ متولی بنے لیکن محمد کی راے مین صحیح نہین ہے۔ صدر الشہید نے کہا کہ فتوی ابو یوسف کے قول پر ہے۔

قلمی نسخہ کافی صفحہ ۵۶۸ سطر ۵ و ۶۔

واقف اگر اپنی ذات پر محاصل وقف خرچ کرے تو ابو یوسف کے نزدیک ایسا کرنا صحیح ہے ومشائخ بلخ اسی پر ہین۔ اور فتوی بھی اسی قول پر ہے۔

قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۵ سطر ۲ لغایتہ ۵۔

ہلال کے نزدیک یہ صحیح نہین ہے کہ وقف کرنے کے وقت واقف یہ شرط کرے کہ وہ محاصل وقف کو اپنی زندگی مین اپنے اوپر صرف کریگا۔ لیکن ابو یوسف کے نزدیک ایسا کرنا صحیح ہے مشائخ بلخ نے ابو یوسف کی راے کی تقلید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ وقف

اور شرط دونون صحیح ہین اور صدر الشہید نے کہا کہ ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔

دوم۔ قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۱۲ سطر ۲ و ۳۔

"ابو یوسف کے نزدیک متولی کے حوالہ کرنا ضرور نہین ہے اسلئے واقف متولی ہونیکا حق رکہتا ہے گو اوس نے صاف طور پر تولیت اپنے واسطے مخصوص نہ کی ہو۔ وشایخ بلخ نے ابو یوسف کی راے کی پیروی کی ہے۔

عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۴۵۵ سطر ۱۳ و ۱۴۔

اگر کسی نے کہا کہ "مین نے یہ جائداد وقف کردی" تو مجرد اس قول کے واقف کی ملک جائداد سے زایل ہوجاتی ہے۔ یہ امام ابو یوسف و امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل کے نزدیک ہے۔ واکثر علما و مشایخ بلخ کی راے اسی کے موافق ہے اور مونیہ مین لکہا ہے کہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اور ایسے ہی فتح القدیر و سراج الوہاج مین لکہا ہے کہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

سوم۔ سوال نمبر سوم سے بہی اسناد مذکورہ بالا متعلق ہین۔

چہارم۔ عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۵۰۴ سطر ۱۵۔

اس "امر مین مرد و عورت برابر ہین"

پنجم۔ عالمگیری صفحہ ۴۵۵ سطر ۶ و ۷۔

"اگر واقف کی موت کے بعد وقف کا وقوع مین آنا ملتوی رکہا گیا ہے یعنی اگر اوس نے یہ کہا کہ "میری موت پر میر امکان فلان شخص کے لیے وقف ہے" اور پہر واقف مرجاے تو وقف صرف ایک ثلث کی نسبت صحیح ہے۔

اوسی کتاب کی سطر ۹ و ۱۰۔

اگر اوس شخص نے حالت مرض مین جس سے وہ بالآخر مر گیا وقف کو اپنی موت پر معلق

کیا تو اس صورت مین قاعدہ مذکورہ بالا متعلق نہ ہوگا؟[۱]

وقف مجہول نہ ہو — فتاوی عالمگیری مین ہے کہ یہ بھی شرط ہے کہ مال موقوفہ مجہول نہ ہو پس اگر اپنی اراضی کو وقف کیا مگر اوسکو بیان نہ کیا تو وقف باطل ہے۔ اگر کسی مکان مین اپنا حصہ وقف کیا مگر اپنے سہام نہ بیان کئے تو استحساناً جایز ہے۔

وقف کسی شرط پر معلق نہ ہو — یہ بھی شرط ہے کہ وقف منجز ہو یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہو مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میرا لڑکا آگیا تو میرا یہ مکان مسکینون کے لیے صدقہ موقوفہ ہے پھر اوسکا لڑکا آگیا تو وقف نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر یہ کہا کہ کل کا روز آئے تو میری زمین صدقہ موقوفہ ہے یا اگر یہ کہا کہ تو چاہے یا پسند کرے تو میری زمین وقف ہے تو یہ وقف باطل ہے۔ لیکن اگر کسی نے کہا کہ یہ مکان اگر میری ملک ہے تو صدقہ موقوفہ ہے پس اگر اس کلام کے وقت مکان اوسکی ملک تھا تو وقف صحیح ہے کیونکہ موجودہ شرط سے معلق کرنے مین درحقیقت کوئی تعلیق نہین ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر مین اس مرض سے مر گیا تو مین اپنی یہ زمین ضرور وقف کر گیا تو یہ وقف صحیح نہین ہے خواہ مرے یا اچھا ہو جائے۔ و اگر کہا کہ اگر مین اس مرض سے مر گیا تو تم اس زمین کو وقف کر دو تو یہ جائز ہے۔ دونون صورتون مین جو فرق ہے ظاہر ہے۔ یعنی اخیر صورت مین وقف کے واسطے وکیل کیا اور وکیل کی فعل کو اپنی موت پر مشروط کیا۔

یہ بھی شرط ہے کہ وقف کے ساتھ اوسکے بیع کرنے کی شرط اور زرثمن کو اپنی ضروریات مین

---

[۱] لیکن حال کے ایک فیصلہ مین لزوم وقف کی نسبت الہ آباد ہائیکورٹ نے امام محمد کے قول کو مرجح قرار دیا ہے یعنی یہ کہ واقف کو چاہیے کہ جائداد وقف کسی متولی کے سپرد کرے و اگر خود واقف اوسپر قابض رہا ہو تو وقف لازم نہ ہوگا۔ محمد عزیز الدین احمد خان بنام لیگل ریممبرنسر ممالک مغربی و شمالی ہفتہ وار ۹۳ء صفحہ ۱۰۹ و الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۳۲۱۔

صَرف کرنیکا ذکر نہ کرے۔ اگر ایسا کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

وقف بشرط خیار سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر واقف نے وقف مین اپنے لیے خیار کی شرط کی ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف و شرط دونون صحیح ہین بشرطیکہ خیار کے لیے کوئی وقت معین ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین اپنا مکان وقف کرتا ہون لیکن مجھے خیار حاصل ہے کہ تین روز مین اس وقف کو باطل کر دونگا۔ اگر خیار پر تین روز تک عمل نہین کیا تو بعد تین روز کے وقف قطعاً صحیح ہو گیا۔ لیکن اگر خیار کا وقت غیر معین و مجہول ہے تو وقف باطل ہے۔

فقیہ ابو جعفر فرماتے ہین کہ وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ہلال و امام محمد فرماتے ہین کہ خیار کی شرط سے وقف باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن یوسف ابن خالد کہتے ہین کہ تمام صورتون مین وقف صحیح ہوگا اور صرف شرط باطل ہوگی۔ اور اسی پر اجماع معلوم ہوتا ہے فتاوی قاضی خان۔

اگر کوئی شخص کسی خاص زمانہ کے لیے وقف کرے مثلاً ایک دن یا ایک مہینہ کے لیے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو یہ وقف ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ فلان خاص مہینہ کے لیے مین نے وقف کیا اور بعدہٗ وہ باطل ہوگا تو اس صورت مین وقف ابتدا ہی سے باطل ہے۔

دوسرے کی ملکیت وقف کرنا حنفی مذہب مین اگر دوسرے شخص کی جائداد وقف کی اور پھر اصل مالک اوسکی اجازت دیدے تو وقف صحیح ہے لیکن مذہب شافعی مین ایسا نہین ہے۔

نشی چیزونکا وقف گو شرعاً نشی چیزونکا وقف ناجائز ہے مگر شرع مین کوئی بات ایسی نہین ہے جس سے تاڑ و کھجور کے درختون کا وقف ممنوع ہو۔ محمد ضیاء الحق بنام بسنت وغیرہ[۵۱]

[۵۱] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۴۷۔

فصل ہشتم جسکا وقف جائز ہی وجسکا نہین جائز ہی

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ عقار مثل اراضی ومکانات ودوکانات کا وقف جائز ہے اور اسیطرح منقولات مین سے جو اس عقار کی تبعیت مین ہون اونکا وقف بھی بالتبع جائز ہوگا۔ مثلاً کسی اراضی کے ساتھ کارکن غلام وبیل وآلات کاشت وقف کیئے تو سب وقف ہوجائینگے۔

مال منقول کا وقف مال منقول کے وقف (یعنی جب کسی عقار کی تبعیت مین وقف نہ ہو بلکہ خود اوسی کا وقف مقصود بالذات ہو) مین دو صورتین ہین ایک یہ کہ جسکے وقف کا رواج نہین جیسے کپڑا وغیرہ تو ہمارے نزدیک اونکا وقف جائز نہین ہے۔ واگر اوس کا وقف متعارف ہے جیسے آرہ وبسولا وجنازے کے کپڑے ودوسری ضروری چیزین مثل ظروف ودیگچی واسطے غسل میت کے تو امام ابویوسف نے فرمایا یہ نہین جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز ہے اور ائمہ مشائخ جن مین امام سرخسی بھی ہین امام محمد کے قول کی طرف گیے ہین اور اونہین کے قول پر فتوی ہے۔ اگر مصحف یعنی کلام مجید کو اہل مسجد پر وقف کیا کہ اسکو پڑھا کرے یا حفظ کرے تو جائز ہے واگر مسجد پر وقف کیا تو بھی جائز ہے (بالاجماع) کتابون کے وقف مین اختلاف ہے اور فقیہ ابو اللیث نے اسکو جائز کہا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ یہ فتاوی قاضی خان مین ہے۔

ایک شخص نے ایک گاے اس شرط پر وقف کی کہ اوس کا دودھ وگھی مسافرون کو دیا جائے پس اگر ایسے مقام پر ہو جہان کے لوگون مین متعارف ہے تو جائز ہوگا جیسے سقایہ کا پانی جائز ہوتا ہے یہ ظہیریہ مین ہے۔

درمختار سپارہ ۲ صفحہ ۱۷۵- اسیطرح اوس مال منقول کا جسمین لوگون کا عمل جاری ہوگیا ہے یعنی جس منقول کا وقف کرنا مسلمین مین جاری ہوگیا ہو اوس کا وقف بالذات بہی صحیح ہے جیسے کلہاڑی و بسولہ وغیرہ-

سید امیر علی لکھتے ہین - منہہ الغفار مین ہے کہ ہمارے زمانہ مین روم یعنی ٹرکی مین درم و دینار کے وقف کرنیکا رواج ہے اور اسیلیے درم و دینار کا وقف امام محمد کے قول مین داخل ہے - کیونکہ امام موصوف فرماتے ہین کہ تمام چیزین جنکی ضرورت کاروبار مین پڑتی ہے اونکا وقف صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے[۱] - فتح القدیر مین ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک ایسے مال منقولہ کا وقف جو معمولاً انسان کے استعمال مین رہتے ہین صحیح ہے امام شافعی فرماتے ہین کہ تمام چیزین جنکی بیع جائز ہے اور جو اپنی اصلی حالت مین اپنے منافع سے یا کسی دوسرے طریق پر وقتاً فوقتاً مرمت کرنے سے قایم رہ سکتی ہین اونکا وقف جائز ہے اور یہی قول امام مالک و امام احمد بن حنبل کا ہے . . . . زیورات وقف ہوسکتے ہین کیونکہ حضرت حفصہ دختر حضرت عمرؓ نے اپنے زیورات وقف کردئے تہے اور زیورات وقف کرنے کا رواج تھا - ہدایہ مین ہے کہ امام محمد نے کہا کہ گھوڑے و ہتیاروں کا حبس جائز ہے یعنی اونکو وقف کرنا جائز ہے اور مشایخ کے قول کے مطابق امام ابو یوسف بہی اونکے ساتھ ہین اور یہ حکم استحساناً ہے . . . . و امام محمد سے روایت ہے کہ جن منقولات مین عمل جاری ہے اونکا وقف بہی جائز ہے جیسے کلہاڑی و بسولا و آرا و تابوت معہ اپنے کپڑے و پتیلیان و دیگین و مصحف مجید - و امام ابو یوسف کے نزدیک یہ نہین جائز ہے یعنی خلاف قیاس ہی اور قیاس جب ہی ترک کیا جاتا ہے جب نص وارد ہوا در نص صرف گھوڑے و ہتیار مین

[۱] منہہ الغفار و تنویر الابصار ایک شخص کی تصنیف سے ہے یعنی شیخ شمس الدین بن عبد اللہ الغازی کے درالمختار تنویر الابصار کی شرح ہے و ردالمختار درالمختار کی شرح ہے -

وارد ہے۔ سید امیر علی لکھتے ہین کہ سنیون کے اصول کے مطابق مال منقولہ کا وقف بشمول درم و دینار یعنی زر نقد کے صحیح ہونا غایۃ البیان و دیگر کتب سے ثابت ہوتا ہے اِن اصول کی بناء پر حنفی شرع مین گورنمنٹ سکوریٹیز و حصص کمپنی وڈبینچر و دیگر اسٹاک کا وقف جائز و صحیح ہے (و قدیم حنفی علماء مین سے ایک یا دو نے چند قسم کے مال منقولہ کے وقف کی صحت کی نسبت جو اشتباہ ظاہر کیا ہے درحالانکہ چند مال منقولہ کا وقف اونکے نزدیک بھی صحیح ہے)۔ وہ اوس زمانہ کی سوسائٹی کی ابتدائی و غیر منتظم حالت کا نتیجہ ہے اور اوس شبہہ کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ وقف کی صحت کے لیے اوسکا دوامی ہونا شرط ہے اور مال منقولہ کے وقف مین عام طور پر یہ شرط نہین پائی جاتی۔ لیکن جب زمانہ مابعد مین مسلمانون کی فتوحات زیادہ ہوئین اور تجارت کو بہت وسعت ہوئی تو اس ضرورت کو ہر شخص نے تسلیم کر لیا کہ تمام چیزین جنکی ضرورت روزانہ کاروبار مین پڑتی ہے یا جن چیزون کا وقف کرنا کسی خاص مقام مین رائج ہے اونکا وقف صحیح ہے۔ ہر محقق کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ عرف و رواج پر خیال کرنا شرع محمدی مین بہت اہم ہے۔ مثل استحسان کے عرف پر خیال کرنا بھی ترقی کی روح ہے۔ اِسکے ذریعہ سے مسلمانون کے لیے آیندہ ترقی کرنیکا راستہ بہت وسیع ہو جاتا ہے"

جائداد مرہونہ کا وقف اگر وقف کے وقت جائداد موقوفہ رہن ہو تاہم وقف صحیح ہے۔ یہ وقف تابع رہن کے رہیگا اگر رہن کرنے کے بعد واقف جائداد مرہونہ کو وقف کرے اور کافی ترکہ چھوڑ کر مرے تو اوسکے ورثا پر واجب ہے کہ اوس ترکہ سے رہن کا انفکاک کرائین تاکہ وقف پر سے رہن کا بار جاتا رہے۔ لیکن اگر کوئی ترکہ واقف نے نہین چھوڑا تو مرتہن جائداد کو بعلت زر رہن نیلام کرا سکتا ہے اور وقف باطل ہو جائے گا لیکن فاضل زر ثمن جو ورثا واقف کو ملا وہ وقف کا تابع ہے[۵۱] فتاوی عالمگیری مین ہے کہ واقعات مین مذکور ہے

[۵۱] ماجرہ بیگم بنام خواجہ حسین علیخان بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۳۲۰ یا بنگال ریورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۹۸۹۔

کہ ہلال بصری رحنے اپنے وقف مین ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی نے فقط عمارت کو بدون اصل کے وقف کیا تو نہین جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔

درالمختار صفحہ ۵۷۷ و۔ کسی شخص نے زمین پر عمارت بنائی پھر تنہا عمارت کو بلا اوس زمین کے جسپر وہ تعمیر ہوئی ہے وقف کیا اگر وہ زمین کسی کی ملکیت ہے یعنی وقف نہین ہے تو اکثرون کے نزدیک وقف صحیح نہین اور دوسرا قول یہ ہے کہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قاری ہدایہ[۵۱] سے عمارت و اشجار کو بدون زمین کے وقف کی نسبت سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ اوسکے صحیح ہونے پر فتویٰ ہے اور اسیکو ترجیح دی شارح وہبانیہ نے اور مصنف نے اپنی شرح مین اسیکو ثابت رکہا ہے اس دلیل سے کہ عمارت و اشجار مال منقول ہین اور اوس کے وقف مین عرف جاری ہے تو اسکا فتویٰ دینا متعین ہو گیا۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر موقوفہ زمین مین کسی نے عمارت بنائی اور اوسکو اوسی جہت پر وقف کیا جس جہت پر وہ زمین وقف ہے تو اوسکی تبعیت مین اوس کا وقف بھی بلا اختلاف جائز ہوگا اور اگر کسی دوسری جہت پر وقف کیا تو اوسکے جواز مین اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ جائز نہ ہوگا۔ و اگر کوئی درخت لگایا پھر اوسے وقف کر دیا پس اگر درخت زمین موقوفہ مین نہین ہے اور اوس درخت کو معہ اوسکے موضع زمین کے وقف کیا یا جس قدر زمین مین اوسکا قیام ہے تو زمین کی تبعیت مین بحکم اتصال یہ درخت بھی وقف ہو جائیگا و اگر درخت کو بدون اصل زمین کے وقف کیا تو صحیح نہین ہے۔ و اگر درخت وقف کی زمین مین ہے اور درخت کو اوسی جہت پر وقف کیا جس جہت پر زمین وقف ہے تو جائز ہے جیسے عمارت مین جائز ہے

[۵۱] قاری ہدایہ کا نام سراج الدین ہے وہ شاگرد ہین اکمل کے و اوستاد ہین فتح القدیر کے چونکہ ہدایہ کو انہون نے اپنے اوستاد سے اٹہارہ بار پڑہا تہا اسلئے ملقب بہ قاری ہدایہ ہو گئے۔

واگر کسی دوسری جہت پر وقف کیا تو ویسے ہی اختلاف ہی جیسا عمارت مین مذکور ہوا - یہ ظہیریہ مین ہی -
سید امیر علی لکھتے ہین کہ عمارت کو بدون اصل کے وقف کرنے مین علماے متقدمین کے
درمیان اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف آسانی سے رفع ہوسکتا ہے اگر اوس اصول کو
جو ایسے وقف سے متعلق ہے صحیح طور پر سمجھا جاے - علامہ قاسم کے نزدیک ایسا وقف
صحیح نہین ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے اس امر مین محمد و ہلال ابن یحیٰی
بصری کے قول پر فتویٰ دیا ہے - لیکن ردالمختار مین ہے "ذخیرہ کے حوالہ سے بحرالرائق
مین لکھا ہے کہ جس جگہہ عمارت کو بلا اوس زمین کے جسپر اوسکی تعمیر ہوئی ہے وقف کرنے کا
رواج ہے وہان صرف عمارت کو بلا زمین کے وقف کرنا صحیح ہے لیکن جہان ایسا
رواج نہین ہے وہان تنہا عمارت کا وقف صحیح نہ ہوگا"
مصنف ردالمختار لکھتا ہے "جس جگہہ مال منقولہ کے وقف کرنیکا رواج ہے وہان مال منقولہ
کا وقف کرنا صحیح ہے - اسلیے عمارت کا وقف بلا زمین کے بھی صحیح ہے بشرطیکہ ایسا رواج
ہو - اور یہ قول ادن لوگون کی راے کے خلاف نہین ہے جو اس قسم کے وقف کے
عدم جواز کے قائل ہین - کیونکہ جواز و عدم جواز کا مسئلہ تو خاص اوس مقام کے رواج کی بناء پر
طے ہوگا جس جگہہ کہ وقف کیا گیا ہے - اگر اوس مقام کے باشندے اس قسم کے وقف
کرنے کے عادی ہین تو شرع اونکے جواز کا حکم دیگی"
اب اس زمانہ مین اگر عمارت بلا زمین کے وقف کی گئی تو وقف صحیح سمجھا جاتا ہے اور اسی پر
فتویٰ ہے - جوہرۃ النیرہ -
فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے اپنی زمین وقف کی تو اس زمین مین جو عمارات و
درختان خرما و دیگر اشجار ہونگے وہ سب داخل وقف ہونگے - خصاف نے بیان کیا ہے
کہ درختون کے وقف کرنے مین جو پھل اونپر اوسوقت موجود ہین وہ داخل وقف نہین ہوتے

اور یہی اکثر مشایخ کا قول ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنی یہ زمین معہ اوسکے حقوق و تمام اوس چیز کے جو اوسمین یا اوس سے ہے صدقہ موقوفہ وقف کی اور وقف کے روز اوس اراضی کے درختون مین پہل موجود ہین تو ہلال رحمۃ نے فرمایا کہ استحساناً اس پر لازم ہے کہ اون پہلون کو فقیرون و مسکینون پر صدقہ کردے نہ بطور وقف کے بلکہ بطور نذر کے پہر اسکے بعد جو پہل اسمین پیدا ہونگے وہ اپنے وجوہ پر صرف کیے جاینگے جنکو اوس نے وقف مین بیان کیا ہے یہ فتاوی قاضی خان مین ہے۔

مشاع عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۴۷۸ - مشاع سے یہ مراد ہے کہ وقف کل جائداد موقوفہ مین پہیلا ہو وکسی حصہ مین منقسم و متعین نہ ہو۔ اور واضح ہو کہ محتمل قسمت یا لفظ قابل تقسیم سے یہ مراد ہے کہ بعد تقسیم کے اوس سے وہی فائدہ ہوسکے جو قبل تقسیم کے حاصل تہا و غیر قابل تقسیم سے یہ مراد ہے کہ بعد تقسیم کے وہ فائدہ نہ حاصل ہوسکے جو قبل تقسیم کے حاصل تھا۔

جو چیز غیر قابل تقسیم ہے اگر اوسکا کوئی غیر منقسمہ حصہ وقف کیا اور اس وجہ سے وقف اوس تمام شے مین شایع ہے تو یہ وقف بلا اختلاف کے جائز ہے مثلاً نصف حمام وقف کیا تو یہ وقف جائز ہے۔ ظہیریہ۔ جو چیز قابل تقسیم ہے اوسمین وقف مشاع امام محمد کے نزدیک جائز نہین ہے اور اسی کو مشایخ بخارا نے صحیح مانا ہے سراجیہ۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور متاخرین مشایخ نے اسپر فتوی دیا ہے اور یہی مختار ہے اور دونون امامون کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر مقسوم کو مسجد یا مقبرہ کر دینا مطلقاً جائز نہین ہے خواہ ایسی چیز ہو جو قابل تقسیم ہو یا ناقابل تقسیم ہو[۵۱] - فتح القدیر۔

---

[۵۱] دونون امامون کی رائے وقف مشاع مین معہ اونکے دلایل کے ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۶۴۴ مین حسب ذیل درج ہے وہ وقف مشاع امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ بٹوارہ تو اوسپر قبضہ ہونیکا متمم ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب وقف کے لیے قبضہ شرط نہین ہے تو قبضہ کا تتمہ بھی شرط نہین۔ و امام محمد

بنا بر قول امام محمد اگر ایک اراضی دو شخصون مین مشترک ہے پس دونون نے اوسکو صدقہ موقوفہ خواہ مسکینون پر یا جس راہ خیر پر وقف جائز ہے دونین کسی راہ پر وقف کر دیا اور دونون نے اوسکو قیم کے سپرد کر دیا تو جائز ہے اسواسطے کہ امام محمد کے نزدیک وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ — کے نزدیک وقف مشاع جائز نہین کیونکہ اونکے نزدیک قبضہ شرط ہے تو جبتک قبضہ پورا ہو وہ ہی شرط ہے - اور یہ اختلاف ایسی جائداد مین ہے جو قابل قسمت ہے اور جو چیز ناقابل تقسیم ہو تو اوسکا وقف امام محمد کے نزدیک باوجود مشاع ہونے کے ہی صحیح ہے کیونکہ امام محمد ایسے وقف کو ایسے ہبہ و صدقہ پر قیاس کرتے ہین جو سپرد کر دیا گیا ہو پھر امام ابو یوسف نے مسجد و مقبرہ کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی اگر کسی زمین مشترک کو جو ناقابل تقسیم ہے مسجد یا مقبرہ کے واسطے وقف کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک بھی نہین جائز ہے اسلیے کہ شرکت باقی رہنے سے خالصاً للہ تعالیٰ ہونے سے مانع ہے اور اس لیے کہ مسجد و مقبرہ کی نسبت باری باری نفع اوٹھانے کا معاہدہ کرنا نہایت قبیح ہے مثلاً ایک سال اسمین مردے دفن کیے جائین اور دوسرے سال اسمین زراعت کیجاے یا ایک سال اسمین نماز پڑہی جاوے اور دوسرے وقت وہ اصطبل بنایا جاوے - ناقابل تقسیم زمین کو مسجد و مقبرہ کے علاوہ دوسرے اغراض کے لیے وقف کرنے مین کوئی وقت نہین ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کرایہ یا اجارہ یا زراعت وغیرہ سے اوسکے حاصلات لیکر تقسیم کر لیے جائین - اگر ایک شخص نے ایک قطعہ زمین کل وقف کیا پھر ثابت ہوا کہ اوسکے جزو مین کوئی دوسرا مستحق ہے تو امام محمد کے نزدیک بقیہ جزو کا وقف بھی باطل ہوگا کیونکہ ثابت ہوا کہ وقف کے وقت شیوع تہا جیسے ہبہ مین ہوتا ہے یعنی ہبہ مشاع ہو تو وہ باطل ہوتا ہے اگر وقت ہبہ کے اوسمین شیوع ہے بخلاف اسکے اگر ہبہ کیوقت شیوع نہ ہو بلکہ بعد کو شیوع کو طاری ہو جائے تو ہبہ باطل نہین ہوتا جیسے کل ہبہ کیا پھر ہبہ کرنیوالے نے کسی جزو مین رجوع کر لیا یا مریض نے حالت مرض مین ہبہ یا وقف کیا اور وارث نے بعد فوت مریض کے دو ثلث پھیر لیا اور اوسکی ترکہ مین سوا اسکے کچھ نہین ہے تو ہبہ یا وقف باطل نہوگا - اگر وہ جزو جسمین استحقاق ثابت ہوا ہے کوئی جزو معین ہے جو باقی سے ممیز ہے تو باقی کا وقف باطل نہوگا کیونکہ یہ درحقیقت

شیوع جواز وقف کا مانع ہے جو قبضہ کے وقت ہو یا عقد کے وقت ہو اور صورت
مفروضہ مین شیوع کسی وقت نہین پایا گیا کیونکہ دونون نے ساتھ ہی وقف کیا اور
ساتھ ہی قیم کی سپرد کیا۔ فتاوی قاضی خان۔
اگر اپنے مکان یا زمین سے ہزار گز وقف کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے
پس تمام مکان یا زمین ناپی جائیگی پس اگر ہزار گز یا کم نکلا تو وہ سب وقف ہوگا اور اگر زیادہ
تو بقدر ہزار گز کے وقف ہوگا۔
اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنا حصہ اس مکان مین وقف کیا اور وہ مکان کا تہائی حصہ
ہے پھر بعد کو اوسکا حصہ مکان مین نصف یا دو ثلث نکلا تو یہ سب وقف ہوگا۔ فتاوی قاضی خان
اگر کسی نے اپنی وصیت مین لکھا کہ مین نے اپنی جائداد کا ایک ثلث یعنی ہزار درم فلان
شخص کے لیے چھوڑا اور بعد کو معلوم ہوا کہ ایک ثلث جائداد چار ہزار درم مالیت کی ہے
تو کل چار ہزار درم موصی لہٗ کو ملین گے۔ یہ شکل بیع کے خلاف ہے کیونکہ مشتری کو صرف
وہی رقم ملیگی جو نامزد کی گئی ہے۔ سید امیر علی جلد ا صفحہ ۲۱۳۔
اگر چند قطعہ زمین و مکانات دو شخصون مین مشترک ہین اور ایک نے اپنا حصہ وقف کیا
اور چاہا کہ اپنے شریک سے اس طرح تقسیم کرائے کہ اوسکا کل حصہ ایک زمین یا مکان
مین مجتمع کرے تو امام ابو یوسف و شیخ ہلال رح کے نزدیک جائز ہے۔ ظہیریہ۔
اگر دو شخصون مین ایک زمین مشترک ہے اور ایک نے اپنا حصہ وقف کر دیا ہے تو
امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے پھر اگر وقف کرنے والے نے اپنے شریک سے
بٹوارہ کیا اور بٹوارہ مین کسی قدر درم محدود و معلوم داخل کیا۔ (جیسا کہ تقسیم مین حصون کے
برابر کرنے کے لیے اکثر ہوتا ہے) تو اوسمین دو صورتین ہین۔ اگر وقف کرنے والے نے
زمین کا ایک ٹکڑا معہ اون درمون کے لیا تو نہین جائز ہے اسواسطے کہ جائداد موقوفہ مین

سے ایک جزو کا وہ بیچنے والا ہوا اور یہ فاسد ہے۔ اگر وقف کرنے والے نے درم دئے ہین تو جائز ہے اسواسطے کہ گویا اوس نے حصہ موقوفہ لیا۔ اور ایک ٹکڑا اراضی کا اپنے شریک کے حصہ سے بعوض درمون کے خریدکیا پس یہ جائز ہے پھر جو حصہ واقف کا ہی وہ وقف ہوگا اور جو اوس نے بعوض درم خریدا ہے وہ اوس کی ملک ہوگا۔ فتاوی قاضی خان۔

وقف عام سے میری مراد وہ وقف ہے جس سے غنی و فقیر یعنی تمام لوگ بلا کسی قید کے فائدہ اوٹھانے کے مستحق ہین کیونکہ اونکی ضرورت ہر شخص کو ہے۔ اور یہ وقف منجملہ اون تین قسمون کے ہی جسکو صاحب در مختار نے بیان کیا ہے تیسری قسم ہے اور جسکی مثال سید امیر علی حسب ذیل بیان کرتے ہین۔ (۱) مسجد و عیدگاہ (۲) امام باڑہ (۳) روضہ و درگاہ (۴) خانقاہ (۵) کاروان سراے و مسافرخانہ (۶) مدرسہ و مکاتب یعنی کالج و اسکول (۷) اسپتال و ڈسپنسری (۸) آبدار و نہر و سڑک و پل وغیرہ (۹) رباط (۱۰) قبرستان۔ گو باعتبار اپنی نوعیت کے ان چیزون کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے اور اس لئے اس سے فائدہ اوٹھانے کے سب مستحق ہین مگر واقف کو یہ اختیار ہے کہ تنہا مساکین و فقرا کے استعمال کے لیے ان چیزون کو وقف کرے اوس صورت مین صرف وہی اشخاص اوس سے فائدہ حاصل کرینگے۔ مثلاً اگر کوئی مدرسہ یا اسپتال خاص مساکین کے لیے مخصوص ہے تو اوس سے وہی لوگ نفع حاصل کرینگے۔

مسجد و اوسکے متعلقات

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے مسجد بنائی تو اوسکی ملکیت اوس سے زایل نہ ہوجائیگی تا وقتیکہ اوسکو اپنی ملک سے مع راستہ کے الگ نہ کردے اور اُسمین نماز پڑہنے کی عام اجازت نہ دے - اپنی ملکیت سے الگ کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ اوس سے خالص اللہ تعالی کے واسطے ہوجائے واذن نماز اس وجہ سے ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک اوسکی تسلیم بہی ضروری ہے اور مسجد کی تسلیم یعنی سپردگی اسطرح پر متحقق ہوتی ہے کہ بنانے والے کی اجازت سے اوسمین جماعت کے ساتھ نماز پڑہی جائے - و امام ابوحنیفہ سے اسمین دو روائتین ہین ایک وہ جو حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی کہ اوسکی اجازت سے اسمین دو زیادہ شخصون کی جماعت سے نماز پڑہنی شرط ہے جیسا کہ امام محمد کا قول ہے اور صحیح حسن بن زیاد ہی کی روایت ہے - فتاوی قاضی خان - تسلیم کے متعلق ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۶۵۳ مین یہ عبارت ہے - اسمین یعنی مسجد مین نماز پڑہنے کی یہ وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک سپرد کرنا ضرور ہے اور سپردگی مین شرط یہ ہے کہ اپنی قسم کی یعنی جس قسم کی سپردگی جس شے کے لائق ہے وہ پائی جائے اور مسجد کی صورت مین سپرد کرنا یہی ہے کہ اوسمین نماز پڑہی جائے - یا اس وجہ سے کہ جب قبضہ کرنا متعذر ہے تو مقصود کو قبضہ کا قایم مقام کیا گیا اور مقصود نماز ہے پہر جب ایک شخص نے اوسمین نماز پڑہ لی تو امام ابوحنیفہ سے ایک روایت مین ہے کہ یہی کافی ہے اور ایسا ہی امام محمد سے مروی ہے - کیونکہ کل جنس کا فعل متعذر ہے یعنی تمام نمازیون کا نماز پڑہ لینا محال ہے تو جنس کا ادنی ورجہ یعنی ایک شخص کا نماز پڑہ لینا کافی ہوگا - و امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اوسمین جماعت کے ساتھ نماز شرط ہے کیونکہ غالباً مسجد

اسی واسطے بنائی گئی۔

فتاوی عالمگیری مین ہے۔ کہ یہ بھی شرط ہے کہ اسمین نماز اذان واقامت کے ساتھ بالجہر ہو یعنی چھپ کر نہ ہو حتی کہ اوسمین ایک جماعت نے بدون اذان واقامت کے خفیہ بغیر جہر کے جماعت کی نماز پڑھ لی تو وہ امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک مسجد نہو جائیگی محیط وکفایہ اگر ایک شخص نے ایک ہی شخص کو موذن وامام مقرر کردیا اور اوس نے اذان دی اور اقامت کہی اور تنہا نماز پڑھ لی تو وہ بالاتفاق مسجد ہوجائیگی۔ کفایہ وہدایہ وفتح القدیر۔

قاضی خان مین ہے کہ اگر صرف ایک ہی شخص نے اذان واقامت سے مسجد مین نماز پڑھی تو یہ مسجد کی پوری سپردگی ہو گئی۔ اگر ایک شخص نے بھی کسی مسجد مین نماز پڑھی تو اس سے بالاتفاق وہ ایسی مسجد عام کے حکم مین داخل ہوجائیگی جو عبادت خدا کے لیے وقف کی گئی ہے۔ کیونکہ مسجد توصرف خدا کی ملک ہے جس سے عامۂ مسلمین کا ایک حق متعلق ہوتا ہے۔ اور صرف ایک ہی شخص خدا وبندون کی طرف سے وکیل ہوکر اس حق کو ثابت کرسکتا ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک جواز واقف کے لیے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور شے سپردگی لازم نہین ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص نے کوئی مسجد بنائی اور عام طور پر لوگون کو اسمین نماز پڑھنے کی اجازت دی تو یہ وقف ہوگئی اور اسی قول پر ہم فتوی دیتے ہین[1]۔ ہدایہ مین ہے کہ ”ابویوسف نے فرمایا کہ جب اوس نے یعنی بانی مسجد نے یہ کہا کہ مین نے اسکو مسجد کردیا۔ اوسکی ملکیت زائل ہوگئی کیونکہ سپرد کرنا ابویوسف کے نزدیک شرط نہین اور بندہ کی ملک ساقط کرنا اونکے نزدیک وقف ہے تو بندہ کے حق ساقط ہونے کے ساتھ ہی وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوجائیگی اور یہ صورت مثل اعتاق کے ہوگئی جسکا ذکر سابق مین ہوچکا۔“

---

[1] سید امیر علی جلد ا صفحہ ۳۰۶-۳۰۷ بحوالہ قاضی خان۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے اپنے درمیانی احاطہ یا مکان کو مسجد کیا اور لوگون کو اوسمین داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی پس اگر اوسکے ساتھہ راست شرط کردیا تو وہ بالاتفاق مسجد ہوجائیگی واگر راستہ شرط نکیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسجد نہوگی اور صاحبین کے نزدیک مسجد ہوجائیگی اور راستہ بدون شرط کے اسکا حق ہوجائیگا۔

اگر اسکا دروازہ بڑے راستہ کی طرف جدا کرکے بنادیا تو وہ مسجد ہوجائیگی ایسا ہی قاضی خان نے ذکر کیا۔ تاتارخانیہ

سید امیر علی لکھتے ہین اس لیے اگر کسی شخص نے اپنے مکان کے اندر کوئی مسجد بنائی تو یہ مسجد مسجد عام نہ ہوگی اور نہ اوس سے وقف عام کے قواعد متعلق ہونگے تا وقتیکہ اوسمین ایک بار غیرون کو داخل ہونے و نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ یہ کچھہ ضرور نہین ہے کہ اجازت صریح طور پر دیجائے مگر یہ ضرور ہے کہ اس مسجد کو مسجد عام کے حکم مین داخل کرنے کے لیے صراحتًا یا دلالتًا عام لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہو۔ گو عوام الناس کو کسی شخص کی ذاتی مسجد مین کوئی حق نہین ہوتا۔ تاہم اس پر وقف کا اطلاق پورے طور پر ہوتا ہے جسکی وجہ سے وارثان بانی مسجد کی ملک اس سے بالکل زائل ہوجاتی ہے۔ جس جگہہ ایکبار نماز پڑھی گئی تو اوسکو وقف ثابت کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ واقف کے وہ الفاظ ثابت کیے جائین جنکے ذریعہ سے وقف قایم کیا گیا ہے۔ مجرد نماز کا پڑھنا صحیح وجائز وقف ہونے پر ضمنًا دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی زمین کسی مسجد کی عمارت کی مرمت پر وقف ہو تو جائز ہے فتاوی قاضی خان۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر کسی شخص نے کوئی مسجد بنائی مگر اوسکا متولی کسیکو مقرر نہین کیا تو اوس مسجد کی تولیت بانی مسجد کو حاصل ہے۔

مکان کے کسی خاص کمرہ مین نماز پڑھنے کے متعلق احکام	اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل اسلام اپنے مکان مسکونہ مین نماز پڑھنے یا مراسم محرم ادا کرنے کے لیے کوئی کمرہ مخصوص کردیتے

ہین۔ ایساکمرہ داخل وقف نہین ہے اور نہ اوس سے ملکیت زائل ہوتی ہے ... شرع مین ایسا وقف جائز نہین ہے کہ مکان مسکونہ کا ایک جزو تو وقف ہوا اور دوسرا جزو واقف کے قبضہ و ملک مین ہو۔ مثلاً کسی مکان کے بالاخانہ یا حصہ زیرین کو مسجد کرنا جائز نہین ہے لیکن اوس صورت مین کہ کثرت آبادی کے باعث اوس مقام پر ایسا کرنا معمول ہو۔ امام ابو یوسف و امام محمد دونون کے نزدیک بغداد و ری مین اسطرح پر مسجد بنانا جائز تھا۔ کیونکہ اوس زمانہ مین ان مقامات کی کثرت آبادی کی وجہ سے ایسا رواج ہو گیا تھا۔ لیکن عبارت مذکورہ بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کو اپنے مکان مسکونہ کے کسی خاص حصہ یا کمرہ مین نماز پڑھنے یا دیگر مراسم مذہبی کے ادا کرنے کی ممانعت ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ تا وقتیکہ چند شرایط پوری نہ ہون اوسوقت تک وہ کمرہ یا حصہ مکان مالک مکان کے ملک مین داخل رہیگا منجملہ اون شرایط کے سب سے زیادہ لایق توجہ شرط یہ ہے کہ جو حصہ مکان کا وقف کیا گیا ہے وہ بقیہ حصہ مکان سے پورے طور پر علحدہ ہو سکتا ہو اور جب ایسا ہو سکتا ہو تو وقف صحیح ہے لیکن جب کل مکان مسجد یا مدرسہ یا امام باڑہ کے لیے وقف ہو اور صرف اوسکا ایک جزو وقف کے خاص اغراض مین مستعمل ہے اور بقیہ حصہ مین یا تو ملازمان وقف رہتے ہین یا وقف کے فائدہ کے لئے دوسرون کو کرایہ پر دیا جاتا ہے تو یہ وقف جائز ہے۔ صرف اس امر سے کہ مکان کے ایک جزو مین واقف بحیثیت متولی کے رہتا ہے وقف کے جواز پر کچھ اثر نہین رکھتا۔ مسجد و مقبرہ ہمیشہ اس طرح پر بنائے جاتے ہین کہ اوسکے حصہ زیرین یا بیرونی کو دوکاندار کرایہ پر لے سکین اور اسطرح سے جو کرایہ حاصل ہو اوسے مسجد و مقبرہ مین صرف کرین۔ اکثر حالتوں مین ان دوکانون کے سوائے اور کوئی دوسری شئے مسجد و مقبرہ پر وقف نہین ہوتی۔ ان دوکانون کے باعث

جیسا کہ بعض وقت خیال کیا گیا ہے وقف کے جواز پر کچھ اثر نہین ہوتا۔
جب مکان کا کوئی حصہ خادم کی سکونت کے لیے دیا گیا ہو تو خادم کو یہ اختیار نہین ہے
کہ وہ دوسرے کو کرایہ پر دے۔ خود خادم جب تک مسجد کی خدمت کرنا پسند کرین
اوس مکان یا کمرہ مین رہ سکتے ہین۔ لیکن وہ اس امر کے مجاز نہین ہین کہ اون کمرون
کو بلا اجازت متولی کے کرایہ پر یا کسی اور طرح پر دوسرون کو دین۔ چنانچہ ردالمختار
مین ہے ”جس طرح مسجد یا مدرسہ کا خادم اپنا وظیفہ دوسرے کو نہین دے سکتا
اسیطرح پر وہ اپنے رہنے کا کمرہ بھی نہین دے سکتا۔“
کالج اسکول و اسپتال وغیرہ کا حکم بھی مثل مسجد و دیگر مذہبی اوقاف کے ہے۔ انگریزی
خیال کے مطابق تو یہ چیزین دنیوی اغراض کے لیے وقف کیجا سکتی ہین مگر شرع
مین اسکا کوئی اعتبار نہین رکھا گیا ہے اور ان سب کی نسبت ایکسان حکم ہے۔

ایک منہدمہ مسجد کی قیمت سے دوسری مسجد تعمیر ہو سکتی ہے

قینیہ مین ہے کہ اگر کوئی مسجد یا حوض خراب ہو گیا اور لوگ اوس سے
بے پروا ہو گئے ہین تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسکو بیچکر اوسکی
قیمت دوسری مسجد یا حوض مین لگائے۔ اور اوسمین یہ بھی لکھا ہے اگر دو منہدم مسجدین
ہین اور کسیکو یہ نہین معلوم کہ اون کا وقف کرنے والا کون ہے تو قاضی کو اختیار ہے
کہ ایک کو بیچکر اوسکی قیمت دوسری مسجد کی تعمیر مین صرف کرے لیکن اگر واقف کا نام
معلوم ہے اور اوسکے وارث ہون تو یہ لوگ خود اجازت دے سکتے ہین۔
خانیہ (فتاوی قاضی خان) مین ہے ”کہ اگر کوئی مسجد منہدم ہو گئی ہے اور اوس جگہ کے
لوگ اسکی کچھ پروا نہین کرتے تو معاملہ قاضی کے روبرو پیش کیا جاوے تا کہ وہ اوسکو بیچکر
اوسکی قیمت دوسری مسجد مین لگانے کا حکم دے۔
جب کہ وقف (یعنی عمارت وقف) منہدم ہو گیا اور کوئی آمدنی نہین ہے جس سے اوسکی مرمت

یا دوبارہ تعمیر کیجا سکے تو بعض کا قول ہے کہ یہ واقف کا ہوگا اگر وہ زندہ ہے۔ یا اوسکے وارث کا اگر وہ مرگیا ہے۔ لیکن صدر الشہید نے اپنے فتوی مین کہا ہے کہ یہ قول لایق اعتراض ہے اور اصول کے خلاف ہے“ ردالمحتار مین ہے کہ ”اگر کوئی مسجد منہدم ہوگئی اور اوسکا بانی نہین معلوم ہوتا تو اہل محلہ قاضی کی اجازت سے اوسے فروخت کرسکتے ہین اور اوسکی قیمت دوسری مسجد کی عمارت مین صرف کرسکتے ہین۔ اگر مسجد کا فائدہ ہو تو اوسمین کنوان کھود سکتے ہین۔ واقف اپنے فائدہ کے لیے مسجد کا کوئی حصہ کرایہ پر نہین دے سکتا ہے۔ واگر مسجد باقی نہ رہے تو واقف اسے دوسرے مصرف مین نہین صرف کرسکتا ہے۔ مسجد سے کوئی مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاسکتا نہ یہ ٹھیکہ پر دیجا سکتی ہے اور نہ رہنے کے استعمال مین آسکتی ہے“

اگر کوئی مسجد خراب ہوگئی اور مسجد والے اوس سے بے پروا ہوگئے اور مسجد اس طرح خراب ہوگئی کہ اوسمین نماز نہین پڑھی جاسکتی ہے تو اسمین اختلاف ہے کہ وہ بنانے والے کے وارثون کی ملک مین عود کریگی یا نہین مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور فتوی اسی پر ہے۔ وامام محمد کے نزدیک وارثونکی ملک مین عود کرتی ہے دو مسجدون مین سے ایک قدیم ہے دوسری جدید۔ قدیم مسجد بسبب کنگی کے خراب و منہدم ہونے والی ہے اہل محلہ نے چاہا کہ اوسکو فروخت کرکے اوسکی قیمت جدید مسجد مین صرف کرین تو یہ نہین جایز ہے۔

ایک شخص نے اپنے مال مین سے مسجد مین فرش ڈلوایا پھر مسجد خراب ہوگئی اور لوگ اس سے مستغنی ہوگیے تو یہ فرش اوسی شخص کا ہوگا اگر زندہ ہے یا اوسکے وارث کا ہوگا اگر وہ مرگیا ہو۔ وامام ابو یوسف کے نزدیک وہ فروخت کرکے اوسکی قیمت مسجد کی ضروریات مین صرف کیجائیگی۔ اگر اس مسجد کو اوسکی ضرورت نہو تو دوسری مسجد کی ضروریات

مین صرف کیجائیگی - پہلا قول امام محمد کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے - فتاوی قاضی خان -
فقیہ ابو اللیث نے اپنے نوازل مین امام محمد کے قول کی توثیق کی ہے اور یہ لکھا ہے
کہ اگر فرش بنانے والا یا اوسکا وارث نہین ہے تو مطابق قول امام ابو یوسف کے عمل کیا جائیگا
مگر مختار یہ ہے کہ بغیر حکم قاضی اونکو ایسا کرنے کا اختیار نہین ہے - محیط سرخسی -
سید امیر علی لکھتے ہین کہ شرح ملتقیٰ مین ہے کہ اگر وقف کا مصرف زائل ہوجاے تو وقف
کی آمدنی ایسے مصرف مین صرف کرنی چاہیے جو ابتدائی مصرف کے ہم جنس ہو یا جنس
قریب سے ہو - مثلاً اگر وقف حوض کے لیے ہے تو آمدنی تالاب یا نہر مین صرف کیجاسکتی
ہے یا اگر کسی خاص مسجد کے لیے وقف تھا تو آمدنی دوسری مسجد مین یا روزہ و نماز وغیرہ
مین صرف کرنی چاہیے -
شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہین کہ جب حوض یا مسجد منہدم ہوگئی اور کوئی شخص اونکا استعمال
نہین کرتا تو قاضی اوسکے عملہ کو دوسری حوض یا مسجد مین لگانے کا حکم دیسکتا ہے -
صاحب رد کہتا ہے "فی زماننا یہ بہت ضرور ہے کہ امام حلوائی کے قول پر عمل کیا جاے
جو فرماتے ہین کہ قاضی کو یہ اجازت دینی چاہیئے کہ منہدم شدہ مسجد کے عملہ کو دوسری مسجد
مین لگاسکے" "اگر دو وقف ہون اور دونون کا وقف کنندہ ایک ہی شخص ہے اور اغراض
بھی دونون کے ایک ہین - لیکن کسی وجہ سے ایک وقف کی آمدنی کم ہوگئی ہے اور
دوسرے وقف کی آمدنی سے بعد دینے اخراجات ضروری کے کچھہ پس انداز ہوتا ہے
تو حاکم کو یہ اختیار ہے کہ یہ حکم دے کہ دوسرے وقف کے پس انداز سے پہلے وقف کے
ملازمان کی تنخواہ ادا کیجاسکے" لیکن قاضی کو ایسا حکم دینے کا اختیار نہین ہے اگر دونون
وقف کے اغراض مختلف ہون "اگر کسی نے ایک مسجد کے لیے دو وقف کئے یعنی اسکی
عمارت کے لیے اور دوسرا اوس مسجد کے امام و موذن کے واسطے - لیکن دوسرے وقف کی

آمدنی کم ہونے کے باعث امام و موذن نوکر نہین رکھے جا سکتے تو اس صورت مین حاکم کو جائز ہے کہ اہل محلہ کی راے و مشورہ کے مطابق یہ حکم دے کہ عمارت وقف کی آمدنی کا پس انداز امام و موذن کی تنخواہ مین صرف کیا جاے بشرطیکہ دونون کا واقف ایک ہی شخص ہو" مگر متولی کو ایسا کرنیکا اختیار نہین ہے خواہ وہ دونون وقفون کا متولی ہو۔ البتہ حاکم کی اجازت سے کر سکتا ہے۔ جامع الفصولین کی تیرہوین فصل مین ہے۔ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا یہ مکان یا کمرہ فلان مسجد کے چراغون کے واسطے ہے اور اوس سے زیادہ کچھہ نہ کہے تو وہ مکان یا کمرہ مسجد کے لیے وقف ہو جائیگا۔ . . . واقعات حامی مین ہے کہ اگر مسجد کی روشنی کیلئے آمدنی پہلے سے ہے اور یہ بات مناسب معلوم ہو کہ اوس مکان یا کمرہ کی آمدنی اذان دینے کیلئے مینار بنانے مین صرف کیجاے تاکہ مسلمانون کو اذان کی آواز دور تک پہونچ سکے تو ایسا کر سکتے ہین لیکن اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو نہین کر سکتے"

جب ایک ہی مسجد کے لیے چند وقف ہون تو متولی سب وقفون کی آمدنی کا حساب مشترکہ رکھہ سکتا ہے واگر مسجد کی ایک دوکان لایق مرمت ہو تو اسمین کوئی ہرج نہین ہے کہ اوس مسجد کی دوسری دوکان کی آمدنی سے اوسکی مرمت کیجاے۔

مسجد کسی خاص فرقہ کے لیے مخصوص نہین ہے۔

مسلمانون کے کسی خاص فرقہ کے لیے کوئی مسجد مخصوص نہین ہوتی۔ تمام مسلمان مسجد مین خدا کی پرستش کر سکتے ہین[۵۱] مثلاً اگر کسی حنفی نے مسجد بنائی ہے تو شافعی و مالکی و حنبلی سب حنفی کے ساتھ اوس مسجد مین نماز پڑھ سکتے ہین اسیطرح شیعہ بھی اوسمین نماز پڑھ سکتے ہین۔ مسجد کے حنفی متولی کو یہ اختیار

[۵۱] عطاء اللہ بنام عظیم اللہ الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۴ جسمین فیصلہ اجلاس کامل قیصر ہند بنام رمضان الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۶۱ کا حوالہ دیا گیا و نیز دیکھو۔ جنگو بنام احمد اللہ الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۴۱۹۔

نہین ہے کہان مختلف فرقون مین سے کسیکو مسجد مین آنے وخدا کی عبادت کرنے سے روکے۔ حنفی کے لیئے جائز ہے کہ وہ شافعی ومالکی یا حنبلی المذہب کے امام کے پیچھے نماز پڑہے اور ایسے ہی حنفی المذہب امام کے پیچھے شافعی وغیرہ کے پیرو کو بہی نماز پڑہنا جائز ہے۔

فی زماننا ہندوستان کے سنیون مین سے کثیر التعداد اشخاص غیر مقلد ہوگئے ہین یعنی یہ گروہ کسی خاص امام کی تقلید جائز نہین سمجھتے۔ اور رفع یدین وآمین بالجہر کہتے ہین۔ ان کا میلان شافعی مذہب کی طرف ہے اور اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہین۔ پورانے حنفیون کو اسپر اعتراض ہوا اور اس وجہ سے اونکے درمیان حال مین بہت سے مقدمات بہی ہوئے۔

حنفیون کو عامل بالحدیث امام کے پیچھے نماز پڑہنے سے انکار تہا اور نیز اپنی مسجدون مین اون کا نماز پڑہنا گوارا نہین کرتے تہے لیکن عدالت سے ان دونون باتون کا فیصلہ عامل بالحدیث کے حق مین ہوا بمقدمہ فضل کریم بنام مولا بخش پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ عامل بالحدیث ہونے کے باعث امام امامت کی ناقابل نہین ہوگیا[۵۱]۔ امام ابو یوسف واہل حدیث کے نزدیک مسجد کی بیع کسی صورت مین جائز نہین ہے[۵۲]۔

رباط وقبر وغیرہ کا وقف رباطات[۵۳] ومقابر وخانات[۵۴] وحیاض[۵۵] وطرق[۵۶] وسقایات[۵۷]۔

فتاوی عالمگیری مین ہے اگر کسی نے مسلمانون کے لیے کوئی سقایا بنایا یا کاروان سرائے

---

۵۱ کلکتہ جلد ۱۸ صفحہ ۴۴۸ ۵۲ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۶ ۵۳ جمع رباط جو سرحد اسلام ملحق بملک دشمن پر سرا سے وقلعہ کے طور پر وقف ہو کہ اوسمین مجاہدین رہین اور اپنے گہوڑے باندہین اور کبہی جہاد کے سفر مین منزل کرنیکے معنی مین بہی آتا ہے ۵۴ جمع خان یعنی کاروانسرائے ۵۵ جمع حوض ۵۶ جمع طریق یعنی راستہ ۵۷ جمع سقایا جو پانی پینے کے لیئے بنادیتے ہین تاکہ مسافر اوسسے پانی پئین بخلاف حوض کے کہ اوس سے جانورونکو بہی پلاتے ہین

بنائی یا زمین مقبرہ کر دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اوسکی ملک اوس سے اوسوقت
تک زائل نہ ہوگی جب تک کہ کوئی قاضی یا حاکم اوسکا حکم نہ دے وامام ابو یوسف کے
نزدیک اوسکے قول ہی سے اوسکی ملک ان چیزون سے زائل ہوجائیگی وامام محمد کے
نزدیک اگر لوگون نے سقایا سے پانی پیا یا خان مین رہے یا رباطین اوترے اور مقبرہ
مین مردہ دفن کیا تو وقف کنندہ کی ملک زائل ہوجائیگی خواہ ایک ہی نے ایسا کیا ہو
کیونکہ تمام نوع انسان کا کرنا متعذر ہے۔ اور یہی حال کنوان وحوض کا بھی ہے مبسوط
مین ہے کہ ان مسائل مین صاحبین کے قول پر فتوی ہے اور اسی پر امت کا اجماع
ہے۔ کوئی میت ایک شخص کی زمین مین بدون حکم مالک کے دفن کی گئی تو مالک
کو اختیار ہے کہ چاہے اوس سے راضی ہوجاے یا اوس مردہ کے نکالنے کا حکم دی
و چاہے زمین برابر کر کے اوسمین زراعت کرے۔

امیر علی صفحہ ۱۷۱۔ مقبرہ وقف ہوتا ہے اسوجہ سے اوسکی بیع یا تقسیم جائز نہین[51] لیکن
اگر کسی زمین کی نسبت مقبرہ ہونیکا ثبوت نہین ہے اور اوسمین ایک یا دو مردہ دفن ہین
تو جس قدر زمین مین وہ قبرین ہین وہ وقف ہے[52] کسی زمین کا قبرستان ثابت ہونا قبرون کی
تعداد پر موقوف ہے یا اوس زمین کا وقف ہونا مشہور ہو۔

فصل دہم۔ وقف کی آمدنی کا استعمال

فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۵۰۔ حاصلات وقف مین سے پہلے وقف کی تعمیر مین

---

[51] صدر دیوانی عدالت بنگال ۲۱۔ نومبر ۱۸۴۳ء صفحہ ۴۰ وصدر دیوانی عدالت مغربی وشمالی ۵۔ دسمبر ۱۸۶۳ء
صفحہ ۲۵۰۔ [52] سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۲۰۴۔

صرف کیا جائیگا خواہ وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو - پہر جو امر اس
عمارت سے قریب ہو اور مصلحت مین سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے
اوس کا امام و مدرسہ کے واسطے اوس کا مدرس - پس اونکو بقدر ان کی کفایت
کے دیا جاوے گا پہر چراغ و بوریئے و فرش وغیرہ مین صرف کیا جائیگا - پہر اسی
طرح آخر تک مصلحتون مین لحاظ رکھا جائیگا - یہ اوس وقت ہے کہ وقف کا کوئی
مصرف معین نہ ہو واگر کسی چیز پر معین کیا گیا ہو تو اوس وقف کی تعمیر و اصلاح مین
صرف کرنے کے بعد اوسے مصرف معین مین صرف کیا جائیگا - حاوی قدسی -
جن وجہون پر وقف ہے وقف کی کل آمدنی اون سب پر تقسیم کر دی جائیگی لیکن اگر
تاخیر سے عمارت مین کہلے ہوئے نقصان پہونچنے کا احتمال ہے تو تعمیر کو مقدم کرینگے -
رہا ناظر پس اگر اوسکے واسطے وقف مین کچہہ شرط ہی تو وہ گویا مستحقین مین سے ایک
مستحق ہے اور اگر ایسا نہ ہو پس اگر وہ کام کرتا ہو تو بقدر اپنی اجرت کے لیگا اور اگر کچہہ
کام نہ کرتا ہو تو کچھ نہ پاوے گا - فتح القدیر -
وقف کی تعمیر اوسی قدر لازم ہے جس سے وقف کی ہوئی چیز ویسی ہی باقی رہے
جیسی وقف کی گئی تہی اوس سے بڑہانا واجب نہین ہے پس بدون اوسکی رضامندی
کے جسپر وقف ہے متولی اوس سے زیادہ عمارت پر صرف نکریگا واگر وقف غیرون پر
ہے تو بعض کے نزدیک متولی کسی حال مین اوس سے زیادہ تعمیر نہ بڑہائیگا جس
وصف پر وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے اور یہی اصح ہے - فتح القدیر -
اگر کسی نے اپنا مکان اپنی اولاد کی سکونت کے لیے وقف کیا تو جو اسمین رہے اوسی
پر اوسکی تعمیر و مرمت واجب ہے واگر اوس نے انکار کیا یا وہ محتاج ہے تو قاضی اوس
مکان کو اجارہ پر دیکر اوسی اجرت سے مرمت و تعمیر کا حکم دے گا اور بعد مرمت کے

اوسی شخص کو واپس دیدے گا جسپر وقف ہے اور انکار کرنے والے پر تعمیر کے لیے
جبر نہین کیا جائیگا اگر اوس نے اجارہ پر دیا جسکو حق سکونت حاصل ہے تو اوس کا
اجارہ پر دینا صحیح نہین ہے - ہدایہ - عمارت وقف مین سے جو چیز منہدم ہو گئی یا
ٹوٹ کر گر گئی تو قاضی اوسکو عمارت وقف مین صرف کریگا اگر وقف مین اسکی ضرورت
ہو و اگر ضرورت نہین ہے تو اوسکو رکھہ چھوڑے گا تاکہ جب وقف مین اسکی ضرورت
پیش آئے تو عمارت مین صرف کرے و اگر عمارت مین اوسکا صرف کرنا متعذر ہے
تو اوسکو فروخت کرکے اوسکا ثمن مرمت مین صرف کریگا اور یہ روا نہین ہے کہ مستحقان
وقف مین اوسکو تقسیم کردے - ہدایہ -

سید امیر علی بحوالہ رد المختار لکھتے ہین کہ اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ عمارت وقف
کی تعمیر و مرمت کے بعد آمدنی سے جو فاضل بچے وہ فقرا و دیگر مستحقین کو دیا جاے
تو اس صورت مین بھی متولی پر لازم ہے کہ وقف کی آمدنی سے سالانہ کچھہ مرمت کے لئے
علحدہ رکھتا جائے گو فی الحال مرمت کی کوئی ضرورت بھی نہ ہو - تاکہ اس طریقہ سے
مرمت کے لیے کچھہ زر نقد ہمیشہ ہاتھہ مین رہے - کیونکہ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے
کہ یکایک مرمت کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور اوس وقت روپیہ نہین ہوتا " اگر ایک
مکان کسی شخص کے لیے وقف ہے تو وہ صرف اوس مکان کی آمدنی کا مستحق ہے
اوسمین سکونت رکھنے کا مستحق نہین ہے اسی طرح اگر اوسے رہنے کے لیے وقف
کیا گیا ہے تو اوسکو مکان کی آمدنی کا حق نہین ہے " اس مسئلہ کی صحت پر شبہہ کیا
کیا گیا ہے - بہر حال قاضی کو یہ اختیار ہے کہ حسب اقتضاے راے ایسے کام کرنے
کی اجازت دے جو وقف کے لیے مفید ہو - لیکن مسئلہ مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا
ہے کہ کسی صورت مین مستحقین کو اپنی خواہش کے مطابق وقف کی نوعیت تبدیل

کرنے کا اختیار نہین ہے۔ اگر وقف کی جائداد پر قرض ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ یا تو جائداد کا اجارہ دیکر یا کسی دوسرے مناسب طریقہ سے اوسکے ادا کرنیکا انتظام کرے۔ اگر وقف سے کچھ آمدنی نہ ہوتی ہو اور جائداد وقف خراب ہو چلی ہو تو قاضی کو یہ اختیار ہے کہ متولی کو حکم دے کہ کل یا بعض جائداد وقف کو عارضی طور پر اجارہ دے اور اوسکی آمدنی مرمت مین صرف کرے اگر وقف کی آمدنی عمارت وقف کی تعمیر کے لیے کافی نہ ہو یا اگر جائداد منہدم ہو رہی ہو جس سے اوسکے بالکل برباد ہونے کا احتمال ہے اور آمدنی اوسکی مرمت کے لیے کافی نہین ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ یہ حکم دے کہ اوس عمارت وقف کو فروخت کر کے اوسکی قیمت سے دوسری جائداد خریدی جاوے جو تابع اونھین شرائط کے ہو جسکی تابع عمارت وقف ہے۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور حتی الامکان اسپر عمل ہونا چاہیے۔ لیکن اگر جائداد وقف کا فروخت کرنا یا اوسکی آمدنی اوسکے مستحقین کو یا فقرا کو دینا غیر ممکن ہو تو اوس صورت مین امام محمد کے قول پر عمل ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب مصرف وقف کلیتاً زائل ہو جاوے تو جائداد وقف واقف کے ورثا کی طرف عود کریگی۔

طالب علمون پر وقف سید امیر علی بحوالہ رد المختار لکھتے ہین کہ "اگر وقف طالب علمون پر ہو اور اوسکی آمدنی تھوڑی ہو تو صرف محتاج طالب علمون کو دیجائیگی۔ لیکن عام طور پر لفظ طالب علم سے احتیاج مراد ہوتی ہے اور جب وقف طالب علم کے واسطے ہو تو وقف کی آمدنی صرف محتاج طالب علمون پر صرف کی جائیگی کیونکہ قریب قریب تمام طالب علم عسرت کی حالت مین ہوتے ہین۔ اسیطرح اگر کسی مسجد کے لیے قرآن یا کسی مدرسہ کے لیے کتابین وقف کی گئی ہین تو اونکا استعمال صرف محتاجون کے لیے مخصوص ہوگا بجز اوس صورت کے جب وہ کتابین کسی دوسری جگہہ نہ ملتی ہون۔ لیکن ایک اور فقہہ کی کتاب مین ہے کہ کتابون کے اور طالب علمون کے وقف مین

محتاج و غنی سب شامل ہین۔ اگر کتابین کسی خاص مقام کے لیے وقف ہین تو اوس جگہہ سے دوسری جگہہ کتابین لیجانے کی اجازت نہ دیجائیگی۔ "اگر طالب علمون کے لیے وقف ہین تو تمام طالب علم اوس سے فائدہ اوٹھانے کے مستحق ہین لیکن وے دوسری جگہہ نہین لیجا سکتے وقف کے متعلق واقف نے جو شرائط کی ہین وہ اگر شرعاً جائز ہین تو اس طرح لایق پابندی ہین گویا قانون نے وہ شرطین لگائی ہین لیکن قبل اسکے کہ ایسی شرط پر جس سے وقف کا استعمال محدود کیا گیا ہو یہ امر پورے طور پر ثابت ہونا چاہیئے کہ واقف نے فی الحقیقت وعمداً وہ شرط لگائی ہے" "اگر وقف چند اشخاص کے لیے ہے تو بغیر اونکی اجازت کے عمارت نہین بڑہائی جائیگی" بالفاظ دیگر مستحقین وقف کا یہ حق ہے کہ وقف کی نوعیت مین کسی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے اگر زیادہ خرچ کی ضرورت ہے تو اون سے مشورہ کیا جاے اگر وقف کی عمارت خراب ہورہی ہے۔ تو متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس مکان مین جو درخت ہین اونکو مکان کی مرمت کے لیئے فروخت کرے۔ لیکن وہ مکان کو اجارہ پر دیسکتا ہے اور اوسکی آمدنی سے مرمت کر سکتا ہے۔

"اگر عمارت کی زمین وقف ہے اور اوسکی آمدنی وقف کے اغراض مین صرف ہوتی ہے لیکن عمارت منہدم ہوگئی ہے یا زمین غیر مزروعہ ہوگئی ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسکو فروخت کرنے کا اور ثمن سے وقف کے واسطے کسی دوسری جائداد خریدنے کا حکم دے"

فصل یازدہم۔ وقف مین شرط لگانیکے بیانمین یا اختیار واقف
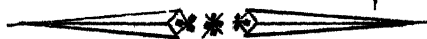
فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر واقف نے اصل وقف مین یہ شرط کی کہ جب چاہے گا

اس اراضی کی جگہہ دوسری اراضی بدل لیگا جو بجاے اسکے وقف ہوگی تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اور شرط دونون جائز ہین اور اسیطرح اگر یہ شرط کی کہ اوسکو فروخت کرے گا اور اوسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لیگا جو اوسکی جگہہ وقف ہوگی تو بھی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رحمہ مین امام ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتوی ہے - یہ خلاصہ مین ہے -

سید امیر علی لکھتے ہین کہ ''اگر واقف نے صرف یہ شرط کی کہ اسکو فروخت کریگا اور یہ شرط ضمناً یا صراحتاً نہ کی کہ اسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لیگا جو بجاے اوسکے وقف ہوگی تو وقف باطل ہے'' اور فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شیخ ہلال نے کہا ہے کہ یہ شرط فاسد ہے اس سے وقف فاسد ہوگا - فتاوی قاضی خان -

ذیل کے مسائل فتاوی عالمگیری سے ماخوذ ہین - ایک مرتبہ اوسکے استبدال یعنی بدلنے کے بعد اوسکو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوبارہ بدلے اس وجہ سے کہ اسکی شرط ایک مرتبہ تبدیل کرنے سے منتہی ہوگی لیکن اگر اوس نے ایسی عبارت بیان کی ہو جو ہمیشہ اوسکے واسطے اوسکے استبدال کے اختیار کے مفید ہو تو اختیار حاصل ہوگا - فتح القدیر

اگر اوس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ نہ کہا کہ بدلکر زمین یا مکان لیگا اور اوس نے اول وقف کو فروخت کیا تو اوسکو اختیار ہوگا کہ جنس عقار سے جو چاہے خواہ زمین ہو یا مکان بجاے اوسکے بدلے اور اسیطرح اگر کسی شہر کی قید نہ لگائی ہو تو اوسکو اختیار ہوگا کہ چاہے جس شہر مین استبدال کرے - خلاصہ -

اگر شرط یہ کی ہے کہ بجاے اسکے دوسری زمین بدل سکتا ہون تو اوسکو یہ اختیار نہ ہوگا کہ بجاے اوسکے مکان بدلے اور اسیطرح اوسکے برعکس بھی جائز نہین ہے - فتح القدیر

مکانِ وقف کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا اوسی وقت جائز ہے جب محلہ ایک ہی ہو یا جو بدلے مین آیا ہو اوسکا محلہ بہ نسبت وقف کے محلہ کے زیادہ بہتر ہو۔ اگر اِسکے برعکس ہے تو جائز نہین ہے اگر اپنے واسطے استبدال کی شرط کی ہے پہر تبادلہ کیلئے واقف نے کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے لیکن موت کے بعد اگر تبادلہ کیواسطے کیکو وصیت کی تو وصی کو اختیار حاصل نہ ہوگا واگر استبدال کا اختیار اپنے واسطے معہ دوسرے شخص کے اس طرح شرط کیا کہ دونون ساتھ ہی استبدال کرین پہر اس دوسرے نے تنہا تبادلہ کیا تو نہین جائز ہے واگر وقف کنندہ نے تنہا تبادلہ کیا تو جائز ہے۔ فتح القدیر۔

اگر وقف کنندہ نے متولی کو اختیار استبدال کی شرط کی ہے تو متولی تبادلہ کرسکتا ہے واگر شرط استبدال واقف نے صرف متولی کیواسطے کی اپنے لیئے نہین تو اوسصورت مین واقف کو استبدال کرنیکا اختیار ہے۔ فتح القدیر۔

اگر وقف مرسل ہو یعنی اسمین استبدال کی شرط واقف نے نہ کی ہو تو اوسکو اوس وقف کے بدلنے کا اختیار نہ ہوگا گو وقف کی زمین نونی ہوگئی ہو اور اوس سے کچھ انتفاع نہ ہو۔

اگر کہا کہ میری یہ زمین اللہ تعالیٰ کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ اسکی آمدنی وغلہ جہان چاہونگا مین خرچ کرونگا تو جائز ہے اور اوسکو اختیار ہوگا کہ جہان چاہے اوسکا غلہ صرف کرے پس اگر اوس نے مساکین پر یا حج کے واسطے یا کسی شخص معین کے واسطے قرار دیا تو اوسکو یہ اختیار نہ ہوگا کہ پہر اوس سے رجوع کرے اور اسیطرح اگر یہ کہا کہ مین نے یہ غلہ فلان کے واسطے قرار دیا یا اوسکو عطا کیا تو اس سے رجوع نہ کرے گا اور اگر اوس نے ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کے واسطے قرار دیا تو جائز ہے واگر اوس نے اپنے نفس کے واسطے قرار دیا تو وقف باطل ہوگا۔ اور یہ حکم (یعنی وقف باطل ہونیکا) شیخ ہلال کے قول پر ٹہیک ہوسکتا ہے بخلاف اسکے اگر اوس نے کہا کہ اس شرط پر کہ اوسکا غلہ جسکو چاہونگا دونگا تو یہ حکم نہین ہے (یعنی وقف باطل نہ ہوگا)۔ سید امیر علی نے بہی اپنی کتاب مین لکہا ہے صفحہ ۳۳۲۔

کہ "اگر واقف نے وقف کی آمدنی خود کھائی تو اس سے وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اوسکو اختیار ہے کہ جسکو چاہے وقف کی آمدنی عطا کرے۔ کسی شخص نے اگر اپنی جائداد اس شرط پر وقف کی کہ متولی اوسکی آمدنی جسکو چاہے دے تو یہ وقف صحیح ہے اور متولی فقیر و غنی سب کو دیسکتا ہے۔ و اگر کہا کہ اس شرط پر کہ فلان اوسکا غلہ جسکو چاہے دے تو یہ جائز ہے اور فلان مذکور کو اختیار ہوگا کہ وقف کنندہ کی زندگی مین اور بعد اوسکی موت کے اوسکا غلہ جسکو چاہے دے اوسکو اختیار ہے کہ چاہے اپنی اولاد و نسل کو دے چاہے وقف کنندہ کی اولاد و اوسکی نسل کو دے۔ لیکن اوسکو یہ روا نہین ہے کہ اپنے آپ کو دے (اس قدر عبارت فتاوی عالمگیری سے نقل کر کے سید امیر علی لکھتے ہین) کہ "یہ صاف ظاہر نہین ہوتا کہ اگر اوس شخص نے اپنے آپ پر صرف کیا تو اسکا نتیجہ قانونی کیا ہوگا۔ اسکے بعد عالمگیری مین لکھا ہے" "اگر اوس نے یہ کہا کہ مین نے اپنے آپ کو دیا تو اس کہنے سے اوسکا اختیار اوسکے ہاتھ سے خارج نہ ہوگا" اس مسئلہ کے متعلق سید امیر علی لکھتے ہین کہ یہ صحیح ہے کہ صرف ایسا کہنے سے اوسکے اختیارات زائل نہ ہونگے لیکن کیا وقف کی آمدنی ناجائز طور پر اپنی ذات پر صرف کرنا اغراض وقف کے منافی نہین ہے؟

سید امیر علی لکھتے ہین کہ خصاف نے کہا ہے کہ منجملہ اون شرائط کی جو معتبر ہین ایک یہ ہے کہ متولی اراضی وقف کو اجارہ پر نہ دے گا پس اگر اوس نے ایسا کیا تو اجارہ باطل ہے اگر واقف نے یہ شرط کی ہے کہ متولی اراضی یا باغ وقف بٹائی پر نہ دے یا یہ شرط کی کہ اگر متولی اراضی کو اجارہ پر دے تو وہ تولیت سے خارج کیا جاوے تو ان صورتون مین اگر متولی نے خلاف ہدایت عمل کیا تو وہ تولیت سے خارج کر دیا جائیگا اور قاضی کوئی دوسرا متولی ایسے شخص کو مقرر کریگا جسکی دیانت پر بھروسا ہو۔ واقف کو جائز ہے کہ وقف

کرنے کے وقت مستحقین وقف مین ردو بدل کرنیکا اختیار اپنے لیے شرط کرے لیکن بعد مین وہ ایسا نہین کر سکتا۔ ردالمختار مین ہے کہ جو واقف کو شرایط وقف مین ردو بدل کرنیکا اختیار ہے اگر اوس نے اپنے لیے صریح شرط نہ کی ہو[1] اگر اوس نے اپنے لیے یہ شرط کی ہے کہ مستحقین کو جب چاہون گھٹا دون یا بڑہادون یا کسی کو اون مین سے خارج کر دون یا متولی کو موقوف کر دون تو اوسکو ایسا کرنا جائز ہے لیکن وقف کی نوعیت یا حیثیت مین وہ کوئی ردو بدل نہین کرسکتا اسیطرح متولی کو جائز نہین ہے کہ شرائط مندرجہ وقف نامہ سے تجاوز کرے جو وقف نامہ مین یہ شرط لکھنی جائز ہے کہ متولی کو اختیار ہے کہ کسی شخص کا وظیفہ گھٹاے یا بڑہاے یا کسی شخص کو فائدہ وقف مین زیادہ کرے یا کسی کو اوس سے خارج کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مصلحت وقف ہر حالت مین مدنظر رکھے"

اگر وقف کنندہ نے یہ شرط کی ہو کہ اراضی وقف کو فروخت کر کے اوسکے زر ثمن سے دوسری جائداد خرید کریگا تو دوسری جائداد مثل اول کے وقف ہو جائیگی اور اوس سے وہ تمام شرائط متعلق ہونگی جو اراضی وقف سے متعلق تہین۔ علامہ کے نزدیک استبدال مین یہ بہی شرط ہے کہ جس اراضی سے وقف کا تبادلہ کیا جاے وہ اوسی قسم کی ہو جیسی کہ وقف کی جائداد تہی لیکن صاحب رد کہتا ہے کہ یہ شرط ضروری نہین ہے بلکہ جو امر دیکہنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ زیادہ فائدہ کس مین ہے۔ مثلاً کسی نے چند دوکانین وقف کی ہین تو وہ اونکو فروخت کر کے ثمن سے کچہ اراضی خرید سکتا ہے جس سے زیادہ منفعت ہو اسلیے اگر واقف یا متولی کو یہ اختیار ہے کہ جائداد وقف کو فروخت کر کے اوسکے ثمن سے

---

[1] الہ آباد ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۴۲۰ ۔ ہدایت النسا بنام افضل حسین۔

دوسری جائداد خرید کرے جو وقف کے تمام شرایط کے تابع ہو تو اس صورت مین
ایسی قید کی ضرورت نہین ہے کہ یہ دوسری جائداد اوسی قسم و نوعیت کی
ہو جیسی کہ پہلی جائداد تھی۔
جائداد وقف کا ثمن درسم دینا مین بہی لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر
ثمن زر نقد مین لگایا جاے تو سرمایہ کے ضایع ہونیکا بہت احتمال ہے اس لیے
ایسا کرنا مناسب نہین ہے۔ لیکن اگر اصل سرمایہ کو بلا احتمال نقصان کے زر نقد مین
لگا سکتے ہین اور اوس سے منفعت بہی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے مثلاً سرکاری پرامیسری
نوٹ کا خریدنا۔ قاضی کو اور بعض حالتون مین متولی کو یہ اختیار ہے کہ واقف کے
شرایط کا کچھ خیال نہ کرے جب وہ شرایط نوعیت وقف کے بالکل متناقض ہون
یا آنکہ اوس غرض کے بالکل خلاف ہو جسکے لیے وقف عمل مین آیا ہے مثلاً نمبر ا
اگر واقف نے یہ شرط کی ہے کہ قاضی اوس متولی کو موقوف نکرے جسکو اوس نے یا
اوسکے ورثار نے مقرر کیا ہو تاہم قاضی کو یہ اختیار ہے کہ ایسے متولی کو جو نالائق ہے
یا جس نے خیانت کی ہے موقوف کر دے۔ نمبر ۲۔ یا اگر وقف نامہ مین یہ شرط ہے
کہ متولی جائداد وقف کو ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر نہ دے اور
یہ ثابت ہو کہ کوئی شخص ایک سال کے اجارہ پر نہین لیتا تو قاضی کو اختیار ہے کہ متولی
کو اجازت دے کہ زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دے۔ نمبر ۳۔ یا اگر واقف نے
یہ شرط کی ہے کہ اون مسکینون کو جنکو ایک خاص مسجد سے کچھ ملتا ہے خیرات
نہ دیجائے تو متولی کو ایسے مسکینون کے خیرات دینے کا اختیار ہے۔ نمبر ۴۔ یا اگر
واقف نے یہ شرط کی ہے کہ اون اشخاص کو جنکے لیے وقف کیا گیا ہے روزانہ خوراک
دیجائے تو متولی کو اختیار ہے کہ برضامندی جملہ مستحقین کے روزانہ خوراک کو زر نقد

سے تبدیل کر دے اگر متولی نہ چاہے تاہم مستحقین بہی ایسا کرا سکتے ہین - نمبر ۵ - قاضی کو اختیار ہے کہ امام اگر لائق و پرہیز گار ہے تو اوسکی تنخواہ مین اضافہ کرے اگر تنخواہ معین ناکافی ہے - نمبر ۶ - اگر یہ شرط ہے کہ جائداد وقف کا استبدال نہین ہوسکتا لیکن اگر قاضی ایسا کرنا مناسب خیال کرے تو استبدال کی اجازت دیسکتا ہے -

فتاوی سراجیہ مین ہے کہ جب جائداد وقف کے فروخت یا استبدال سے صریحی فائدہ ہو تو قاضی حکم دے سکتا ہے - مثلاً جائداد وقف سے کوئی آمدنی نہین ہوتی اور کوئی شخص اوسکی خریداری کا خواہان ہے اور بعوض اوسکے ایسا مکان یا اراضی دیتا ہے جس سے آمدنی ہوتی ہے تو ایسی صورت مین مطابق قول امام ابو یوسف و امام محمد کے استبدال جائز ہے -

ناظم دہبانی کی شرح مین بحوالہ محیط و قاضی خان وغیرہ کے لکہا ہے کہ امام محمد کے قول کے مطابق اگر جائداد وقف کی قوت پیداوار کم ہوگئی ہو تو متولی اوسے ایسی دوسری اراضی سے بدل سکتا ہے - جس سے زیادہ منفعت ہوتی ہو - تتمہ مین امام محمد سے روایت ہے کہ اگر جائداد وقف سے مستحقین کو کچھ فائدہ نہین ہوتا ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسے فروخت کر کے اوسکے ثمن سے دوسری جائداد خریدے اور اس قسم کا اختیار سوائے قاضی کے اور کسی دوسرے کو نہین ہے -

سیر کبیر مین ہے کہ چند فقہا کے نزدیک جائداد وقف کا استبدال ناجائز ہے مگر ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور محیط مین ہے کہ شمس الائمہ حلوائی سے سوال کیا گیا کہ اگر مسجد کی جائداد موقوفہ بیکار ہوگئی ہے اور اوس سے کچھ منفعت نہین ہوتی تو متولی اوسے فروخت کر کے دوسری خرید سکتا ہے یا نہین - تو اونہون نے جواب دیا - کہ ہان ایسا کرنا جائز ہے - پہر یہ سوال کیا گیا کہ اگر اوس جائداد سے آمدنی ہوتی

ہے مگر اوسکے ثمن سے دوسری بہتر جائداد خریدی جاسکتی ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہین - تو اسکے جواب مین یہی کہا کہ ہان ایسا کرنا جائز ہے"

"گو چند فقہاء کے نزدیک جائداد وقف کا فروخت و استبدال ناجائز ہے مگر ہم ابہی بیان کر چکے ہین کہ ہم ابو یوسف کے قول کو مانتے ہین"

قواعد مین خصاف سے مذکور ہے کہ جب واقف نے دو متضاد شرایط کئے ہون تو شرط ثانی پر عمل ہوگا بشرطیکہ شرط ثانی واقف کے اختیار سے خارج نہ ہو -

جب وقف نامہ مین دو متباین شرائط ہون تو ہمارے نزدیک شرط آخر الذکر قابل نفاذ ہوگی کیونکہ شرط ثانی اول کو منسوخ کرتی ہے .... واقف کی شرایط اگر جائز ہین تو مثل قانون کے لایق نفاذ ہین - شرائط وقف کی تعمیل کرنے مین واقف کی نیت و ارادہ کا پورا خیال رکھنا چاہیئے واگر اوسکی نیت صاف طور پر نہ معلوم ہوتی ہو تو شہادت کے ذریعہ سے اوسکی نیت معلوم کرنی چاہیے اور اس طرح پر جو نیت واقف کی ثابت ہو اوسکا نفاذ اوسیطرح پر ہونا چاہیے جیسا کہ اون شرطون کا جو صاف ظاہر ہین

واقف کا اصل مفہوم دریافت کرنے کے لیے ہر مقدمہ کے حالات خاص پر لحاظ ہونا چاہیئے اور نیز یہ کہ اوس خاص زبان کے محاورہ مین وہ الفاظ معمولاً کس معنی مین مستعمل ہوتے ہین - اگر واقف کے الفاظ دو معنون کے محتمل ہو سکتے ہین تو اوسکی عبارت سے ایسی تعبیر کرنی چاہیئے جو اوسکی نیت و ارادہ کے بہت قریب ہو -

فصل دوازدہم - ولایت وقف و تصرف قیم در اوقاف

سید امیر علی لکھتے ہین - واقف خود اپنے لیے ولایت شرط کر سکتا ہے - یہ امام ابو یوسف

کا قول ہے اور ایسا ہی ہلال نے بھی کہا ہے۔ و ہدایہ مین ہے کہ یہ قول مرجح ہے
(فتح القدیر) (دیکھو مقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر فلٹن[51]
(فتاوی قاضی خان مین ہے کہ سیر کبیر مین امام محمد سے مذکور ہے کہ خود واقف متولی نہین ہوسکتا اگر اوس نے وقف کرنے کے وقت اپنے لیے ولایت شرط نہ کی ہو۔"
لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک حوالگی شرط نہین ہے اسلیے اگر واقف نے صراحتاً ولایت اپنے لیے شرط نہ بھی کی ہوتا ہم وہی متولی ہو گا۔ ایسے ہی ذخیرہ و تتمہ مین ہے اور ہدایہ مین ہے کہ ہمارا یہی مذہب ہے۔"
(متولی مقرر کرنے کا حق ابتداءً وقف کنندہ کو ہے۔ اگر واقف امین و منصف ہے تو متولی مقرر کرنے کا اوسکو قاضی سے زیادہ حق ہے کیونکہ گو اوس نے وقف کرنے سے اپنا حق ملکیت ساقط کر دیا ہے لیکن تاہم اوسکو اس امر کے دیکھنے کا استحقاق ہے کہ آمدنی وقف کی شرایط کے مطابق صرف ہوتی ہے یا نہین۔
(مسجد کے لیے امام و موذن مقرر کرنے کا اوسکو زیادہ حق ہے بجز اوس حالت کے جب اوسکے مقرر کیے ہوئے اشخاص اوس کام کے لیے موزون نہ ہون۔ ایسے ہی نوازل مین ہے اور ابو اللیث کہتے ہین کہ اسی پر فتوی ہے۔" ایسے ہی ردالمختار و فتاوی عالمگیری مین بھی ہے[52]۔ وقف کنندہ اپنی زندگی مین جب چاہے متولی مقرر کرسکتا ہے۔ اگر بلا متولی مقرر کیے ہوئے واقف مرجاے تو متولی مقرر کرنیکا اختیار اوسکے وصی کو ہے۔ اگر کوئی وصی نہ ہو تو متولی مقرر کرنیکا اختیار قاضی کو ہے۔

---

[51] رپورٹ فلٹن صاحب جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [52] اڈیوکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطانی بیگم بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۹۔

اگر واقف کا مقرر کیا ہوا متولی اوسکی حیات مین مرجاسے تو دوسرے متولی مقرر کرنے کا
اختیار واقف کو ہے نہ قاضی کو۔ فصول عمادیہ مین بھی ایسا ہی مذکور ہے۔

عورت متولی ہوسکتی ہے

کوئی شخص جو امین ہو دوسرے معنی کرکے بھی تولیت کی خدمت
انجام دیسکتا ہے وہ متولی ہوسکتا ہے۔ اس امر مین مرد و عورت برابر ہین۔ جیسے
مرد متولی ہوسکتا ہے ویسے ہی عورت بھی[۵۱] اختلاف مذہب تولیت کے لیے مانع
نہین ہے اس لئے سنی کی جائداد وقف کا متولی شیعہ ہوسکتا ہے[۵۲] جب تک کوئی
شخص خواہ مرد ہو یا عورت تولیت کی خدمت بذات خود یا نائب کے ذریعہ سے انجام
دے سکتا ہے وہ متولی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وقف کا
متولی وہ ہوسکتا ہے جو امین ہو اور بذات خود یا اپنے نائب سے اوسکے سر انجام
پر قادر ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ خواہ آنکھون والا ہو یا اندھا۔ متولی کی خدمت ذاتی
ذمہ واری کی ہے اسلئے جو شخص بذات خود اوس خدمت کو انجام نہین دیسکتا اور نہ
اوس کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کا جوابدہ ہوتا ہے وہ اپنا نائب نہین مقرر کرسکتا[۵۳]
لیکن جب متولی مذہبی رسومات ادا کرتا ہے اور پیری مریدی بھی کرتا ہے تو عورت
متولی نہین ہوسکتی۔

---

۵۱ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۸۸ و رد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۹۵۔ ڈیوڈم جان بی بی بنام
عبد اللہ بار بر فلٹن صاحب کی رپورٹ جلد ا صفحہ ۳۴۵ و حیاتی خانم بنام کلثوم خانم سیل صاحب
کی رپورٹ جلد ا صفحہ ۲۱۷ و حسینی بی بی بنام حسن شریف مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۳
و واجد علی بنام اشرف حسین کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۷۳۲۔

۵۲ دیال چند مولک بنام سید کرامت علی ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶ ۵۳ پیرن بنام
عبد الکریم کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۳۔

سجادہ نشین واوسکا خلیفہ

مثلاً اگر متولی سجادہ نشین بہی ہو تو چونکہ سجادہ نشین کو بحیثیت مرشد اپنے مریدون کو تعلیم و تلقین کرنی پڑتی ہے اسلیے عورت اپنے جنس کی وجہ سے متولی نہین ہو سکتی[۱] سجادہ نشین صرف متولی ہی نہین ہوتا بلکہ مرشد بہی ہوتا ہے وہ درگاہ کا محافظ ہے اور اوسکی ذات سے سلسلہ طریقت جاری ہے .... اسلئے کسی کم عمر لڑکے کو سجادہ نشین مقرر کرنا بلحاظ اون خدمات کے جو اوسکے عہدہ سے متعلق ہین مناسب نہین ہے۔ لیکن اسکی ایک مثال ہے جسمین ایک نو یا دس برس کی عمر کے لڑکے کو اخیر سجادہ نشین نے بجاے اپنے مقرر کیا تہا اور اوسکے زمانہ طفولیت مین اپنی ایک شاگرد کو پیری مریدی کے لیے متعین کیا تہا اس مقدمہ مین سجادہ نشینی کا عہدہ اوس خاندان مین موروثی تہا اور بظاہر کوئی دوسرا شخص اوس خاندان مین اس عہدہ کے لایق نہ تہا۔ اکثر درگاہ کا سجادہ نشین خاص اوس درگاہ کے یا آس پاس کی درگاہون کے رسم و رواج کے مطابق مقرر ہوتا ہے ہرکلاٹ صاحب نے جنوبی ہندوستان کی درگاہون کے رسم و رواج کو جو اوس وقت مروج تہین بیان کیا ہے۔ اور جہان تک مجھے علم ہے ہندوستان کے دیگر حصون مین بہی وہی رسم و رواج جاری ہین۔ یعنی جب کوئی سجادہ نشین مرتا ہے تو بالعموم سویم یا تیجے کے دن اوس درگاہ کے فقیر و مرید اور گرد و پیش کی درگاہون کے سجادہ نشین جمع ہوتے ہین اور کسی مناسب شخص کو خلیفہ بناتے ہین۔ عام طور پر متوفی کا لڑکا یا اوسکا نامزد کیا ہوا شخص خلیفہ بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ بات خیال کیجاتی ہے کہ جس شخص کو متوفی نے اپنا قایمقام نامزد کیا ہے اوسکو اوس نے طریقت کے اسرار بتلا دیے ہونگے۔ اور بعض وقت ایسا بہی ہوتا ہے کہ سجادہ نشین کی حیات ہی مین اوسکا قایمقام کثرت راے سے

[۱] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۲ و حسینی بی بی بنام حسین شریف مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۳

انتخاب کیا جاتا ہے لیکن ہر صورت مین یہ بات فرض کرلیجاتی ہے کہ جو شخص خلیفہ مقرر
ہوا ہے اوسکو مریدون کو تعلیم دینے کے لیے طریقت کے اسرار ضرور بتلائے گئے
ہونگے - اسیطرح اگر وقف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ خاص کسی مذہب کی مذہبی
رسومات ادا کیجائین تو عام طور پر دوسرے ملت و مذہب کا شخص متولی نہ مقرر کیا جائیگا
حاوی مین ہے کہ متولی مثل وصی کے اپنی موت کے وقت تولیت کسی دوسرے کو
دیسکتا ہے - اگر کسی شخص نے وقف کیا اور مرنے کے وقت اپنا وصی مقرر کیا
مگر جائداد وقف کی بابت کچھ نہین کہا تو وہ وصی وقف کا متولی ہوگا[۵۱] - اگر کوئی شخص خاصتًا
جائداد وقف کے لیے وصی مقرر کیا جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ صرف جائداد
وقف کا وصی ہوگا - گو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ کل املاک کا وصی ہوگا[۵۲] " اگر واقف
نے وقف کا کوئی متولی نہ مقرر کیا یہان تک کہ اوسکی وفات کا وقت آگیا پس اوس نے
وفات کے وقت ایک شخص وصی مقرر کیا تو اوسکے اموال کے واسطے وصی ہوگا اور
اوسکے اوقاف کے واسطے متولی و اگر اوسکے بعد دوسرے کو وصی کیا تو یہ دوسرا اوسکے
اموال کے واسطے وصی ہوگا یعنی اموال کے واسطے دو وصی ہو جائینگے مگر دوسرا
اوسکے اوقاف کے واسطے متولی نہ ہوگا[۵۳] -

متولی کا تقرر

جیسا کہ اوپر بیان ہوا متولی مقرر کرنیکا اختیار واقف کو ہے اور اوسکے بعد اوسکے وصی کو
اگر کسیکو خاصتہً وقف کا وصی کیا تو وہ شخص اوسکے جملہ اموال کا وصی ہوگا - ظاہر الروایہ کے

---

۵۱ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۳ و فصول عمادیہ صفحہ ۲۲۶ ۵۲ سید امیر علی جلد ۱ صفحہ ۳۵۱
۵۳ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۷۹ -

موافق امام اعظم و امام ابویوسف کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی[۵۱] مین یہ تجویز ہوئی کہ شرع محمدی کی رو سے واقف کو اختیار ہے کہ وقف کی ولایت اپنے لیے شرط کرے یا کسی اور کو متولی مقرر کرے۔ لیکن جب اوس نے یہ تخصیص کردی ہے کہ فلان اشخاص مین سے متولی مقرر کیا جائیگا تو متولی اونھین مین سے کوئی شخص مقرر کیا جائیگا اور واقف یہ نہین کر سکتا کہ وقف نامہ کی شرط کے خلاف کوئی غیر شخص مقرر کرے۔ لیکن اس قاعدہ کلیہ مین استثنار بھی ہے جسکا ذکر حکام نے نہین کیا۔ وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کرتے وقت اپنے لیے یہ اختیار باقی رکھا ہے کہ آیندہ اون اشخاص مین ردّ و بدل کر سکتا ہے تو اس صورت مین اگر اشخاص مذکور مین سے متولی نہ مقرر کیا تاہم صحیح ہے۔ لفظ اقربا کا اطلاق صحیح طور پر ذوی الارحام پر ہوتا ہے لیکن اگر دستاویز کی سیاق عبارت سے معلوم ہو کہ یہ لفظ زیادہ وسیع معنی مین مستعمل ہوا ہے تو اوسمین دوسرے قرابت مند بھی شامل ہین۔ لیکن زوجہ یا واقف کی بیوہ اقربا مین داخل نہ ہوگی۔

بمقدمہ شاہ غلام رحمت اللہ بنام محمد اکبر[۵۲] کی تجویز مین مدراس ہائیکورٹ نے شرع محمدی کا یہ مسلمہ اصول بیان کرکے کہ جب جائداد وقف کیجاتی ہے تو بالعموم واقف متولی مقرر کرتے

---

[۵۱] بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۹ [۵۲] مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۸ صفحہ ۶۳ و نیز دیکھو محمد صادق بنام محمد علی سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۷ و محمد کشور بنام محمد شاہ قیام الدین سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۳۳۔ وبیٹی صاحب بی بی بنام دامودر پریم جی انڈین لار پورٹ جلد ۳ بمبئی صفحہ ۸۴ و آغا محمد یوسف بنام عبد الحسین خان صدر دیوانی عدالت ۱۸۵۷ء صفحہ ۶۴ و جیت کنور بنام چھتر دہاری سنگھ ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۶۔

کرنے کے متعلق قواعد بھی بیان کر دیتا ہے اور ان قواعد کے مطابق خواہ وہ تحریری ہون یا عمل در آمد کی شہادت سے ثابت ہون متولی مقرر کیا جائیگا۔ اگر کسی صورت مین ایسے قواعد بیان نہ ہوئے ہون تو متولی مقرر کرنیکا اختیار اپنی حیات مین واقف کو ہے اور اوسکے مرنے کے بعد اوسکے وصی کو یا اگر اوس نے کوئی وصی نہ نامزد کیا ہو تو عدالت کو۔

فتاوی عالمگیری۔ اگر کسی نے دو اراضی وقف کی اور ہر ایک کے واسطے ایک ایک متولی مقرر کیا تو ان مین سے ایک دوسرے کے ساتھ شریک نہ ہوگا۔ و اگر اپنے وقف کی ولایت ایک شخص کے واسطے کر دی پھر ایک دوسرا شخص اپنا وصی مقرر کیا تو وصی مذکور امر وقف مین قیم کا شریک ہوگا۔ بشرطیکہ یہ نہ ثابت ہو کہ متولی و وصی کو ایک دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہین ہے۔ جب دو شخص متولی ہون تو اونمین سے فقط ایک کو آمدنی وقف کی صرف کرنے یا فروخت کرنے کا منصب نہین ہے اگر وقف کرنے والے نے یہ کہا کہ میری موت کے بعد فلان فلان دو شخص اسکے متولی ہین اور پھر دونون مین سے ایک مر ا اور دوسرے متولی کو اپنی طرف سے امر وقف کا وصی کر گیا تو زندہ کا تصرف دونون کی طرف سے تمام وقف مین جائز ہوگا۔ اگر اوس نے ولایت کی شرط اپنی اولاد کے واسطے اس شرط سے کی کہ اولاد مین جو افضل ہو وہ متولی ہو پھر اوسکے بعد جو افضل ہو وہ متولی ہو اسی ترتیب سے تو ولایت واقف کی اولاد مین سے افضل کو ہوگی۔ پھر اگر افضل مذکور فاسق ہو گیا تو ولایت اوس شخص کو حاصل ہوگی جو حقیقت مین اوسکی مثل یا قریب قریب ہے پھر اگر افضل نے فسق چھوڑ کر توبہ کر لی اور دوسرے کی بہ نسبت عادل و افضل ہو گیا تو ظاہر الروایہ کے موافق ولایت اوسکی طرف منتقل ہو جائیگی۔

اولاد کا متولی ہونا

اگر سب اولاد فضیلت مین برابر ہین تو ولایت اوسکو ہوگی جو سن مین سب سے بڑا ہو خواہ مذکر ہو یا مونث - واگر اون سب مین کوئی ولایت کے واسطے لایق نہ ہو تو قاضی کسی اجنبی کو متولی مقرر کریگا اور جب اونمین سے لایق ہو جائیگا تو اوسے واپس کر دیجائیگی [۱]

اگر وقف کنندہ نے اپنی اولاد کے لیے ولایت وقف کی شرط کی ہے تو قاضی اوسکے فرزند صغیر کا اگر صغیر ہے ایک خلیفہ مقرر کر دیگا بشرطیکہ وہ ولایت کے لائق ہو پس اصل ولایت اوسکے فرزند کو ہوگی - اور یہ استحسان ہے مگر قیاساً باطل ہے اسیطرح اگر وقف کنندہ نے کسی طفل کو اپنے وقف کا وصی مقرر کیا تو قیاساً باطل ہے مگر استحساناً جائز ہے اور بعد بلوغ کے اوسکو ولایت حاصل ہوگی - اگر کسی شخص غائب کو وصی مقرر کیا تو قاضی ایک شخص کو چند روز کے لیے مقرر کردیگا اور جب شخص غائب آجاوے تو اوسکو سپرد کر دیجائیگی - حاوی -

اگر واقف نے ولایت وقف اپنی اولاد مین سے دو آدمیون کے واسطے قرار دی اور اولاد مین ایک مذکر و ایک مونث لایق ولایت کے ہین تو مونث اوسکے ساتھ ولایت مین شریک کیجائیگی کیونکہ فرزند کا اطلاق دختر پر بھی ہے - لیکن اگر ولایت صرف اولاد ذکور کے لیے مخصوص کر دی ہے تو اوس حالت مین دختر شریک نہ ہوگی - اگر مطابق شرط واقف کے قاضی نے اوسکی اولاد مین سے سب سے افضل شخص کو متولی مقرر کیا مگر بعد کو اونمین سے ایک دوسرا شخص اور بھی افضل نکلا تو قاضی اس دوسرے کو متولی کریگا - اگر اولاد مین دو شخص باعتبار فضیلت برابر ہون تو ان مین سے جو شخص وقف کے امورات سے زیادہ واقف ہو وہ متولی ہوگا - واگر ایک شخص باعتبار

[۱] بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۵۵۵ - شرعاً ہر حالت مین سب سے بڑا لڑکا مستحق متولی ہونیکا نہین ہے -

پرہیزگاری زیادہ افضل ہے وہ دوسرا معاملہ وقف مین زیادہ واقفیت رکھتا ہے تو شخص آخر الذکر متولی ہوگا بشرطیکہ اوسکے امین ہونیکا اطمینان ہو۔ اصل مین مذکور ہے کہ جب واقف کے خاندان مین کوئی شخص متولی ہونے کے لائق موجود ہو تو قاضی کسی اور اجنبی کو متولی مقرر نہ کرے گا۔ واگر واقف کے گھرانے مین کوئی اس لایق نہ تھا اور قاضی نے کسی اجنبی کو متولی مقرر کردیا پھر اوسی کے گھرانے مین کوئی لایق شخص پایا گیا تو ولایت وقف اجنبی سے لیکر اوس شخص کو دے گا۔ اگر وقف کنندہ کے رشتہ دارون وہمسایون مین کوئی ایسا نہین ہے جو بغیر روزینہ لیے متولی ہو اور بعض اجنبی شخص بغیر روزینہ کے وقف کا کام انجام دینا منظور کرتے ہین تو یہ قاضی کی رائے پر ہے کہ وقف کے اور جن لوگون کو وقف کا نفع پہونچتا ہے اونکے حق مین جو بہتر دیکھے وہ کرے تاتارخانیہ۔ متولی وقف کو یہ اختیار ہے کہ اپنی موت کے وقت دوسرے کو ولایت وقف سپرد کردے جیسے وصی اپنی موت کے وقت دوسرے کو وصی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر واقف نے متولی مذکور کے واسطے کچھ مال مقرر کیا ہے تو وہ اوس شخص کو جسکو متولی نے مقرر کیا ہے نہ ملیگا بلکہ اس امر کا مرافعہ قاضی کے حضور مین کرنا ہوگا تاکہ قاضی اوسکے لیے اجر المثل مقرر کردے ولیکن اگر وقف کرنے والے نے یہ اختیار ہر متولی کو دیدیا ہے تو جدید متولی کو وہی اُجرت ملیگی جو سابق متولی کو ملتی تھی اور قاضی سے مرافعہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور قاضی کو ضرور نہین ہے کہ متولی کے مقرر کیے ہوئے متولی کے واسطے وہی مال قرار دے جو وقف کرنے والے نے اپنے مقرر کیے ہوئے متولی کے واسطے قرار دیا تھا۔ فتح القدیر۔

اگر متولی نے چاہا کہ اپنی صحت وحیات مین بجاے اپنے دوسرے کو مقرر کرے تو نہین جائز ہے الا اوس صورت مین کہ ولایت اوسکو بسبیل تعمیم سپرد کی گئی ہو۔ اگر قاضی نے

وقف دونکے واسطے باوجود ایک متولی کے دوسرا متولی مقرر کیا تو اس سے پہلا متولی معزول نہ ہوجائیگا بشرطیکہ وہ وقف کنندہ کا مقرر کیا ہوا ہو۔ اگر خود قاضی کا مقرر کیا ہوا ہو اور دوسرے کے مقرر کرنے پر پہلے متولی کو آگاہ کردیا تو پہلا متولی معزول ہوجائیگا۔ متولی کو اپنا جانشین نامزد کرنیکا اختیار صرف اوس صورت مین ہے جبکہ وقف کنندہ نے کوئی شرط ولایت کے واسطے نہ کی ہو۔ اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ ولایت وقف فلان خاندان کی اولاد ذکور مین کسیکو ملیگی تو کسی متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس ہدایت کے خلاف کسی اور شخص کو متولی مقرر کرے یا اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ زید کے بعد بکر کو ولایت وقف ہوگی تو زید کو یہ اختیار نہین ہے کہ خالد کو متولی مقرر کردے۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر متولی نے کہا کہ مین نے اپنے آپکو معزول کیا تو وہ معزول نہ ہوگا لیکن اگر وقف کنندہ یا قاضی سے کہے اور وہ خارج کردے تو خارج ہوسکتا ہے۔ وبعض مشایخ کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ ایک متولی دوسرے کو متولی کرنے کی غرض سے خود مستعفی ہوجائے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہا ہے کہ دوسرا شخص متولی نہین ہوسکتا تاوقتیکہ قاضی اوسے نہ مقرر کرے اور یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ قاضی اوسیکو متولی مقرر کرے۔ اگر کوئی متولی ایک شخص سے کچھ لیکر تولیت سے مستعفی ہوا ہے مگر اوس شخص کو قاضی نے متولی مقرر نہین کیا تو اسکو اختیار ہے کہ متولی سے وہ روپیہ وصول کرے جو اوس نے دیا تھا[ا] ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ کے متولیان وقف اکثر اپنے نائب کی معرفت اپنی خدمات انجام دیتے تھے اور جو روزینہ اونکے لیے مقرر تھا اوسکو خود لیتے تھے اور اوس مین سے برائے نام قایم مقامون کو کچھ دیدیتے تھے

[ا] شاہ محی الدین بنام الہی بخش ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۲۷۔

نقہاے متقدمین مین اس فعل کے جواز کی نسبت بہت اختلاف رہا۔ لیکن متاخرین مشایخ کا اب اس امر پر اتفاق ہے کہ قایمقام کا تقرر اب صرف اوس حالت مین جائز ہے جب اسکے لیے کوئی معقول وجہہ ہو۔ اگر متولی عورت ہے تو چونکہ وہ اپنی جنس کی وجہہ سے بہت سی باتین بذات خود انجام دینے سے معذور ہے اسلیے اوسکو جائز ہے کہ کسیکو اپنا نائب مقرر کرے۔ اسی طرح اگر متولی بذات خود اپنے عہدہ کے فرایض کے انجام دینے مین عارضی طور سے معذور ہے مثلاً وہ بیمار ہو گیا ہے یا کسی ضرورت جائز سے غیر حاضر ہے تو اوس صورت مین اوسکا کام اوسکا نائب انجام دیگا جسکو اوس نے خود مقرر کیا ہو یا قاضی نے مقرر کیا ہو۔ اور ایسی صورتون مین قایمقام کو اوس مقدار کا روزینہ ملیگا جو باہم اوسکے اور متولی کے درمیان طے پایا ہو۔

ابن شبلی نے اپنے فتاوی مین لکہا ہے کہ اگر متولی بوجہہ ضعف کے تولیت کی خدمات انجام دینے سے قاصر ہے تو وہ اپنی مدد کے لیے ایک نائب مقرر کر سکتا ہے لیکن کل جوابدہی متولی کے سر رہیگی اور نائب کو متولی سے روزینہ ملیگا لیکن متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ وہ اپنے عہدہ کو دوسرے کے حوالہ کر دے یا اپنی حیات مین دوسرا متولی مقرر کرے تاوقتیکہ اوسکو ولایت بر سبیل تعمیم نہ سپرد کی گئی ہو[۱]۔ قید مذکورہ بالا صرف مستقل جانشین مقرر کرنے کی بابتہ ہے جسکو مثل متولی کے کل اختیارات حاصل ہون اور اس قسم کا تقرر متولی صرف موت کے وقت یا مرض الموت مین کر سکتا ہے۔ لیکن وکیل یا نائب مقرر کرنے کی نسبت یہ قید نہین ہے۔ فتح القدیر مین ہے کہ جو شخص وقف کا ناظر مقرر کیا گیا ہے اوسکو اختیار ہے کہ وقف کے امور مین جو کام اوسکے اختیار مین ہے اوسکے واسطے کسیکو وکیل کر دے جو بجاے اوسکے اس کام کو انجام دے اور وقف

[۱] رد المختار جلد ۳ صفحہ ۶۳۷ واجد علی بنام اشرف حسین کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۲۔

سے جو اوسکو ملتا ہے اوسمین سے اوس وکیل کے واسطے کچھہ مقرر کر دے اور اوسکو اختیار رہیگا کہ جب چاہے اوس وکیل کو معزول کرے یا اوسکی جگہہ دوسرا مقرر کرے

متولی کی معزولی کے وجوہات

اگر متولی نے اپنا وکیل کیا یا کسیکو اپنے واسطے وصی کیا پھر اوسکو جنون[۵۱] مطبق ہو گیا تو اوسکی توکیل و وصیت باطل ہو جائیگی - عالمگیریہ مین ہے کہ اگر ایک سال متولی مجنون رہا تو وہ خود بخود ولایت سے معزول ہوگا لیکن اگر پھر اوسکی عقل عود کر آئی تو مثل سابق کے وہ وقف کا متولی ہوگا - نہر مین لکھا ہے کہ یہ اوس صورت مین ہے جب متولی وقف نامہ کی شرط کے بموجب مقرر ہوا ہے لیکن اگر اوسے قاضی نے مقرر کیا ہے تو پھر وہ متولی نہین ہو سکتا - (امیر علی صفحہ ۳۶۸)

اگر متولی خائن ہو تو وہ معزول کیا جائیگا - لیکن خیانت ثابت ہونی چاہیئے صرف اگر خیانت کا اتہام لگانا کافی نہین ہے - اگر متولی کے پاس وقف کی آمدنی سے روپیہ ہے مگر جائداد وقف کی وہ مرمت نہین کرتا حالانکہ وہ قابل مرمت ہے تو یہ داخل خیانت ہے - اور وہ معزول کیا جائیگا - امورات وقف مین متولی کی ناقابلیت و فسق بھی معزولی کے وجوہ ہین[۵۲] -

متولی کی ذمہ داری

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر متولی کی صریح غفلت سے وقف کا کچھہ نقصان ہو تو وہ متولی سے دلا دیا جائیگا - لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ غیر تنخواہ دار متولی ایسے نقصان کا ذمہ دار ہو سکتا ہے یا نہین -

فتح القدیر مین ہے کہ اگر متولی شراب خوار ہو یا اس قسم کی اور کوئی برائی اوسمین ہو تو وہ معزول

---

۵۱ جنون مطبق ایسا جنون ہوتا ہے جو ایک سال کامل برابر ہوئے ۵۲ ہدایت النسا بنام افضل حسین ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ و نیز دیکھو پھر ک چند بنام غلام شرف ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۸ -

کیا جائیگا۔ اگر متولی نے مکان وقف مین سکونت اختیار کی ہے حالانکہ وقف نامہ مین یہ شرط نہین ہے اور نہ قاضی کی اجازت حاصل کی ہے تو اوسکا یہ فعل داخل خیانت ہے

مستحقین وقف جن لوگون کا وظیفہ جائداد وقف سے مقرر ہے وے اوس سے محروم نہ کیے جائینگے تاوقتیکہ اون سے کوئی ایسا فعل وقوع مین نہ آیا ہو جس سے محرومی لازم آئے۔ اگر وظیفہ دار نے اپنے وظیفہ کو منتقل یا بیع کرنا چاہا یا اوسپر کوئی مطالبہ عائد کرنا چاہا تو یہ ایک ایسی بداعمالی ہے جسکے باعث وظیفہ اگر موروثی ہے تو وظیفہ دار کے وارثون کو ملیگا۔ اسی اصول پر وظیفہ دار کے دیوالیہ ہونیکا بھی وہی نتیجہ ہوگا۔ وقف کے مستحقین مین سے کیکو یہ اختیار نہین ہے کہ بجائے اپنے کسی دوسرے شخص کو مستحق قرار دے لیکن اپنا وظیفہ وصول کرنے کے لیے وہ ایک غیر شخص کو مقرر کرسکتا ہے۔

احکام متعلق مسجد اہل مسجد کے مقابلہ مین بانی مسجد کو موذن و امام مقرر کرنے کا حق فائق ہے لیکن اگر اہل مسجد نے بہتر و افضل شخص کو مقرر کیا ہے تو اوسکو ترجیح دیجائیگی۔ اگر متولی نہین ہے تو موذن و امام مقرر کرنیکا اختیار بانی مسجد کی اولاد و اوسکے اہل خاندان کو ہے۔ مسجد کی تعمیر و مرمت مین مسجد بنانے والے یا اوسکی اولاد کا حق اہل مسجد یا دوسرے شخصون کے مقابلہ مین مرجح ہے۔

متولی کی تنخواہ متولی کی تنخواہ مقرر کرنے مین قاضی اپنے زمانہ کی مروجہ تنخواہ پر لحاظ کریگا لیکن شرط یہ ہے کہ آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن واقف کو اختیار ہے کہ جو چاہے تنخواہ مقرر کرے خواہ یہ آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ ہی کیون نہ ہو۔ لیکن اگر اوس نے کم تنخواہ مقرر کی ہے تو متولی کی درخواست پر قاضی اوسمین اضافہ کرسکتا ہے یہ قاعدہ کہ وقف کی آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ متولی کی تنخواہ نہ ہونی چاہیے صرف

اُن صورتون سے متعلق ہے جب قاضی کسی ایسے شخص کو متولی مقرر کرے جسکا کوئی حق جائداد وقف مین نہین ہے[۵۱]۔ متولی کو اختیار نہین ہے کہ امام و خطیب کی تنخواہ مین اضافہ کرے۔ لیکن قاضی کو ایسا اختیار ہے بشرطیکہ ایسا کرنا مسجد کے لیے مفید ہو یا جب کمی تنخواہ کے باعث کوئی لائق و مناسب شخص مسجد کے لیے نہ مل سکتا ہو۔ یہ اصول موذن و مدرس و دیگر ملازمان سے بھی متعلق ہے۔ اگر یہ اشخاص واقف کے مقرر کیے ہوئے تنخواہ پر نہ ملین تو قاضی کو اختیار ہے کہ وقف کی آمدنی کے پس انداز سے اونکی تنخواہ مین اضافہ کرے۔ قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ واقف کے خاندان کے مستحقین وقف کے مشورہ سے آمدنی وقف کے پس انداز کی بابتہ جو مناسب ہو انتظام کرے۔

متولی وقف پر قرض نہین لے سکتا۔ قینیہ مین ہے کہ متولی کو بلا اجازت قاضی کے وقف کے واسطے قرض لینا جائز نہین ہے چاہے اسکی ضرورت ہی کیون نہ ہو۔

لیکن اگر قاضی اوس سے فاصلہ پر ہے تو اپنے اعتبار پر قرض لے سکتا ہے۔

اشباہ النظائر مین یہ استفتا لکھا ہے کہ اگر ناظر (متولی) نے جائداد وقف پر قرض لیکر مستحقین وقف پر صرف کیا۔ اور بعد اوسکے وہ معزول ہو گیا اور قرضہ ہنوز باقی ہے تو دوسرے متولی پر اوس قرض کو جائداد وقف سے ادا کرنا لازم ہے یا نہین؟

جواب۔ متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ قرض لیکر مستحقین پر صرف کرے لیکن مرمت و دوسری ضرورت کے لیے باجازت قاضی متولی قرض لے سکتا ہے۔ اسلئے معزول شدہ متولی بذاتہ قرضہ کا ذمہ وار ہے نہ کہ متولی وقف۔ و جائداد وقف بھی اوس قرض کی ادائگی کے ذمہ دار نہین ہے[۵۲]۔ متولی کو اختیار ہے کہ جائداد وقف کی آمدنی سے دوکانات و مکانات وغیرہ بنوائے جس سے وقف کی آمدنی زیادہ ہو جو جائداد کہ متولی وقف کی آمدنی سے

[۵۱] محی الدین بنام سعید الدین کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۰ [۵۲] ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۷۵

خرید کریگا وہ سب وقف کے متعلق ہوگی اور ادن سے وہ تمام احکام متعلق ہونگے
جو اصل وقف سے متعلق ہین۔

اختیارات متولی:- اور متولی بلا اجازت قاضی کے کوئی جائداد منتقل نہ کر سکیگا۔ متولی کو
یہ اختیار نہین ہے کہ وقف کی آمدنی کسی ایسے کام مین خرچ کرے جو وقف کی ابتدائی
اغراض کے بالکل خلاف ہو مثلاً ایک مسجد کے متولی کو یہ حق نہین ہے کہ آمدنی وقف
سے کپڑے خرید کر کے محتاجون کو تقسیم کرے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو اوسے اپنی جیب
سے وہ روپیہ دینا پڑے گا۔ اگر متولی کے پاس وقف کا روپیہ نہین ہے اور وہ مسجد
کا ضروری سامان قرض سے خرید کرے یا اپنے پاس سے اور یہ ارادہ کر لیا ہو کہ جب
وقف کی آمدنی آیگی تو قرض ادا کر دیا جائیگا تو اوسے اختیار ہے کہ جب وقف کی آمدنی
آئے تو اوس سے قرضہ ادا کرے یا اپنا روپیہ واپس لے۔ کسی حالت مین متولی
کو یہ اختیار نہین ہے کہ جائداد وقف پر رہن کے ذریعہ سے بار عائد کرے۔ مستحقین وقف
کو ایسا اختیار ہے۔ اسیلئے اگر متولی جائداد وقف کو رہن کرے اور مرتہن اوسپر قابض
ہو جائے تو اوسکو یعنی مرتہن کو محاصل وقف ادا کرنا ہوگا اسی طرح اگر متولی نے کچھ جائداد
وقف بیع کی اور بعدہ قاضی نے اوسکو کالعدم کر دیا تو مشتری اگر قابض ہوگیا ہے
مستوجب ادائے واصلات کا ہوگا۔

اگر کسی شخص کو وقف کے متعلق کوئی دفینہ پایا تو متولی اوسمین سے کچھ پانے والے کو
دے گا اگر وہ مفلس ہے۔

متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جائداد وقف کے کسی جزو کو پٹہ موروثی پر دے[۱] اگر کسی شخص
نے اپنی اراضی محتاجون پر وقف کی بلا اوس اراضی کی کاشت و دیگر ضروری اخراجات

---

[۱] قیامت علی بنام ضمیر الدین بنگال رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۵۸۔

کے متعلق کچھہ نہین کہا۔ تاہم وقف کی آمدنی سے اول خراج ادا کیا جائیگا اور جو بچ رہے اوس سے وصول تحصیل و کاشت کے و دیگر قسم کے ضروری اخراجات دئے جائینگے اور اوسکے بعد جو بچے وہ محتاجون مین تقسیم ہوگا۔

اگر وقف کے قواعد جسکے مطابق وقف کا انتظام ہونا چاہیئے صحیح طور پر نہ معلوم ہون تو متولی کو اپنے متقدمین کے عمل و رآمد کے مطابق کاربند ہونا چاہیئے اگر وقف قدیم ہے اور وقف کنندہ کا نام و نشان نہین معلوم لیکن ایک شخص جو باستحقاق متولی اوسپر قابض ہے یہ کہتا ہے کہ یہ وقف فلان غرض کے لیے ہے۔ اور اپنے قول کی تائید مین چند گواہ بہی پیش کرتا ہے اور اوسکے بیان کے خلاف کوئی ثبوت نہین ہے تو اوسکا بیان صحیح مانا جائیگا۔ لیکن جب وقف کے اغراض معلوم ہون اور واقف کے شرایط بہی معلوم ہوسکین تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔

ردالمختار مین ہے کہ گو اس امر کی شہادت نہ ہو کہ واقف نے وقف کیا تاہم وقف ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ امام ابویوسف کا قول ہے و مشائخ بلخ اس قول کو مانتے ہین۔ خصاف نے بہی اسکو لیا ہے۔ جامع الفصولین مین ہے اگر وقف قدیم زمانہ کا ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ یہ وقف ہے مگر واقف لامعلوم ہے اور اوسپر کسی شخص نے ناجائز طور پر قبضہ کر لیا تو متولی دو شاہدون کی شہادت سے اپنا دعوی ثابت کر سکتا ہے۔

فصل سیزدہم شرع شیعہ متعلق وقف

سید امیر علی لکہتے ہین کہ امامیہ مذہب مین وقف ایک مذہبی کام ہے جسکا نتیجہ یہ ہے

کہ مال عین حبس ہوجاتا ہے اور اوسکی منفعت بلا قید رہتی ہے - جواہر الکلام مین ہے کہ وقف عبادت ہے اور اوسکا مقصود خدا کی راہ مین ہمیشہ فائدہ پہونچانا ہے - وقف کرنے کے لیے صریح لفظ وَقَفْتُ ہے یعنی مین نے وقف کیا لیکن جیسا کہ حنفی شرع مین بیان ہوا ہے - دوسرے الفاظ سے بھی وقف ہوسکتا ہے اگر واقف کی نیت معلوم ہو - جواہر الکلام مین ہے کہ وَقَفْتُ کے سوا دوسرے الفاظ سے وقف کرنے کے لیے شرع مین کوئی امتناع نہین ہے - مثلاً حَرَّمْتُ (مین نے حرام کیا) وصدقت (یعنی مین نے صدقہ کیا) کہنے سے بھی وقف ہوجاتا ہے - لیکن چونکہ ان آخر الذکر الفاظ کے مفہوم مین تابید یعنی استمرار لازمی طور پر داخل نہین ہے اسلیے عطیہ کرنے والے کی نیت دریافت کرنی پڑیگی یعنی اگر عطیہ کرنے والے کی نیت وقف کرنے کی ہے تو وقف ہوجائیگا چاہے اوس نیت کا اظہار کسی الفاظ مین ہوا ہو اور جب لفظ وقف استعمال کیا گیا ہے تو بلا کسی حجت کے وقف ہوجائیگا - اگر کسی شخص نے ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس سے کسی طور پر وقف کرنا نہین ثابت ہوتا لیکن وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس لفظ سے اوس نے وقف کرنے کی نیت کی ہے تو وقف ہوجائیگا - اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اس مکان کو حرام کردیا محتاجون کو ہمیشہ کے لیے دیدیا تو یہ وقف ہے - اگر کسی نے کہا کہ مین نے مال کو حبس کردیا اور راہ خدا مین اسکو دیدیا یا یہ کہا کہ مین نے اس مال کو حبس کردیا اور اوسکی منفعت راہ خدا مین دی تو یہ وقف ہوجائیگا جب انتقال ایسے لفظون مین کیا گیا ہے جسکے معنی مبہم ہین تو عطیہ کرنے والے کی نیت دیکھی جائیگی - اگر وہ شخص زندہ ہے تو اپنی نیت خود بیان کرے - اور اگر وہ مرگیا ہے تو صرف وقف کی نوعیت و دیگر حالات پر خیال کرنے سے اوسکی نیت مستنبط ہوسکتی ہے - مثلاً شیعہ کی شرع مین حبس (یعنی محدود اختیارات کے ساتھ کوئی

جائداد دینی یا بالفاظ دیگر کسی جائداد کا قطعی طور پر مالک نہ کرنا) جائز ہے اسلیے اگر کسی شخص کو اس لفظ مین عطیہ کیا جاے تو اوسکے یہ معنی ہوسکتے ہین کہ صرف اوسکی حیات کے لیے یہ جائداد دیگئی ہے یا آنکہ وقف ہے - اس لیے عطیہ دینے والے کی نیت دریافت کرنی ضرور ہوئی -

اگر اوس نے یہ کہا کہ زید کے لیے حبس ہے اور بعدہٗ مسکینون کے واسطے تو یہ وقف ہوگا یا یہ کہا کہ مسجد یا دوسری مصلحت عامہ کے لیے حبس ہے تو وقف ہوگا - مسجد یا دیگر مصلحتِ عامہ کے لیے وقف چاہے کسی لفظ سے کہو وقف ہوجائیگا - کیونکہ مصرف کی نوعیت مستقل مذہبی ہے اور اوسکے مفہوم مین تحریم داخل ہے -

شرایع الاسلام مین ہے کہ صحت وقف کی چار شرایط ہین - اول حوالگی قبضہ - دوم - دوام و استمرار - سوم - تنجیز یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہونا - چہارم - واقف کا حق کلیتاً منقطع ہونا - جواز وقف کے لیے قبضہ کی حوالگی ضرور ہے - جواہر الکلام مین ہے کہ عقد وقف بلا حوالگی قبضہ لازم نہین ہوتا اور قبضہ واقف کے اذن یعنی حکم سے ہونا چاہیے - اسلئے قبل حوالگی قبضہ کے واقف و موقوف علیہ دونون مین سے ہر ایک کو حق ہی کہ وقف فسخ کردے اس اصول سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ اگر واقف کی موت کے قبل قبضہ نہین دیا گیا تو وقف باطل ہے - اس امر کے کہنے کی ضرورت کہ عقد وقف بدون قبضہ کے لازم نہین ہوتا یا تو اس مقصود کو بیان کرنا ہے کہ قبل قبضہ کے جیسا کہ بعض عام شخصون کے (یعنی سنیون کے) نزدیک وقف لازم ہوجاتا ہے ایسا نہین ہے یا یہ کہ عقد (وقف) کا وقوع مین آنا اس امر کا مقتضی نہین ہے کہ حوالگی قبضہ جو منجملہ شرایط صحت کے ایک شرط ہے واجب ہوگی ... صفوان اپنی کتاب صحیح مین لکھتے ہین کہ مین نے سوال کیا کہ اگر کسی نے اپنی جائداد وقف کی اور بعدہ اوسکے دل مین

آیا کہ اِس وقف مین کچہہ ردو بدل کرے تو کرسکتا ہے یا نہین۔ ابوالحسن نے جواب مین
کہا کہ اگر اوس شخص نے اپنی اولاد و دوسرون کے لیے وقف کیا اور جائداد وقف کا
متولی مقرر کر دیا تو پہر وہ شخص وقف سے رجوع نہین کرسکتا و اگر وے (موقوف علیہم)
نابالغ ہین اور واقف نے اونکے بالغ ہونے تک تولیت اپنے لیے شرط کی
اور اونکی طرف سے جائداد کا انتظام کرتا ہے تو واقف پہر وقف سے رجوع نہین
کرسکتا و اگر وے بالغ ہین اور اونہون نے ہنوز قبضہ نہین پایا ہے اور نہ اونہون نے
انتظام اپنے ہاتھہ مین لینے کے لیے واقف سے مخاصمت کی تو واقف وقف سے
رجوع کرسکتا ہے کیونکہ باوجود بالغ ہونے کے اونہون نے اوس سے انتظام اپنے
ہاتھہ مین نہین لیا ۔۔۔۔ اسیطرح وقف اوس صورت مین بہی باطل ہو جاتا ہے جب قبل حوالگی
قبضہ کے واقف مجنون ہو گیا یا اوسکو غش آگیا کیونکہ اون شرایط کی تکمیل کے اثنار
مین جو صحت وقف کے لیے لازم ہین موانع پیش آگئے۔ حالانکہ وقف کے مکمل ہونے
تک اہلیت کا قایم رہنا ضرور ہے خواہ وہ اہلیت واقف کی ہو یا موقوف علیہ کی یا عین
وقفی کی،، (یعنی وقف مکمل ہونے سے قبل اگر ان تینون مین سے کیسکی اہلیت مین
کچہہ فتور آگیا تو وقف باطل ہوگا) مسائل مذکور سے واضح ہے کہ حوالگی قبضہ امامیہ مذہب
مین کس حد تک ضروری ہے۔ مگر بعض صورتین ایسی بہی ہو سکتی ہین جسمین واقعی
حوالگی ضرور نہین ہے وصرف معنوی حوالگی کافی ہوگی۔ مثلاً واقف خود متولی ہو سکتا ہے
ایسی صورت مین صرف نمایش کے لیے قبضہ کا تبدیل کرنا غیر ضروری ہے۔ اسیلیے اصول
مذکورہ بالا کا مقصود یہ نہین ہے کہ جائداد وقف دوسرے شخص کے قبضہ مین دیجائے
بلکہ قبضہ کی حیثیت مین تبدیلی کرنی کافی ہے یعنی سابق مین مالکانہ قبضہ تہا اب بحیثیت
متولی قبضہ ہوگا حالانکہ قابض دونون حالتون مین ایک ہی شخص ہے اسی معنی مین

مفاتیح (اک شرعی کتاب) مین یہ لکھا ہے کہ اگر جائداد وقف پر واقف اپنے اختیارات
قایم رکھے اور اپنے قبضہ کی حیثیت مین کوئی تبدیلی نہ کرے تو وقف باطل ہوگا۔ جب
وقف مصلحت عام کے لیے ہے تو صریح طور پر حوالگی قبضہ کی ضرورت نہین ہے کیونکہ
کسی ایک شخص کے استعمال سے بہی وقف جائز ہو جاے گا۔ جواہر الکلام کے
مطابق اگر وقف درحقیقت صدقہ ہے تو حوالگی قبضہ ضرور نہین۔ اسیطرح مسجد و
دیگر مصلحت عام کے وقف مین حوالگی ضرور نہین ہے۔ ان صورتون مین صرف
قبضہ کے نہ دینے سے وقف باطل نہ ہوگا۔ لیکن جب وقف کسی خاص شخص کے
حق مین ہے تو یا تو کوئی متولی مقرر کرکے جائداد وقف موقوف علیہم کے فائدہ
کے لیے اوسکے حوالہ کردی جاے یا اگر واقف خود اپنے قبضہ مین رکھنا چاہے
تو اوسکا قبضہ صاف طور پر بحیثیت متولی ہونا چاہیے اگر واقف نے اپنے نابالغ
لڑکے کے حق مین وقف کیا ہے تو قبضہ کی تبدیلی کی ضرورت نہین ہے۔ ایسی
صورت مین قانوناً باپ کا قبضہ نابالغ کی طرف سے بحیثیت متولی قیاس کیا جایگا
و نیز اوس صورت مین جب وقف مساکین کے لیے ہو۔

جب اون تمام شرایط کی تعمیل ہوگئی جس سے وقف مکمل ہو جاتا ہے تو ہمارے
مذہب مین پہر وقف منسوخ نہین ہو سکتا (اگر حالت صحت مین کیا گیا ہو) صاحب
جواہر الکلام کہتے ہین کہ "اس امر مین ابو حنیفہ ہم سے اختلاف کرتے ہین۔ اونکے شاگرد
ابو یوسف نے بغداد مین پہونچکر اون سے اختلاف کیا۔ اگر جائداد واقف کے قبضہ سے
نکل کر ایکبار بھی دوسرے کے قبضہ مین گئی یا مستحقین کے یا اونکے متولی کے قبضہ
مین گئی تو واقف پہر اوس وقف کو رد نہین کر سکتا نہ اوسکے شرایط مین کچھ رد و بدل کر سکتا
و نہ راہ خدا سے یا اوس غرض سے جسکے لیے وقف کیا گیا ہے اوسکو واپس

سے لے سکتا ہے ''

تیسری شرط یعنی تنجیز کے متعلق جامع المقاصد شرح قواعد کتب وقف مین لکھا ہے
''در وقف مین تنجیز کا ہونا لازم ہے اسلیے اگر کسی نے وقف کا نفاذ کسی شرط یا صفت
متوقعہ پر مشروط کیا مثلاً یہ کہا کہ جب زید آئے تو میرا مکان
وقف ہے یا یہ کہے کہ جب مہینہ شروع ہو تو میرا غلام وقف ہے
تو یہ وقف صحیح نہین ہے کیونکہ شرط واقع ہونیکا قطعی تیقن نہین ہے ''

فرق شیعہ و سنی | شیعہ و سنی وقف مین ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ سنیون مین
وقف ایقاع ہے عقد نہین یعنی مثل عقد کے اسمین ایجاب و قبول کی حاجت نہین
ہے بلکہ واقف کے مجرد قول سے (بشرطیکہ دیگر شرائط صحیح وقف کی پائی جائین)
وقف ہوجاتا ہے ۔ برعکس اسکے امامیہ مذہب مین وقف ایک عقد ہے جسمین
ایجاب و قبول کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ یہ مسئلہ جامع الشتات صفحہ ۳۳۳ مین سوال
و جواب کی شکل مین اسطرح پر لکھا ہے ۔

سوال

در وقف صیغہ شرط است یا نہ و از باب عقود است کہ محتاج است بایجاب و قبول یا ایقاع است و قصد
قربت شرط است یا نہ ۔

جواب

''بلے صیغہ شرط است و بدون آن منعقد نمی شود ۔ وقف عقد یست محتاج بایجاب و قبول
کہ مراد از عقد درین جا عام از ایقاع است ۔ و اظہر اشتراط است بدلیل اصل عدم صحت
و عدم تحقق وقف بدون آن ''

یعنی وقف کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا استعمال کرنا ضرور ہے بعدہٗ دوسرے لوگ کے

جواب مین یہ کہکر کہ وقف ایک عقد ہے جو محتاج ایجاب و قبول ہے یہ کہا گیا ہے
کہ اس مقام پر عقد مین ایقاع بھی شامل ہے۔ عقد کے معمولی مفہوم مین ایقاع داخل
کرنے سے مصنف کا یہ مقصود ہے کہ ایقاع صرف چند مخصوص قسم کے وقف
مین ہوتا ہے جسمین بخیال نوعیت وقف قبضہ دینا تقریباً غیر ممکن ہے مثلاً اگر
وقف بہمت یا مصلحت عام کے لیے ہو یا فقرا و مساکین کے حق مین ہو تو ان صورتون
مین کسی خاص شخص کو جائداد وقف پر قبضہ نہین دیا جا سکتا۔ تیسرے امر کی
نسبت مصنف کہتا ہے کہ قربت خدا کی نیت کرنی شرط ہے اس وجہ سے کہ بدون
ایسی نیت و خواہش کے وقف بوجہ عدم تحقیق و نہ پائے جانے اصل شرط صحت کے
صحیح نہین ہے۔ اسی مسئلہ کی بنیاد پر یہ تجویز ہوئی کہ شیعہ مذہب مین وقف بالوصیت
صحیح نہین ہے۔ تاوقتیکہ واقف نے موقوف علیہ کا قبضہ جائداد موقوفہ پر نہ کرا دیا ہو
و نیز یہ کہ اگر حوالگی قبضہ سے پہلے واقف فوت ہو گیا تو وقف باطل ہے[۵۱]۔

وقف مرض الموت مین یہ تمام باتین اوس وقف سے متعلق ہین جو حالت صحت مین ہوا ہو
لیکن اگر وقف مرض الموت مین کیا گیا ہے تو کل جائداد کی بابت صرف اوس حالت
مین مؤثر ہو گا۔ جب واقف کے مرنے کے پہلے یا بعد اوسکے وارث اپنی رضامندی
دیدین ورنہ وقف صرف ایک ثلث کی نسبت مؤثر ہو گا "کیونکہ وقف مثل اون
افعال کے ہے۔ جنکا نفاذ فوراً ہو جاتا ہے جیسے ہبہ و بیع وغیرہ" اگر وقف کل
ترکہ کی تہائی سے برآمد ہوتا ہے تو کل وقف صحیح ہے۔ اگر ایک تہائی نہین ہے تو بقدر
ایک تہائی کے جائز ہو گا۔ اور اسمین وقف کی اون شرایط کو ترجیح ہو گی جنکو واقف

[۵۱] آغا علیخان بنام الطاف حسن خان الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۴۲۹ - و نیز دیکھو مرتضی بی بی بنام
جمنا بی بی الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۱ –

نے مقدم کیا ہے - اگر ایک وقف مین وصیتین کی گئی ہین اور اس امر کا معلوم کرنا مشکل ہے کہ اون مین سے کسکو مقدم کیا ہے یعنی سب کے سب بدرجہ مساوی ضروری و اہم ہین تو اوس حالت مین مطابق شیخ کی (شیخ مرتفلی) تمام شرایط کی تعمیل کیجائیگی اور ایک ثلث جسکی بابتہ وقف صحیح ہے کل اغراض کی تکمیل مین صرف کیا جائیگا - شرایع مین ہے کہ اگر کسی شخص نے چند باتون کے کرنے کی وصیت کی ہے بعض ایسی ہین جنکا کرنا موصی پر فرض تھا اور بعض اوسکے اختیاری ہین تو یہ تمام باتین کرنی ضرور ہین - اگر موصی کے ترکہ کا ایک ثلث ان تمام اغراض کے پورے کرنے کے لیے کافی ہے - اگر تہائی جائداد اونکے لیے کافی نہین ہے اور ورثائے میت زیادہ دینے پر راضی نہین ہین تو وہ باتین جنکا کرنا موصی پر فرض تھا اوسکے کل متروکہ سے انجام دیجائینگی اور دیگر امور بقیہ ترکہ کی تہائی سے - لیکن اس امر کا خیال رکھا جائیگا کہ جس بات کو موصی نے اول بیان کیا ہے وہ پہلے انجام دیجائیگی اور اس طرح پر دوسری و تیسری - اگر کل امور موصی کے اختیاری تھے اور اونمین سے کوئی اوسپر فرض نہ تھا تو یہ تمام باتین ترکہ کے ایک ثلث سے انجام دیجائینگی اور اول وہ امر پورا کیا جائیگا جسکا ذکر موصی نے پہلے کیا ہے اور پھر دوسرا و تیسرا اسی ترتیب سے جب تک کل ایک ثلث خرچ نہ ہو جائے -

فصل چہاردہم شرایط متعلق جائداد وقف

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اسپر اجماع ہے کہ (۱) جو چیز وقف کیجائے وہ معلوم ہو (۲) اس قسم

کی ہو جو ہمیشہ قایم رہے (۳) ایک متولی سے دوسرے متولی کو دئے جانے کے لایق ہو - یہ شرایط جواہر الکلام مین مذکور ہین - یہ بہی ضرور ہے کہ وقف کنندہ کی ملک ہو - متقدمین کے نزدیک اگر کسی نے اپنا یا فتنی قرضہ وقف کیا تو جائز نہین (شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۸) کیونکہ اونکے نزدیک قرض کا فی نفسہ کوئی وجود نہین ہے - اونکی یعنی متقدمین کی یہہ بہی رائے تہی کہ ایسی شے کا وقف باطل ہے جس سے کچہہ منافع نہ ہو تاوقتیکہ خود وہ شے صرف نہ کردیجائے - اسی اصول پر منافع کا منافع لایق وقف نہین خیال کیا گیا - لیکن بعد کو معلوم ہو گا کہ جن دلائل پر متقدمین کی رائے مبنی تہی اوسمین اختلاف زمانہ وحالات وتجارت وصنعت مین ترقی کی وجہہ سے بہت کچہہ رد و بدل واقع ہو گیا ہے - غور و تامل سے پڑہنے والون پر یہ امر مخفی نہ رہیگا کہ اس امر مین شیعہ وحنفی مذہب ملتے ہوئے ہین - متقدمین حنفی مشایخ کے نزدیک مال منقول کا وقف جسمین درہم ودینار بھی شامل تہے باطل تہا - کیونکہ اونمین استمرار کی صفت نہ تہی اور اسلیے بہی کہ تاوقتیکہ وہ خود صرف نہ کیا جائے اون سے کچہہ منفعت نہین ہوتی - لیکن امامیہ مذہب کی مستند کتابون کو غور سے پڑہنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ منافع وزر نقد کا وقف صحیح ہے بشرطیکہ وہ دایمی طور پر تجارت و حرفت مین لگایا جائے اور جس سے دایمی فائدہ حاصل ہو جیسا کہ شرع حنفی مین مذکور ہوا - فی زماننا ہماری معاشرت مین جو تغیرات پیدا ہوئے ہین اونکے لحاظ سے یہ رائے مناسب ہے - جس اصول پر کہ متقدمین شیعون نے زر نقد و منافع کا وقف ناجائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان چیزون مین یا تو قیام یا استمرار نہین ہے یا آنکہ وہ خود ہی اغراض وقف مین صرف ہو جاتے ہین - لیکن جب روپیہ تجارت مین لگایا جائے یا کسی جگہہ جمع کرنے سے اوس سے منافع حاصل ہو تو اعتراض مذکور بالکل بے وقعت

ہوجاتا ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کے متاخرین مجتہدوں نے ایسے وقف کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جامع الشتات۔

مجہول نہو | جائداد وقف کی صراحت صاف طور پر کردینی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین نے اپنا مکان وقف کیا تو یہ وقف صحیح نہوگا تاوقتیکہ اوس مکان کی تخصیص نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر دریافت کرنے سے وہ جایداد معین ہوسکے تو گو اوسکی صراحت نہ کی گئی ہو تاہم وقف جائز ہوگا۔ یہ بھی شرط ہے کہ جائداد وقف واقف کی ملک ہو۔ اگر کسی نے دوسرے کی ملک وقف کردی تو اصل مالک کی اجازت سے وقف صحیح ہوجائیگا۔ مشاع کا وقف بھی صحیح ہے اور اوسپر اوسی طور سے قبضہ ہوسکتا ہے جیسے کہ حالت بیع مین۔ جواھر الکلام۔

وقف کے متعلق شرائط | واقف کا بالغ و عاقل ہونا ضرور ہے یعنی ایسا ہو جو اپنی جائداد مین صحیح طور پر تصرفات کرسکتا ہو اور کسی ناقابلیت کی وجہ سے ممنوع التصرفات نہ ہو۔ صاحب جواہر کی یہ رائے صحیح ہے۔ "وقف کرنا داخل عبادت ہے مگر چونکہ مجنون و نابالغ پر عبادت فرض نہین ہے۔ لہذا اونکا وقف بھی صحیح نہین ہے۔ کیونکہ اپنے فعل کی نوعیت و نتیجہ سمجھنے کی سمجھ اونمین نہین ہے لیکن اگر کسی لڑکے نے جو معمول سے پہلے سن رشد کو پہونچگیا ہو مثلاً دس برس کی عمر مین اور اوس نے وقف کیا تو وہ وقف صحیح ہوگا یا نہین اسمین اختلاف ہے" قیاس یہ ہے کہ وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ شرع پندرہ برس کے پہلے سن تمیز نہ تسلیم کریگی۔

وقف کی ولایت واقف خود اپنے ہاتھ مین رکھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کو متولی مقرر کرسکتا ہے۔ لیکن کوئی ایسی شرط جس سے واقف کو وقف کے منسوخ کرنیکا اختیار دیا جائے صحیح و جائز نہ ہوگی جب واقف نے کسی دوسرے کو متولی مقرر کردیا تو پھر وہ اپنے لیئے

یہ شرط نہین کرسکتا کہ جب وہ چاہے خود متولی ہوسکتا ہے[۵۱]۔ شرعاً یہ ضرور ہے کہ ناظر دیانت دار اور وقف کے کام سے باخبر ہو اسلئے اگر ناظر بد دیانت ہے یا آنکہ وقف کا انتظام کرنے کے ناقابل ہے تو وہ علحدہ کیا جا سکتا ہے (اس امر مین شیعہ و حنفی مذہب مین اختلاف نہین ہے)

موقوف علیہ موقوف علیہ کی نسبت چار شرطین ہین۔ اول۔ وہ زندہ ہو۔ دوم۔ مالک ہونے کے لائق ہو۔ سوم۔ معین شخص ہو۔ چہارم۔ ایسا ہو جسکے حق مین وقف کرنا ناجائز نہو۔ اسلیے جو بچہ حمل مین ہے۔ یعنی جنین کے حق مین اگر وقف کیا جاے تو صحیح نہین ہے لیکن اگر شخص موجودہ کے حق مین وقف کیا جاے اور بعدہٗ کسی پیدا ہونے والے بچہ کے حق مین تو صحیح ہے۔ اگر وقف معدوم محض کے لیے کیا جائے اور بعدہٗ موجود شے کے لیے تو شیخ یعنی صاحب مبسوط اور اونکے مقلدون کے نزدیک وقف موجود شے کے لیے صحیح ہوگا و معدوم کے لیے غیر صحیح۔ مثلاً اگر کسی نے اپنے ایسے بچہ کے حق مین وقف کیا جو ہنوز پیدا نہین ہوا ہے اور پہر مساکین یا دیگر اشخاص کے لیے تو وقف آخر الذکر اشخاص کے لیے فوراً اثر پذیر ہوگا۔ جواہر الکلام مین ہے کہ یحیی ابن موید جو بڑے پایہ کے فقیہہ تہے اونکی بہی یہی راے تہی۔ جسپر بہت سے علما کا اتفاق ہے لیکن جب کوئی شخص کسی موجود شے کے حق مین وقف کرے اور یہ شرط کرے کہ جب فلان کے بچہ پیدا ہو تو وقف اوسکے لیے ہے تو یہ شرط و وقف صحیح ہے (شرایع صفحہ ۲۴۵) شرع کا منشا صرف یہ ہے کہ وقف کی ابتدا موجود شخص سے کیجاے گو بعد مین غیر موجود اشخاص کے حق مین ہو۔ ظاہر ہے کہ حنفی مذہب مین اسکے

---

[۵۱] لیکن یہ قول اوس اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو بمقدمہ ہدایت النسا رپورٹ مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ طے پایا ہے۔

خلاف ہے کیونکہ حنفی مذہب کے مطابق معدوم اشخاص کے حق مین بھی وقف جائز ہے اور جب تک وہ شخص پیدا ہو وقف کی آمدنی مسکینون پر صرف ہوگی۔

وقف عام — مصالح عام کے لیے یعنی ایسے اغراض کے لیے جسمین عامہ خلایق کا فائدہ ہو وقف کرنا صحیح ہے مثلاً پل و مسجد و مردون کے کفن و تجہیز و تکفین کے اخراجات کے لیے اگر وقف کیا جاے تو صحیح ہے۔ اسیطرح مدرسہ و کتب خانہ کے لیے وقف صحیح ہے۔

کوئی مسلمان ایک حربی کے لیے خواہ وہ اوسکا قرابت مند ہی کیون نہ ہو وقف نہین کرسکتا مگر وہ ذمی کے لیے یعنی ایسے نامسلم کے لیے جو اوسی سلطان کی رعیت ہے وقف کرسکتا ہے۔ قزاق و راہزن و شراب خوار کے حق مین وقف کرنا ناجائز ہے۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم نے اوسکے حق مین وقف کیا تو صحیح ہے۔ کوئی وقف جس سے گناہ ہو جائز نہین ہے۔ اگر وقف کسی ایسی مصلحت کے لیے کیا گیا جواب باقی نہ رہی تو دوسرے نیک کامون مین صرف کیا جائیگا۔ مگر واقف کی نیت و ارادہ ملحوظ رہیگا۔ اگر کسی مسجد کے لیے وقف کیا گیا جواب نہین ہے تو دوسری مسجد مین صرف ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی خاص مدرسے کے حق مین وقف ہے تو دوسرے مدرسہ مین صرف کیا جائیگا یعنی واقف نے جس مصرف کو نامزد کیا اوسکی نوعیت کا بھی خیال کیا جائیگا۔ مفاتیح۔

فصل پانزدہم[۱۵]۔ واقف کے حقوق کا ساقط کرنا۔

اس امر خاص مین شیعہ مذہب حنفیون کے مروجہ اصول کے خلاف ہے اور قریب قریب امام محمد

کی راے کے موافق۔ شرایع مین ہے کہ حوالگی قبضہ جواز وقف کے لیے لازمی ہے
اسلئے اگر واقف قبضہ دینے کے پہلے مرگیا یا مجنون ہوگیا تو وقف ناجایز ہے۔
قبضہ کی نوعیت جائداد وقف و موقوف علیہم کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر وقف مخصوص
اشخاص کے لیے کیا گیا ہے۔ جو قبضہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین تو قبضہ لازمی ہی
اگر کوئی متولی مقرر ہوا ہے تو اوسکو قبضہ کرلینا چاہیئے۔ اگر واقف خود متولی ہے تو وہ
بحیثیت متولی کے اوسپر قابض رہے۔ اگر وقف کارخیر یا مصلحت عام کے لیے ہے
تو حوالگی قبضہ ضرور نہین ہے شرایع مین اس اصول کو اسطرح بیان کیا ہے کہ "اگر وقف
محتاجون و عالمون کے لیے کیا گیا ہے تو جائداد وقف کے قبضہ کے واسطے قیم
یعنی متولی کا مقرر ہونا ضرور ہے۔ لیکن کسی مصلحت عام کے لیے اگر وقف ہوا ہے
تو مجرد وقف کرنے سے شرعاً قبضہ کی تبدیلی متصور ہوگی اور قبول کرنے کی شرط کا خیال
نہ کیا جائیگا اور قبضہ کی نسبت تو ناظر کا قبضہ کافی ہے"
چوتھی شرط کی نسبت شیعہ و سنی مین بڑا اختلاف ہے۔ امام ابویوسف کے مطابق واقف
اگر چاہے تو جائداد وقف مین اپنی ذات کے لئے کچھ شرط کرسکتا ہے یعنی جیسا کہ وہ فرماتے
ہین "اس سے خود کہا سکتا ہے" شیعہ مذہب مین جواز وقف کے لیے یہ لازمی ہے
کہ واقف اپنا کسی قسم کا حق اوسمین باقی نہ رکھے۔ جواہر الکلام مین ہے کہ "اگر کوئی شخص
اپنے حق مین وقف کرے تو صحیح نہین ہے اسمین اختلاف نہین ہے۔ اسیطرح وہ وقف
بہی ناجائز ہوگا جسمین واقف نے اپنی ذات سے ابتدا کی اور پہر محتاجون کو دیا۔ گو بعض
مشایخ نے یہ کہا ہے کہ صرف واقف کے متعلق ناجائز ہوگا۔ اول الذکر قول یعنی
یہ کہ وقف کلیتہً ناجائز ہے۔ بالعموم صحیح مانا گیا ہے" "اسیطرح اگر اس شرط کے ساتھ
دوسرون کے لیے وقف کیا گیا ہو کہ واقف کا قرض و اخراجات روزمرہ اوس سے ادا کیا جائے

تو وقف ناجائز ہوگا۔ اگر کسی شخص نے اپنی ذات پر و محتاجون کے لیے وقف کیا تو صرف نصف جائداد کا وقف صحیح ہے اور بقیہ دوسرے نصف کی بابتہ وقف باطل ہے۔

بمقدمہ کلب حسین بنام مسماۃ محرم بی بی[۵۱] الہ آباد ہائیکورٹ نے اسی اصول پر عمل کیا۔ اس مقدمہ کی تجویز ایسی اہم ہے کہ اوسکو کسی قدر مفصل لکھنا بہت مفید ہوگا۔ سنہ ۱۸۵۱ع مین مسماۃ صاحبزادی نے کچھ جائداد مذہبی اغراض کیلئے وقف کی لیکن وقف کی آمدنی کا دو ثلث اپنی حیات تک اپنے اخراجات کے لیے شرط کیا۔ ذی علم حکام نے اس امر کی نسبت حسب ذیل تجویز صادر کی۔

"یہ حجت کیجاتی ہے کہ امامیہ مذہب کے اصول کے مطابق بوجوہات چند دستاویز سنہ ۱۸۵۱ع کے ذریعہ سے کوئی صحیح وقف وقوع مین نہین آیا۔ اول وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۶۷ع مین تاریخ ہبہ کرنے کے وقت تک مسماۃ صاحبزادی بیگم کا قبضہ جائداد پر بحیثیت مالک تھا ثانیاً یہ کہ اپنی ذات کے لیے جائداد وقف کا کچھہ منافع شرط کیا کیونکہ آمدنی کا دو ثلث حصہ اپنے روزانہ اخراجات کے لئے اوس نے مخصوص کیا۔ شیعہ مذہب کے مطابق وقف کے جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ وقف بلا کسی شرط و قید کے ہو و جائداد وقف پر قبضہ دیدیا جائے اور یہ کہ واقف سے کلیتہً اوسکو لے لینا چاہئے۔

"اول ہمکو اس امر پر غور کرنا ہے کہ جائداد وقف پر قبضہ دیا گیا یا نہین۔ شرعاً واقف خود اپنے کو متولی مقرر کرسکتا ہے۔ اسلئے چونکہ وقف کنندہ نے خود اپنے آپ کو متولی قرار دیا اور دستاویز تحریر ہونے کے بعد اوس نے اپنے طریق عمل سے یہ بات ثابت کردی کہ وہ جائداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض ہے اسلئے ہماری یہ راے ہے کہ شرعاً جس قسم کے قبضہ کی ضرورت ہے وہ اس مقدمہ مین ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اوس کے

---

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۵۵۔

ہماری یہ راے ہے کہ دو ثلث جائداد کی نسبت دستاویز ۱۸۵۱ء کے ذریعہ سے صحیح وقف نہین قایم ہوا۔
جائداد موقوفہ کے دو ثلث آمدنی واقف نے اپنے لیے مخصوص رکھی یعنی دو ثلث جائداد واقف نے اپنی ذات پر وقف کیا اسلیے اس مقدمہ مین اور اون مقدمات مین جنکا ذکر شرایع مین ہے کوئی فرق نہین ہے۔ اب یہ امر طے کرنا باقی ہے۔ کہ آیا دستاویز ۱۸۵۱ء کی ناجوازی بابتہ دو ثلث کے کل دستاویز پر وقف کی تعریف صادق ہونے کے مانع ہے۔ یا صرف دو ثلث ہی کی نسبت ناجائز ہے۔ شرایع مین ہے کہ اگر دوسرے کے حق مین اس شرط سے وقف کیا جائے کہ وقف سے وقف کنندہ کا قرضہ یا اخراجات ضروری ادا کیا جائے تو ایسا وقف باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شکل خاص مین واقف نے جو اپنے لیے شرط کی ہے۔ اوسکی تعداد غیر معین ہے مگر اس مقدمہ مین جو ہماری روبرو پیش ہے آمدنی کا ایک ثلث یعنی معین حصہ ہماری راے مین واقف کے دنیاوی فائدہ کے لئے نہین بلکہ دوسرے اغراض کے لیے مستقل طور پر ہمیشہ کے لیے وقف ہے جسمین وقف کنندہ کا کچھہ بھی حق نہین باقی ہے۔ اور چونکہ وقف مشاع جائز ہے اسلیے اس امر کی تجویز کرنے مین ہمکو کوئی امر مانع نہین معلوم ہوتا کہ ۱۸۵۱ء کی دستاویز ایک ثلث منافع کی بابت صحیح ہے۔ اور اوس قدر حصہ جائداد کا واقف کے زمانہ تولیت ختم ہونے کے بعد اون اغراض مین صرف ہو سکتا ہے جو واقف نے بیان کیے ہین۔ بوجوہات بالا رسپانڈنٹ کا دعوی بقدر دو ثلث کے کم ہو جائیگا"
گو اپنے حق مین وقف کرنا جائز ہے لیکن اگر خدا کی راہ مین وقف ہو تو واقف اوس وقف کے فائدہ مین شریک ہو سکتا ہے مثلاً اگر اوس نے مسجد وقف کی تو اوس مین وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسیطرح اگر کسی مصلحت عامہ کے لیے وقف ہے تو واقف اوسکے

فائدہ مین شریک ہوسکتا ہے جیسے پل و مسافرخانہ وغیرہ۔ اگر کسی شخص نے اس شرط سے
وقف کیا کہ بوقت ضرورت وہ جائداد وقف کو واپس لے لیگا۔ تو شرط صحیح ہوگی اور
وقف باطل۔ اور اسکا اثر مثل حبس کے ہوگا جب ضرورت ہوگی تو جائداد واقف کی
ملک مین داخل ہوجائیگی مگر ضرورت ایسی ہو جو روا جاوے درحقیقت ضرورت تسلیم کی گئی
ہو نہ کہ صرف فرضی ہو۔ جب ایکبار جائداد ایسے شخص کی ملک مین آگئی تو پھر اوسکے
منتقل کرنیکا حق بھی اوسکو حاصل ہوگا۔ واقف کا یہ شرط کرنا کہ وہ کسی شخص کو جس پر
وقف ہوا ہے وقف کے فائدہ سے خارج کرسکتا ہے ناجائز ہے لیکن کسی نئے شخص
کو اوسکے فائدہ مین داخل کرنے کی شرط صحیح ہے۔ بجز اوس صورت کے جب
وقف اوسکی اولاد کے حق مین ہوا ہو۔ جب کسی شخص نے اپنی اولاد کے حق مین وقف
کیا تو جو اولاد بعد مین پیدا ہونگی وہ بھی اوسمین داخل ہونگی گو اسکی نسبت کوئی صاف
شرط ابتدا مین نہ کی ہو لیکن جب وقف کرکے جائداد لڑکون کے حوالہ کردی گئی ہو تو
جو لڑکے بعد مین پیدا ہونگے وے اسمین شریک نہ کئے جائینگے تاوقتیکہ اسکی نسبت
صاف طور پر شرط نہ کرلی گئی ہو۔

اگر اپنے نابالغ بچون کے لیے وقف کیا ہے تو واقف کو شرائط وقف اس طور پر تبدیل کرنیکا
اختیار نہ ہوگا جسکی رو سے غیر اشخاص وقف کے فائدہ مین داخل ہوجائین تاوقتیکہ اوس
نے ایسے اختیار کی اپنے لیے شرط نہ کی ہو۔

جس قبضہ کی شرعاً ضرورت ہے وہ اول موقوف علیہ کا قبضہ ہے اور اوسکے
مابعد کے موقوف علیہم کے قبضہ کا کچھ خیال نہ ہوگا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ضرور نہین ہے
کہ قبضہ واقعی دیا جاوے۔ بلکہ صرف یہ کافی ہوگا کہ قبضہ کی نوعیت تبدیل ہوجاوے
کیونکہ واقف بعد وقف کرنے کے بھی مستحقین کی جانب سے بحیثیت متولی قبضہ

رکھہ سکتا ہے اور اس قسم کا قبضہ صحتِ وقف کے لیے مضر نہین ہے - چونکہ قبضہ کی نوعیت
کی تبدیلی سے بھی قبضہ مفہوم ہوتا ہے اسلئے اگر معنوی طور پر قبضہ کی حوالگی وقوع مین
آگئی ہو تو وہ بھی کافی ہے اسلیے شرایع کے اس جملہ کو کہ "وہ جس قبضہ کی ضرورت ہے
وہ اول موقوف علیہ کا قبضہ ہے" دیگر حالات پر خیال کر کے پڑہنا چاہیے - خود موقوف
علیہ یا موقوف علیہم کے قبضہ کی ضرورت نہین ہے کوئی شخص جو اونکا حقیقی یا معنوی
مختار ہے اونکی طرف سے قبضہ لے سکتا ہے - جب وقف مصالح عام یا کار خیر کے
لئے ہو جیسے مسکینون یا طلبا ، و علما وغیرہ کے لیے تو ان صورتون مین اُن تمام اشخاص
کو جنکے حق مین وقف ہے قابض کرانا ممکن نہین ہے اسلئے حاکم کا یا متولی کا قبضہ
کافی ہوگا خواہ اوس متولی کو حاکم نے مقرر کیا ہو یا خود واقف نے -

جب وقف مصلحت عام کے لیے ہو جیسے پل و مسجد وغیرہ کا وقف تو کسی خاص شخص
کے قبول و قبضہ کی ضرورت نہین ہے -

اگر وقف مسجد کے لیے ہے اور اوسمین ایک شخص نے بھی نماز پڑہ لی تو وقف صحیح ہو گیا
اسی طرح قبرستان مین صرف ایک مردہ کے دفن ہونے سے وقف صحیح ہو جائے گا
لیکن یہ شرط ہے کہ واقف نے وقف کرنے کی نیت کی ہو - مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے
کو اپنے مکان مین نماز پڑہنے کی اجازت دی یا کسی کے ذاتی مکان مین لوگ ہمیشہ نماز
پڑہا کرتے ہین تو اس سے وہ مکان وقف نہ ہو جائیگا - لیکن جب وہ شخص یہ کہے
کہ مین نے اپنا مکان مسجد کر دیا اور یہ اوسمین لوگون کو نماز پڑہنے کی اجازت دی تو وہ
مکان مسجد ہو جائیگی - اسیطرح اگر کسی شخص نے ایسا مکان بنایا جیسے اوس ملک مین
عام طور پر مسجدین بنا کرتی ہین اور لوگون کو اوسمین نماز پڑہنے کی اجازت دی تو وہ مکان وقف
ہو جائیگا گو الفاظ کے ذریعے سے وہ مکان وقف نہ کیا گیا ہو - صرف کسی زمین مین مردہ

دفن کرنے سے یا کسی مکان مین نماز پڑہنے سے وہ زمین یا مکان وقف نہ ہوجائے گا
تاوقتیکہ مالک زمین یا مکان کی نیت صراحتًا یا معنًا وقف کرنے کی نہ ہو۔

اولاد پر وقف — جب اولاد کی اولاد کے واسطے وقف کیا گیا ہو تو اوسمین لڑکون کی اولاد کے ساتھہ دختر ون کی اولاد بہی شامل ہوگی۔

جب وقف اپنی اولاد و اولاد کی اولاد کے حق مین کیا گیا ہو تو تیسری پشت کی اولاد اوسمین شامل نہ ہوگی تاوقتیکہ کسی اور طور پر نہ معلوم ہو کہ واقف کا یہ منشا تہا۔ جواہر الکلام۔

جب وقف اپنی اولاد و اولاد کی اولاد و اونکی اولاد کے حق مین کیا گیا ہو تو اولاد مین سے جو زندہ ہوگا اون سبکو اونکی تعداد (روس) پر ملیگا تاوقتیکہ یہ شرط نہ کی گئی کہ بطن بعد بطن پائیگا۔ اگر اپنی کل اولاد کے لیے وقف کیا ہے تو واقف کی کل اولاد کو اوس سے ملیگا اور اون سب کے مرنے کے بعد محتاجون کا حق ہوگا۔ جب عمارت وقف منہدم ہوجائے اور اوسکا کوئی نشان بہی نہ پایا جائے تو وہ زمین جسپر وہ عمارت قایم تہی وقف کی صفت مین داخل ہے اور بیع نہین ہوسکتی صرف عمارت کے انہدام سے وقف زائل نہ ہوگا۔ کیونکہ وقف دائمی ہوتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ وقف کی جائداد فروخت کر کے اوسکے ثمن کو اور کام مین لگانے سے وقف کا زیادہ فائدہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اوسکو فروخت کردے۔ اگر باہم مستحقین وقف کے نزاع پیدا ہو جس سے جائداد وقف کو اوسکی ابتدائی شکل مین رکھنے سے نقصان ہے تو اوسکا بیع کرنا جائز ہے۔

جب صدقہ حوالہ کر دیا گیا تو پہر وہ واپس نہین ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بمنزلہ ہبہ بالعوض کے ہے وقف و صدقہ دونونکا مقصود قربت خدا ہے اور جب صدقہ یا وقف کیا گیا تو قربت ہوگئی اسلیے وہ پہر واپس نہین لیا جاسکتا۔

فصل شانزدہم۔ ضابطہ متعلق نالش

سید امیر علی لکہتے ہین کہ شرع محمدی کی رو سے ہر شخص کو جسکو جائداد وقف مین کوئی استحقاق

سبسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ اس امر کا استقرار کرائے کہ فلان جائداد وقف ہے یا انکہ فلان وقف مین اوسکا کچھہ حصہ ہے۔ شرع کی روسے ہر ایسے شخص کو یہ حق ہے کہ قاضی کے سامنے اپنا استغاثہ پیش کرکے اوسکی بابتہ چارہ جوی حاصل کرے جس طریقہ سے یہ چارہ جوئی حاصل کیجاسکتی ہے اوسکے متعلق شرع نے کوئی قید نہین لگائی ہے۔ مگر ہندوستان کے واضعان قانون نے چند قسم کے مقدمات کی نسبت ایک ضابطہ مقرر کیا ہے جسپر لحاظ کرنا ضرور ہے اسوجہ سے کہ عدالت العالیہ ہائیکورٹ کلکتہ والہ آباد نے اُس ضابطہ کی نسبت ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔

اسلامی سلطنتون مین جملہ اوقاف جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے عام ہین یعنی وہ جس سے عامہ خلائق مستفید ہوتی ہے وہ سلطنت کی طرف سے ایک خاص افسر کی نگرانی وانتظام مین رہتے ہین جسکو ناظر اوقاف کہتے ہین۔ لیکن قاضی بحیثیت قایمقام سلطان کے تمام اوقاف کا ناظر ہے خواہ وہ وقف عامہ خلایق کے فایدہ کے واسطے ہو یا کسی خاص فرقہ واشخاص کے فائدہ کے لیے۔ جبکہ سلطان مغلیہ کے سند کے ذریعے سے انگریزون نے ان صوبجات کی حکومت اپنے ہاتھہ مین لی تو اونکو بہت سی ایسی جائداد ملی جو بادشاہون نے یا اونکے امراؤسرداران نے وقف کی تھی اور مختلف حصہ ملک مین پھیلی ہوئی تھی کچھہ دنون تک وہ اوقاف ویسے ہی غیر منتظم حالت مین رہنے دیے گئے جیسا کہ اسلامی سلطنت کی بربادی کے زمانہ مین تھی لیکن ۱۸۱۰ء مین یہ امر ضروری خیال کیا گیا کہ اِن اوقاف وعطیہ جات کی حفاظت کے لیے کوئی قانون وضع کیا جاوے۔ اس غرض کے لیے ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء نافذ کیا گیا۔ جیسا کہ اوسکی تمہید سے ظاہر ہے۔

لیکن ۱۸۶۳ء مین یہ امر قرین مصلحت خیال کیا گیا کہ گورنمنٹ ہند و مسلمانون کے مذہبی اوقاف سے اپنا قطع تعلق کرکے صرف ایسے اوقاف کو اپنی نگرانی مین رکھے جو دنیاوی اغراض یعنی رفاہ عام کے لیے ہون۔ اوسوقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ عیسائی سلطنت کو ہندو و اسلامی مذہبی امورات سے تعلق رکھنا نامناسب و خلاف مصلحت ہے۔ اس غلط حکمت عملی کا نفاذ ایکٹ نمبر ۲۰ ۱۸۶۳ء کے ذریعہ سے ہوا۔ اِس ایکٹ کی تمہید و ابتدائی دفعات سے ایکٹ کا مقصود پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور اسمین کچھہ بھی شک نہین کیا جاسکتا کہ اس ایکٹ کا تعلق صرف اون امانت یا اوقاف سے تھا جو بموجب دفعات من ابتدا سے ۴ لغایتہ ۷ - امینون کی سپردگی مین ہون - چنانچہ بمقدمہ دلروس بانو بیگم بنام نواب سید اصغر علیخان[۵۱] ایسا ہی طے پایا ہے اس مقدمہ مین یہ بھی تجویز ہوئی کہ جب وقف امینون کی سپردگی مین آگیا تو جن اشخاص کو اوس وقف مین کوئی حق ہے وے عدالت مین آکر امین یا منتظم پر نالش کرنے کی اجازت بذریعہ درخواست حاصل کرسکتے ہین[۵۲] اور تاوقتیکہ بموجب دفعہ ۱۸ - ایسی اجازت حاصل نہ کرلی گئی ہو نالش دائر نہین ہوسکتی - لیکن جب اس ایکٹ کے بموجب جائداد وقف کسی امین کی سپردگی مین نہ دی گئی ہو تو اجازت کا حاصل کرنا غیر ضروری ہے اگر موجب ریگیولیشن نمبر ۱۹ ۱۸۱۰ء اوس وقف کا انصرام بورڈ آف ریونیو نے اپنے ہاتھہ مین سے لیا اور بعدہٗ بموجب ایکٹ ۲۰ ۱۸۶۳ء وہ کسی امین کی سپردگی گئی تو بادی النظر مین وہ وقف ایسا متصور ہونا چاہیئے جو عامہ خلایق کے فائدہ کی غرض سے کیا گیا ہے - بمقدمہ دلروس بانو بیگم بنام نواب سید اصغر علیخان[۵۱] جو اصول نسبت

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ (پریوی کونسل) یا بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۷ [۵۲] کنیز فاطمہ بنام بی بی صاحب جان ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۳۱۳ -

منشاء ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے قایم ہوا تہا اوسکو جان علی بنام رام ناتھ منڈل[۵۱] کے فیصلہ نے بالکل منسوخ کر دیا - اس آخر الذکر مقدمہ کی تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مساجد ومنادر وکالج یا دیگر مذہبی کار خیر جنکے قیام کے لیے کسی سلطنت سابق یا اشخاص نے کچھ زمین عطا کی ہے وہ سب اس ایکٹ کے مفہوم کے اندر داخل ہین اور اسلیے اونکے متعلق کوئی نالش سماعت نہین کیجائیگی تا وقتیکہ حسب دفعہ ۱۸ - اجازت نہ حاصل کی گئی ہو[۵۲] - اس نظیر کی تقلید کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک دوسرے مقدمہ مین کی یعنی بمقدمہ لطیف النساء بی بی بنام نظیرن بی بی[۵۳] مقدمات مذکور شرع محمدی کے موافق فیصل نہین ہوئے کیونکہ اسمین ایسے قیود بڑہائے گیے ہین جنکا شرع مین کہین وجود نہین ہے - الہ آباد ہائی کورٹ نے ان فیصلون سے بمقدمہ ظفر یاب علیخان بنام بختاور سنگھ[۵۴] اختلاف کیا الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی کہ ہر مسلمان کو پیدایشی حق حاصل ہے کہ کسی جایداد کو وقف یا اوسکے منافع مین اپنا حق مشارکت ثابت کرنے کے لیے نالش رجوع کرے -

ظفر یاب علیخان بنام بختاور سنگھ

اس مقدمہ مین چند مسلمانون نے واسطے قبضہ ایک تکیہ کے جواز نام نجف علی شاہ مشہور تہے بمنسوخی کفالت ڈگری ونیلام سرکاری وبانہدام دو دیوار وبہ بیدخلی مدعا علیہم کے نالش دائر کی تہی عدالت اپیل ماتحت نے

---

۵۱ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۲ ۵۲ دفعہ ۱۸ حسب ذیل ہے - " اس ایکٹ کے موجب کوئی نالش نہین ہوسکتی تا وقتیکہ ایسی نالش کرنے کے لیے اول کوئی درخواست عدالت مین حصول اجازت کے واسطے نہ گذری ہو یہ درخواست سادہ کاغذ پر بلا اسٹامپ کے گذر سکتی ہے - درخواست پڑہنے کے بعد عدالت یہ طے کریگی کہ آیا بادی النظر مین نالش کرنے کے کافی وجوہات ہین یا نہین - واگر عدالت کی تجویز مین ایسے وجوہات ہین تو نالش دائر کرنے کی اجازت دیجائیگی وغیرہ ۵۳ کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۳ ۵۴ الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۴۹۷ -

نالش کو اس وجہ سے ڈسمس کیا کہ مدعیان کو منصب نالش نہ تھا۔ ہائی کورٹ نے عدالت اپیل کے فیصلہ کو بوجوہات ذیل منسوخ کیا "مدعیان بحیثیت اہل اسلام جو مسجد مین آنے جانے و دیگر عمارت مذہبی متعلق وقف کو استعمال مین لانے کے مستحق ہین صریحاً اس نالش کو قایم رکھہ سکتے ہین اور دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کو ایسے مقدمہ سے کچھہ تعلق نہین ہے کیونکہ وقف متنازعہ ہماری راے مین ایک انتظام مذہبی حسب معنی دفعہ ۲۲ ایکٹ ۲۰ ۱۸۶۳ع کے ہے اور اسلئے وہ تابع احکام شرع محمدی ہے۔ پس ہم مقدمہ کو از روے دفعہ ۵۶۲ ضابطہ دیوانی تجویز رو ئدادی کے لئے واپس بہیجتے ہین" جواہر ابنام اکبر حسین[۱] ایک مابعد کے مقدمہ مین الہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل نے اس مسئلہ کو کہ آیا ایک مسلمان کسی مسجد مین عبادت کرنے کے حق کی استقرار کی نالش عدالت مین کر سکتا ہے یا نہین بہت وضاحت سے طے کیا۔ اپیل دویم مین یہ حجت کی گئی -۱- نالش بشکل موجودہ نہین ہو سکتی تہی کیونکہ کوئی خاص استحقاق نالش کرنیکا ظاہر نہین کیا گیا ہے -۲- چونکہ اوس گانون مین غالباً اور مسلمان باشندے بہی ہین لہذا نالش بلا تعمیل احکام دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے نہین ہو سکتی۔ بیتہرم صاحب چیف جسٹس نے حسب ذیل تجویز صادر کی۔

"مجہکو کچہہ بہی شبہ نہین ہے کہ مدعی اس نالش کے دائر کرنیکا مجاز تہا۔ منصب نالش کی بحث اوس خاص طریقہ کی وجہہ سے پیدا ہوئی جسکے مطابق اس قسم کی جائداد پر قبضہ ہوتا ہے۔ مسلمانون کے رواج کے بموجب مسجد یا اراضی متعلق مسجد کسی خاص شخص کی ملکیت نہین ہوتی وہ انسانی ملک کے تابع نہین ہے بلکہ جماعت اہل اسلام کے تمام اشخاص کو یہ حق ہے کہ جب کبہی مسجد کُہلی ہو تو اوسمین عبادت کرین چونکہ اس ملک کی آبادی

---

[۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۷۸۔

کے اہل اسلام صرف ایک جزو ہین لہذا یہ حق بالعموم جملہ باشندگان ملک کو حاصل نہین ہے اسلئیے یہ حق مشابہ اوس حق کے ہے جو اپنے خاص راستہ مین ہوتا ہے۔ جس شخص کو یہ حق حاصل ہے وہ بلا مزاحمت اوسکو استعمال کرنیکا مستحق ہے۔ اور جو اوسکے حق مین مزاحم ہو اوسپر نالش کرنیکا مجاز ہے۔ یہ مشترک حق نہین ہے بلکہ ایسا حق ہے جو اکثرون کو حاصل ہے دفعہ ۳۰ کا تعلق صرف ایسے مقدمہ سے ہے جسمین اکثر اشخاص دادرسی حاصل کرنے مین مشترک حق رکہتے ہون اور جس صورت مین کہ قانون سابقہ کی رو سے جملہ ایسے اشخاص کا شریک نالش کرنا ضرور تہا اوسکے لیے دفعہ ۳۰ وضع کیا گیا تاکہ مسل مین بہت سے نام بلا ضرورت نہ بہر دیے جائین اور صرف ایک یا چند اشخاص باجازت عدالت سب کیطرف سے نالش یا جوابدہی کرسکین۔ یہ قاعدہ اس وجہ سے جاری کیا گیا تاکہ دولتمند اشخاص آپس مین مشورہ کرکے ایک مفلس شخص کو پیروی مقدمہ کے لیے کہڑا نہ کرسکین اور اس طرح پر آپ خرچہ سے محفوظ رہین۔ مقدمہ حال مین ظاہر ہے کہ ایک خاص شخص کے حق کو ضرور پہونچایا گیا ہے لہذا نالش ہوسکتی ہے"

اس مقدمہ مین سید محمود صاحب کی تجویز بہی لایق پڑہنے کے ہے۔

اس تجویز کی تقلید کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک حال کے فیصلہ مین کی ہے۔ دیکہو محی الدین بنام سید الدین[۵۱] الہ آباد ہائی کورٹ کی تجویز شرع محمدی کے احکام کے مطابق ہے اور ردالمختار و فتاوی قاضی خان کے حوالہ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو جسکو کسی مسلمہ وقف مین کوئی حق ہے یہ حق بہی ہے کہ وہ متولی کے اوپر اپنے حق کی بابت نالش کرے یا کسی غاصب کے اوپر اس غرض سے نالش کرے کہ جو جزو جائداد وقف کا اوس نے غصب کیا ہے اوسے واپس دے اور اس نالش مین اون اشخاص کا

[۵۱] انڈین لارپورٹ کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۸۱۰۔

فریق کرنا ضرور نہین ہے جو اوس فائدہ مین شریک ہین جسکے لیے نالش کیجاتی ہے اسلیے اگر وقف ایسا نہین ہے جسکا انتظام مطابق ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء و ایکٹ نمبر ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے کیا گیا ہے اور نہ حسب منشاء آخر الذکر ایکٹ کے ایجنٹ کے حوالہ کیا گیا ہے تو اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ علاوہ اسکے دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی صرف ایسی امانت سے متعلق ہے جو واسطے اغراض خیرات عام یا امور مذہبی کے ہو"

دفعہ مذکور کے احکام وقف سے متعلق کرنے کے لیے یہ بات ثابت ہونی چاہیے کہ امانت واسطے عام اغراض خیرات یا امور مذہبی کے ہے بالفاظ دیگر وہ امانت عوام الناس کے لیے ہے یا یون کہے کہ اوسکے مستحقین عوام الناس کی عام جماعت سے بلا کسی امتیاز کے منتخب ہوتے ہین ۵۱"

۵۱ من مولف۔ اس موقع پر یہ ظاہر کردینا ضرور ہے کہ اردو ضابطہ دیوانی مین دفعہ ۵۳۹ کا ترجمہ کسی قدر غلط ہوا ہے جسکی وجہ سے سید امیر علی کی عبارت مذکورہ بالا و تجویز مقدمہ جواہر ابنام اکبر حسین کا صحت کے ساتھ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ دفعہ مذکور کا سرکاری ترجمہ اسطرح ہوا ہے۔ "جو امانت صریحاً یا معناً واسطے اغراض خیرات عام یا امور مذہبی کے قرار دی گئی ہو" اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ لفظ عام خیرات کی صفت ہے و امور مذہبی اوسکے اثر سے بالکل خارج ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہین ہے۔ دفعہ مذکور کے اوس جزو کا ترجمہ جسکے نیچے خط کھینچا گیا ہے صحیح طور پر یہ ہو سکتا ہے یا اسکے قریب "جو امانت صریحاً یا معناً واسطے عام اغراض خیرات یا مذہب" اس ترجمہ سے لفظ عام ہر دو قسم کے اغراض کی صفت ہوگیا یعنی خواہ اغراض کار خیر ہون یا امور مذہبی۔ لفظ خیرات محدود معنی مین مستعمل ہوتا ہے بجاے اوسکے کار خیر زیادہ مناسب ہے۔

قبل اسکے کہ دفعہ مذکور متعلق کیا جائے یہ امر ثابت ہونا چاہیئے کہ امانت عام اغراض خیرات و مذہب کے لیے ہے۔ یعنی یہ کہ جملہ عوام الناس بلا کسی امتیاز کے اوس سے مستفید ہونے کے مستحق ہین۔

عام امانت یا مصالح عامہ بموجب شرع محمدی

مسجد (بشرطیکہ جامع مسجد نہو) و خاص امام باڑہ۔ اور ایسے اوقاف جو مخصوص کار خیر کے لیے ہون۔ (جیسے لطیف النسا بنام نظیرن بی بی کے مقدمہ مین وقف تھا) یا ایسا وقف جو ایک مخصوص جماعت کے لیے ہوان مین سے کوئی مسلمان مقننان کے نزدیک از قسم امانت عام نہین ہے اور نہ جملہ عوام الناس کو اوسمین کوئی حق ہے۔ شرع محمدی نے عام و خاص اوقاف کے مابین بہت واضح خط کہنچدیا ہے جس سے ایک دوسرے کی نوعیت باسانی تمیز ہو سکتی ہے۔ ایسے وقف سے جسمین عوام الناس کا حق ہوتا ہے اور صرف اوسی قسم کے وقف سے غالباً دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کا تعلق ہے وہ مصالح عامہ مین جو رفاہ عام کی غرض سے قایم ہوئے ہین۔ مثلاً پل و کاروانسرائے و شفاخانہ و عام قبرستان عام کتب خانہ۔ عام مدرسہ۔ عام امام باڑہ جیسے ہگلی شہر مین محمد محسن کا امام باڑہ۔ مگر خاص وقف سے یا ایسے وقف سے جو کچھہ خاص ہے و کچھہ عام۔ احکام دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے کسی طور پر متعلق نہین ہین۔ اور اگر اوسکا انتظام بموجب ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء کے سرکار نے اپنے ہاتھہ مین نہ لیا اور پھر بعدہ بموجب ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء اُمناء کی سپردگی مین نہین دیا تو آخر الذکر ایکٹ کے احکام اوس سے متعلق نہین۔

اسلیے ایسے اوقاف کے متعلق اگر نالش کرنی ہو تو بموجب احکام شرع محمدی کے دائر ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ وقف اگر مسلمہ ہے اور اوسکے چند متولی ہین تو

اونمین سے ایک یا زیادہ بغیر شریک کیے ہوئے دوسرے متولیون کی نالش کرسکتا ہے واگر کوئی متولی نہین ہے یا ہے تو نالش دائر کرنے پر آمادہ نہین ہے۔ تو اون اشخاص مین سے ایک شخص جنکو وقف مین کسی قسم کا حق ہے سب کی طرف سے نالش کرسکتا ہے اور اسمین قاضی کی اجازت کی ضرورت نہین ہے۔ واگر وقف کی نسبت نزاع ہے یعنی وہ مسلمہ نہین ہے تو بعض متولی۔ واگر وہ نہ ہون تو بعض مستحق قاضی کی اجازت سے سب کی طرف سے نالش کرسکتے ہین۔ جائداد وقف کے متعلق نالش کرنے کا حق متولی کو ہے نہ کہ اولاد واقف کو[۵۱] لیکن جس شخص کی نسبت ایکبار ثابت ہو گیا ہے کہ اوس نے جائداد وقف مین خیانت کی تو اوسکو عدالت اس امر مین مدد نہ دیگی کہ وہ جائداد کو نالش کے ذریعہ سے حاصل کر کے اوسپر متولیانہ قابض ہو[۵۲]

جن لوگون کو جائداد وقف مین کچھہ حق ہے اونکو متولی پر اس غرض سے نالش کرنے کا منصب ہے کہ جائداد وقف کو ضایع نہ کرین ورنہ بیجا طور پر صرف کرین[۵۳] جب منجملہ چند متولیون کے بعض شریک نالش نہین ہوتے اوس حالت مین جس طرح پر نالش ہونی چاہیئے وہ بمقدمہ بھجولال بنام ولی اللہ[۵۴] بیان کیا گیا ہے۔

اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ اگر ممکن ہو تو جملہ متولی مدعی ہون واگر بعض شریک نالش نہین ہوتے تو وے زمرۂ مدعا علیہم مین داخل کیے جائین۔

حسب دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی متولی کے معزول کیے جانے کی نالش ہوسکتی ہے اور

---

[۵۱] بمبئی جلد ۲ صفحہ ۸۴ - بھاٹے صاحب بنام دامودر پریم جی [۵۲] آغا محمد کوبل طہرانی بنام آغا عباس طہرانی صدر دیوانی عدالت ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۸۵ [۵۳] عبدالرحمن بنام یار محمد الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۶۳۶ [۵۴] کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۸ -

ایسی نالش مین اون منتقل الیھم کو فریق بنانا ضرور نہین ہے جنکے ہاتھ متولی نے جائداد وقف کا کچھہ حصہ فروخت یا رھن کیا ہے[۵۱]۔

تمادی | جائداد وقف اگر رھن کی گئی ہے تو اوس سے مدہ ۱۳۴ قانون تمادی متعلق نہین ہے کیونکہ مدہ مذکور مین جو لفظ "خریداً" واقع ہے اوسمین "رھن" داخل نہین ہے۔ بلکہ اس صورت مین مدہ ۱۴۴ قانون مذکور متعلق ہوگی۔

پیارے لال بنام محمد متقی | بمقدمہ پیارے لال بنام محمد متقی[۵۲] ایک سجادہ نشین نے جو جائداد وقف پر قابض تھا مابین ۱۸۶۴ء لغایتہ ۱۸۶۹ء متعدد رہنامجات کے ذریعہ سے جائداد وقف کا بہت سا حصہ رھن کیا۔ فروری ۱۸۹۱ء مین وہ سجادہ نشین فوت ہوگیا اور ۲۶ اپریل سنہ مذکور کو اوسکا لڑکا بجاے اوسکے سجادہ نشین ہوا۔ ۲۵ نومبر ۱۸۹۳ء کو لڑکے نے جائداد مرہونہ کی مداخلت کی بمنسوخی رہنامجات نالش کی۔ تجویز ہوئی کہ نالش مین تمادی ہے۔

---

۵۱ حسینی بیگم بنام کلکٹر مرادآباد۔ الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۶۔ اس مقدمہ مین جملہ ہائیکورٹ کے نظائر جو دفعہ ۵۳۹ پر ہین خواہ خلاف یا موافق سب ملینگی۔ ۵۲ الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۸۲۔

باب سوم — شفعہ

فصل اوّل۔ ہندوستان مین شفعہ کا رواج

ہندوستان مین شفعہ کا قانون مسلمانون کے ذریعہ سے آیا۔ مسلمانون کی حکومت کے زمانہ مین شفعہ کا قانون ملکی قانون تہا یعنی اہل اسلام و دیگر قوم کے لوگون سے یکسان متعلق تہا۔ اور اسطرح پر جب ایک زمانۂ دراز تک اس ملک کے باشندون کو اپنے ذاتی تجربہ سے اس قانون کے فوائد معلوم ہوئے تو اونمین اسکا رواج ہوگیا اور بعض مقامات کے باشندون نے اس قانون پر عمل کرنیکا آپس مین معاہدہ کیا۔ چنانچہ اب چند حصہ ملک مین رواج کی بناء پر یہ قانون جاری ہے۔ اگر حق شفعہ رواج و دستور پر مبنی نہین ہے وہان صرف مسلمانون ہی مین اسکا نفاذ ہے کیونکہ یہ قانون ملکی قانون نہ رہا بلکہ مسلمانون کا ذاتی قانون رہ گیا ہے۔ صوبہ بہار[۵۱] و ممالک مغربی و شمالی و اودہ و بنگال و چند حصہ پنجاب[۵۲] مین و گجرات[۵۳] کے اہل ہنود مین شفعہ کا قانون رسم و رواج کی بناء پر جاری ہے اور اوس سے شرعی قواعد و قیود متعلق نہین ہین مگر مدراس[۵۴] مین شفعہ کا رواج

---

[۵۱] دبجے کنور بنام سروپ نراین ٹہاکر ویکلی رپورٹر ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۵۹ جلد ۲ خلاصہ نظائر ۱۷۳ و فقیر راوت بنام امام بخش بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۵

[۵۲] سید امیر علی باب الشفعہ

[۵۳] گوردہن داس بنام پران کنور بائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۲۶۳ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۷۳

[۵۴] ابراہیم صاحب بنام منیر الدین صاحب (ہائیکورٹ رپورٹ) مدراس جلد ۶ صفحہ ۲۶ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۷۳۔

محمود صاحب جسٹس نے اپنے متعدد فیصلجات مین اس امر کو ثابت کیا ہے کہ شفعہ کا رواج ہندوستان مین مسلمانون کے ذریعہ سے ہوا - اور جب رواج مذکور جملہ امورات مابہ النزاع کے تصفیہ کے لیے کافی نہ ہو تو اوس صورت مین شرع محمدی کی طرف رجوع کرنا ضرور ہے - چنانچہ بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[۱] صفحہ ۷۹ پر صاحب موصوف تحریر کرتے ہین "قاعدہ شفعہ دراصل اہل اسلام کے قانون کا جزو ہے اس قاعدہ کو زمانہ گذشتہ کے مسلمان مقننان نے جنکو شرع کے مطابق عمل کرنا واجب تہا جاری کیا - مسلمانون کے عہد حکومت مین قاعدۂ مذکور ملک کا عام قانون ہو گیا جو صدہا سال تک جاری رہا اور اہل اسلام و اہل ہنود دونون سے متعلق تہا - کیونکہ اس امر مین شرع نے مختلف فرقہ اور ملت کے لوگون مین کوئی امتیاز نہین رکہا ہے چنانچہ ہدایہ مین ہے کہ مسلمان و ذمی برادن قواعد کا جنپر حق شفعہ مبنی ہے برابر اثر پڑتا ہے اور دونون اوسکے اثر سے برابر تعلق رکہتے ہین اسلیئے وے شفعہ کے استحقاق مین مساوی درجہ رکہتے ہین - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ کے بعد اہل ہنود نے اوسکو مثل رواج کے تسلیم کر لیا - چنانچہ ایک ہندو مقنن راجندر لال متر تحریر کرتے ہین "میرا یہ خیال ہے کہ حکومت اسلام کے زمانہ مین قاضیون کی شرع کی تعمیل سے حق شفعہ شایع ہوا ہے اور اہل ہنود کو اس کا فائدہ اس قدر زیادہ معلوم ہوا کہ اونہون نے اسبات کی فکر کی کہ اوسکے اصول کی مطابق منتہ ہندو مین حق شفعہ اپنی زبان مین لائین - جسمین خارجی عبارت ایسی آسانی کے ساتھ چسپان ہو سکتی تہی جسکی گرفت کا اندیشہ بہی نہ ہو سکتا تہا - یہ بات تین یا زیادہ صدیان گذرین کہ واقع ہوئی ہوگی"

---

[۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ -

دوسرے امر کی نسبت یعنی جب رواج کی بناء پر کل باتون کا فیصلہ نہ ہوسکے تو شرع محمدی متعلق ہوگی۔ مقدمہ دیو کی نندن بنام سری رام[۵۱] کی تجویز کا ایک حصہ ذیل مین لکھا جاتا ہے "جو حق شفعہ واجب العرض کے کسی فقرہ پر مبنی ہے اوسکی نسبت یہ متصور ہونا ضرور ہے کہ وہ شرعی شفعہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور شرع مین جو قاعدہ شفعہ کے متعلق ہے اوسکو اس ممالک کے اہل ہنود نے بعض صورتون مین پورا پورا اور بعض صورتون مین کسی قید کے ساتھ اختیار کیا ہے" بعدہ اپنی تجویز بمقدمہ اجلاس کامل گوبند دیال[۵۲] بمقدمہ ضمیر حسین بنام دولت رام[۵۳] بمقدمہ شیو رتن کنور بنام مہپال کنور[۵۴] کا حوالہ دیکر تحریر کرتے ہین "لیکن اوس قاعدہ کی تائید مین جو مین اس مقدمہ مین پھر قرار دونگا اپنی ہی سابق کی تجویزون پر استدلال کرنا نہین چاہتا۔ سب سے اہم و مستند نظیر اس امر مین کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کا ایک فیصلہ ہے۔ بمقدمہ فقیر راوت بنام شیخ امام بخش[۵۵] سر بارنس پیکاک صاحب چیف جسٹس نے باتفاق دیگر حکام تجویز صادر کی" "اس تجویز مین اون جملہ کثیر التعداد فیصلجات پر غور کیا گیا جو مطبوعہ نظائر کی کتابون مین ملسکے ذی علم جج نے اپنی تجویز کے نتیجہ کو بہت صاف اور مختصر الفاظ مین حسب ذیل بیان کیا ہے" "اسلیے ہم خیال کرتے ہین کہ اس امر مین جس قانون پر عمل ہوتا ہے وہ بہت صاف ہے یعنی یہ کہ بہار و مغربی ہندوستان کے ہنود مین شفع کا حق یا رسم کا رائج ہونا مسلمہ ہے۔ اور جن اضلاع مین اوسکا وجود فیصلجات دیوانی مین تسلیم نہین کیا گیا وہان رواج ثابت کرنا پڑے گا۔ اور جب رواج کا وجود پایا جائے تو تاوقتیکہ اسکے خلاف نہ ثابت ہو یہ قیاس ہونا چاہیے کہ رواج مذکور کی بناء شرع محمدی پر ہے اور

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۸ [۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ [۵۳] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۱۰ [۵۴] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ [۵۵] بنگال لارپورٹ جلد ہشتم صفحہ ۳۵۔

وہ اوسی قدر وسیع ہے۔ لیکن جب یہ ثابت ہو کہ شرعی شفعہ کو رواج نے
کلیتاً تسلیم نہین کیا ہے تو مابین اہل ہنود کے عدالت اوس قاعدہ کو بلحاظ اون
حالات کے جسمین حق شفعہ کا دعویٰ ہوا ہے ترمیم کر سکتی ہے " بعدہٗ صفحہ ۲۶۸
پر ذی علم جج تحریر کرتے ہین " مین حکام ممدوح (یعنی اون حکام سے جنہون نے
مقدمہ مندرجہ رپورٹ ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی نظائر اجلاس کامل بابت ۱۸۶۷ء
صفحہ ۱۲۸ فیصل کیا ہے) اس امر کی تجویز کرنے مین اتفاق کرتا ہون کہ جب کسی
موضع کے باشندون نے حق شفعہ کو رواج و معاہدہ کے طور پر اختیار کر کے درج
واجب العرض کرایا ہو تو وہ بعض امر مین شرعی شفعہ کے خلاف ہو گا۔ اور جب
خلاف ہو تو عدالتون کو چاہیئے کہ شرائط شفعہ مندرجہ واجب العرض کی تعبیر احتیاط
سے کرین اور اونکو نافذ کرین۔ گو اسکی وجہ سے شرعی شفعہ کے معمولی قاعدہ متعلق
طلب مواثبت و استشہاد مین کچھہ تغیر و تبدل واقع ہو، یہی اصول بمقدمہ رام پرشاد
بنام عبدالکریم[۵۱] بہی صحیح قرار پایا یعنی جب اس امر کا کوئی ثبوت نہ ہو کہ رسم و رواج
شرعی شفعہ کے خلاف ہے یا اوسکی برابر وسیع نہین ہے تو شرع محمدی متعلق ہو گی
اگر شرع محمدی کے خلاف کوئی رسم ثابت ہو تو رسم کے مطابق فیصلہ ہو گا۔[۵۲]
جب کسی مقام مین شفعہ کا رواج ثابت ہو تو اوس مقام کے جملہ باشندگان بلالحاظ
مذہب و ملت کے باہم ایک دوسرے سے شفعہ کے مستحق ہونگے۔ اس اصول
کو الہ آباد ہائی کورٹ نے بمقدمہ ضمیر حسین بنام دولت رام[۵۳] صحیح تجویز کیا ہے۔ اس
مقدمہ مین معاملہ بیع مابین اہل ہنود کے واقع ہوا تہا جسپر ایک مسلمان شخص نے

---

۵۱ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۵۱۳ ۔ ۵۲ جبو دہاندیتام کنہیا لال الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۳۷۳
۵۳ الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۱۰۔

دعویٰ شفعہ کیا۔ صاحب جج نے اصول حق شفعہ کی نسبت اپنی یہ راے ظاہر کی
کہ عدالتون کو مناسب نہین ہے کہ مابین اہل ہنود و اہل اسلام کے حق شفعہ کو نافذ
کرین۔ سید محمود صاحب نے کلکتہ اجلاس کامل کے فیصلہ بمقدمہ فقیر راوت کا حوالہ
دیکر حسب ذیل تحریر کیا۔

"... ظاہر ہے کہ یہ امر بیرون از اختیار عدالت ہے کہ حکمی قانون قایم کرے اور
اس مسئلہ سے کہ انصاف قانون کے تابع ہے خواہ مخواہ ایسے قانون کا وجود ثابت
ہوتا ہے جسکی پابندی عدالت کو کرنی چاہیئے۔ واضعان قانون نے سواے بعض
احکام ایکٹ ہاے مختص المقام کے جو خاص خاص ممالک ہند سے مثل پنجاب
و اودھ کے متعلق ہین حق شفعہ کے متعلق کوئی قواعد منضبط نہین کیے حالانکہ اس
حق کے وجود کو ہندوستان مین تسلیم کیا ہے۔ اور قانون مین جہان کہین حق شفعہ
کا ذکر آیا ہے وہان بہی جو قواعد قایم ہوئے ہین اونمین زیادہ تر ایسے امور سے متعلق
ہین جنپر مقدمہ کی سماعت تک عمل کرنا چاہیئے اور مقدمہ کی روئداد و تصفیہ سے
قواعد مذکور کو کوئی تعلق نہین ہے شرع محمدی ہی صرف ایسا مجموعہ ضوابط مجریہ ہند ہے
جسمین حکمی قواعد حق شفعہ کی نسبت باضابطہ قرار پائے ہین۔ اوّل درجہ شمالی
ہند مین حق شفعہ کی بنیاد کا سراغ علاوہ شرع محمدی کے جو مسلمان اپنے ساتھ
اُس ملک مین لائے تہے کسی اور جگہہ نہین ملتا۔ پس یہ قاعدہ بلا خدشہ قایم
ہوسکتا ہے کہ تمام مقدمات شفعہ مین جنمین شرع محمدی کی بناء پر شفعہ کا دعویٰ نہو
بلکہ مقامی رسم و رواج کی بناء پر ہو تو اونمین بہی عدالت کو انصافاً شفعہ شرعی کے
قواعد کی پابندی بنظر مناسب کرنی چاہیے۔ بلاشک رواجی شفعہ کے قواعد رواج
پر مبنی ہوتے ہین لیکن جب کبہی کسی خاص امر کی نسبت رواج ساکت ہو تو ضد دیجہ

کہ اوس امر کا تصفیہ بنظر مناسب شرع محمدی کے بموجب کیا جائے۔

"مقدمہ ہذا سے اِن اصول کو متعلق کرنے پر میری یہ رائے ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا مدعا علیہم کے ذمہ تہا کہ اوس مقام کا رواج شفعہ جہان مکان متنازعہ واقع تہا بہ قدر قاعدہ شرع محمدی کے وسیع نہین۔ بلکہ اوسکے بموجب رواج کا قاعدہ صرف اونہین اشخاص مین محدود ہے جو بایع و مشتری کے ہم مذہب یا ہم قوم ہون۔ جو تجویزین رواج کے ثبوت مین پیش ہوئی ہین اون سے پایا جاتا ہے کہ حق شفعہ کے متعلق اس قسم کی کوئی قید مقامی رواج کی جزو نہین ہے۔ اور اوسمین کلام نہین ہو سکتا کہ حق شفعہ کا نفاذ منجانب ذمی یعنی ایک ایسے شخص کے جو مسلمان نہ ہو بمقابلہ اہل اسلام کے اور برعکس اسکے ہو سکتا ہے" بعدہ اوس مقام پر اپنی رائے کی تائید مین ہدایہ و فتاوی عالمگیری کے مسائل نقل کر کے پہر لکھتے ہین "اور معلوم ہوتا ہے کہ عدالت ہائیکورٹ کلکتہ نے شفعہ شرعی کے اس قاعدہ کو بنظر مناسب بمقدمہ ہیو دو محمد بنام راو ہاچرن[ل] ایسے شفعہ سے متعلق کیا جو مقامی رواج پر مبنی تہا حکام ذی علم نے بمقدمہ مذکور یہ رائے ظاہر کی " اگر اوس حصہ رنگپور مین جہان کا یہ مقدمہ ہے رواج شفعہ مابین اہل ہنود کے وجود پذیر نہ ہوتا تو مدعی کو جو مسلمان ہے معاملات ہنود مین کوئی حق شفعہ نہ حاصل ہوتا۔ کیونکہ ہندوں پر شرع محمدی کے قاعدہ متعلقہ شفعہ کی پابندی لازم نہین۔ مگر اس مقدمہ مین معلوم ہوتا ہے کہ مدعی نے یہ بیان کیا ہے کہ شفعہ کا رواج ہندوں مین بھی جاری ہے۔ پس اگر اونہون نے شرع محمدی کا قاعدہ آپس مین اختیار کر لیا تو اس امر مین کوئی اعتراض نہین ہو سکتا کہ ایک مسلمان شخص بہی اوس حق کو بمقابلہ اونکے

[ل] ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲۔

نافذ کرائے - ... پس میری یہ راے ہے کہ عدالت مرافعہ ثانی نے اس امر مین غلطی کی ہے کہ مدعی مقدمہ ہذا مسلمان ہونے کی وجہ سے دعویٰ شفعہ رواجی کا بمقابلہ مدعا علیہم کے جو ہندو ہین نہین کرسکتا۔ شفعہ کا حق شرع محمدی سے پیدا ہے وہ ملکی قانون نہین ہے بلکہ مسلمانون کا ذاتی قانون ہے - جہان کہین وہ دنیا مین پاے جائین - بخلاف اسکے اہل ہنود مین شفعہ بطور ایک معاہدہ یا رواج کے ہوتا ہے اور اوسکی نسبت یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ وہ زمین سے متعلق ہے[۹۱] فیصلجات مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ رواجی شفعہ مین بھی عدالت ہاے ہند کو شرعی شفعہ کے احکام کی تعمیل کرنی لازم ہے جب کہ رواج مذکور کسی خاص امر کی نسبت ساکت ہو - اب دوسرا سوال یہ ہے کہ احکام شرع محمدی متعلقہ شفعہ کی پابندی عدالتون پر اوسیطرح واجب ہے یا نہین - جیسا کہ اہل اسلام کے مذہبی معاملات و وراثت مین شرع شریف کے احکام کی تعمیل ہوتی ہے - اس سوال کا جواب دفعہ ۲۴ - ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۷۲ع کی تعبیر پر موقوف ہے دفعہ مذکور حسب ذیل ہے

"جب کسی مقدمہ یا کارروائی مین کسی عدالت کو حسب ایکٹ ہذا کسی امر متنازعہ متعلقہ جانشینی یا وراثت یا ازدواج یا توریت یا رسم مذہبی یا امر مذہبی کی تجویز کرنی ضرور ہو تو بمقدمہ اہالی اسلام شرع اسلام کے بموجب اور بمقدمہ اہل ہنود شاستر کے بموجب فیصلہ کرے بجز اوس قدر مضمون شرع یا شاستر کے جو ازروے قوانین مصدرہ لیجس لیٹف کونسل کے تبدیل پذیر یا مسترد ہو گیا ہے - جن مقدمات کے واسطے ازروے جزو بالا دفعہ ہذا یا کسی اور قانون مجریہ وقت کے کوئی حکم منضبط نہین ہوا ہے

---

[۹۱] ہیرا بنام کلو الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۹۱۶ - یہ راے کہ رواجی شفعہ زمین سے متعلق نہین شاید صحیح نہین - کیونکہ اسکے خلاف اکثر مقدمات مین تجویز ہونا پایا جاتا ہے -

ادنمین عدالت برعایت انصاف اور واجبیت اور نیک نیتی کے عمل کرے۔"

اس مسئلہ پر چند بار مختلف ہائی کورٹون کو غور کرنے کا اتفاق ہوا۔ بمقدمہ سماۃ چندو بنام علیم الدین[۵۱] اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا کہ بحالت نہ ہونے کسی خاص رواج کے اہل اسلام کے درمیان معاملات شفعہ مین شرع محمدی کی پابندی کرنی لازم ہے یا نہین ؟

اجلاس کامل نے تجویز کی کہ بلحاظ احکام دفعہ ۲۴۔ ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء کے اہل اسلام کے درمیان معاملات شفعہ سے جب وے رواج خاص یا معاہدہ خاص پر مبنی نہ ہون شرع محمدی خواہ مخواہ متعلق نہین ہے۔ مقدمہ مذکور مین کثرت رائے سے بہ تقلید فیصلہ شمس النسا بنام زہرہ بی بی (الف) یہ تجویز ہوئی کہ ہماری یہ رائے ہے کہ شرع محمدی کی پابندی خواہ مخواہ معاملات شفعہ مین بموجب احکام دفعہ ۲۴ ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء کے لازم نہین ہے۔ لیکن تاہم ہماری یہ راے ہے کہ ایسے احکام کی پابندی بلحاظ اصول انصاف کے ہونی چاہیئے۔ حق شفعہ شرع محمدی سے پیدا ہوا ہے اور وہ حق درحقیقت کسی بے انصافی پر مبنی نہین ہے۔ اس حق کا رواج ایک ممتد زمانہ سے چلا آتا ہے . . . پس ہماری راے مین انصاف اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم شفعہ شرعی کے احکام معہ اوسکی جملہ شرایط کے جو اوسکے متعلق ہین تعمیل کرین بجز اوس صورت کے کہ ایسا کرنا درحقیقت انصاف کے خلاف معلوم ہو۔ مگر سید محمود نے بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[۵۲] یہ تجویز کی

---

[۵۱] نظائر ممالک مغربی و شمالی سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۸۔

[۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ و نیز دیکھو صفحہ ۵۳۶ جلد مذکور و ویوکی نندن بنام ایشری رام الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۴ (الف) اپیل خاص نمبر ۱۶۱ سنہ ۱۸۷۳ء اجلاس کامل مطبوعہ۔

کہ حق شفعہ رسم مذہبی یا امر مذہبی حسب معنی دفعہ مذکور کے ہے۔ لیکن اکثر حکام نے اونکی رائے سے اختلاف کیا نتیجہ اسکا یہ ہے کہ گو شرع محمدی متعلقہ شفعہ کی پابندی قانوناً لازم نہین ہے لیکن انصافاً اوسپر عمل کرنا واجب ہے سوائے اوس خاص حالت کے جبکہ انصاف کا اقتضا کچھ اور ہو۔

اس ملک مین دعوی شفعہ چند بنا پر ہوتے ہین۔ نمبر ۱۔ بربناء شرع محمدی۔ نمبر ۲۔ بربناء رواج۔ نمبر ۳۔ بربناء معاہدہ خاص نمبر ۴۔ بربناء احکام قوانین خاص۔ ابتداءً کل قسم کی دعاوے شفعہ کی بنیاد صرف ایک تھی یعنی شرع محمدی لیکن اب امتداد زمانہ و دیگر حالات کی وجہ سے مختلف اقسام شفعہ کے خاص خاص قواعد مقرر ہوگئے ہین۔ گو اس کتاب کے موضوع مین صرف اول قسم کا شفعہ داخل ہوسکتا ہے مگر اس خیال سے کہ شائقین علم قانون کو شفعہ کے متعلق پھر کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے دیگر اقسام شفعہ کے اصول بھی موقع مناسب پر لکھے جائینگے۔

فصل دوم۔ شرائط شفع

ہدایہ۔ شفعہ مشتق ہے شفعہ سے جسکے معنی ضم یعنی ملانا ہے۔ شفعہ کو شفعہ اسلئے کہتے ہین کہ اسمین خریدی ہوئی چیز کو شفیع کے عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ملانا ہوتا ہے شرع مین بقعہ خریدشدہ کے مالک ہونے کو بعوض اوس قدر زر ثمن کے جس قدر مین کہ مشتری نے خرید کیا ہو شفعہ کہتے ہین۔

تعریف شفعہ — حق شفعہ سے وہ حق مراد ہے جسکے ذریعہ سے ایک جائداد غیر منقولہ کا

مالک اپنی جائداد سے امن و آسایش کے ساتھ منفعت حاصل کرنے کے لیے دوسرے شخص کی جائداد غیر منقولہ کو جب وہ بیع ہوا و نہین شرایط پر حاصل کر سکے جن شرایط پر کہ جایداد آخر الذکر فروخت ہوئی ہے۔ حق شفعہ بایع یا مشتری سے ایک جدید معاہدہ کے ذریعے سے دوبارہ خرید کرنے کا حق نہین ہے بلکہ وہ محض قایمقامی کا حق ہے جس سے شفیع بوجہ ایک قانونی شرط کے جسکے تابع خود بیع تھی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ اون جملہ حقوق و ذمہ داریون کے ساتھ جو اوس بیع سے پیدا ہوئی ہین جسکے ذریعے سے اوس نے اپنا حق حاصل کیا ہے بجاے مشتری کے قایم ہو جاے۔[۵۱]

بیلی صاحب شفعہ کی تعریف اس طرح کرتے ہین کہ قانونی حق شفعہ سے وہ مرجح استحقاق خریداری مراد ہے جس سے دوسرا شخص باداے ثمن جائداد غیر منقول کو مشتری سے حاصل کرتا ہے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفعہ کے چند شرایط ہین۔

نمبر اول۔ عقد معاوضہ کا ہونا اور عقد معاوضہ بیع ہے یا جو بیع کے معنی مین ہو[۵۲] پس جو بیع یا بیع کے معنی مین نہ ہو اوسمین شفعہ نہین جیسے ہبہ و صدقہ و میراث و وصیت مین[۵۳] شفعہ واجب نہین ہوتا کیونکہ ان طریقون سے جو انتقال ہوتا ہے وہ بلا معاوضہ ہے اور شفیع یا تو بہ قیمت لیگا یا مفت۔ مگر بقیمت لینے کی کوئی صورت نہین کیونکہ منتقل الیہ نے کچھ معاوضہ نہین دیا۔ اور مفت لینے کی بھی صورت نہین کیونکہ مفت دلانے کے لیے جبر نہین ہو سکتا۔ اگر ہبہ بشرط عوض ہوا ور دونو جانب

---

۵۱ گوبند دیال بنام عنایت اللہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ ۵۲ موہنوبی بی بنام جگرناتھ چودہری بنگلی ریورٹر جلد ۲ صفحہ ۷۷۸ ۵۳ امیر علی بنام پیرن ویکلی ریورٹر ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۳۹

اور موہوب لہٗ دونون نے باہم قبضہ کر لیا ہو یعنی واہب نے عوض پر اور موہوب لہٗ
نے شے موہوبہ پر تو شفعہ واجب ہوگا - واگر دونون مین فقط ایک نے قبضہ کیا
دوسرے نے نہین تو شفعہ جائز نہوگا - اگر ایک شخص نے کچھہ اراضی بلا شرط عوض
کے ہبہ کیا پہر موہوب لہٗ نے اوس اراضی کے عوض ایک مکان دیا تو دونون
مین سے کسی پر شفعہ ثابت نہ ہوگا - جو ہبہ محض بعوض خدمت یا محبت کے کیا گیا
ہو وہ ہبہ بالعوض نہین ہے اور نہ اوسپر شفعہ جائز ہے[۵۱] ایک دستاویز مین یہ
شرط تھی کہ بالعوض خدمت وغیرہ جائداد بلا عوض ہبہ کیجاتی ہے اور اخیر مین
واہب نے یہ تحریر کیا تھا کہ مین مقروض ہون اور موہوب لہٗ میرے قرضہ کو ادا کردیگا
تجویز ہوئی - یہ ہبہ بلا عوض ہے اور موہوب لہٗ کا قرضہ ادا کرنا محض اوسکا اختیاری
امر ہے کیونکہ قرضخواہان سے کوئی بندوبست نہین کیا گیا[۵۲] - جو مکان بدل الصلح ہو
اوسمین شفع واجب ہوتا ہے خواہ اوس مکان پر صلح باقرار ہو یا بانکار، یا بہ سکوت[۵۳] -

[۵۱] رحیم بخش بنام محمد حسین الہ آباد جلد ۱۱ [۵۲] مساۃ امیرن بنام حیدر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۸۸

[۵۳] اس مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اسطرح بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے مکان کا دعوی کیا اور مدعا علیہ نے اوسکے
دعوی کا اقرار کر کے صلح کر لی تو شفعہ واجب ہوگا مثلاً مدعا علیہ نے دعوی مدعی کی صحت تسلیم کر کے مدعی
سے اس شرط پر صلح کر لی کہ مدعی ہزار روپیہ لے لے اور مکان مدعا علیہ کے قبضہ مین رہنے دے یہ ہزار
روپیہ مکان کا معاوضہ قرار دیا جائیگا اور شفعہ واجب ہوگا - لیکن اگر دعوی مدعی سے انکار کر کے یا دعوی
پر سکوت کر کے مکان سے صلح کی تو شفعہ نہین ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ مدعا علیہ نے جو کچھہ معاوضہ دیا وہ صرف
مقدمہ کی کشاکشی سے بچنے کے لیے دیا ہو اور مکان متدعویہ درحقیقت مدعا علیہ ہی کا ہو - لیکن اگر مدعا علیہ
قابض نے اس مکان سے نہین بلکہ اس مکان پر صلح کی خواہ باقرار یا بہ سکوت یا بانکار یعنی سب صورتون مین
شفعہ واجب ہوگا اسواسطے کہ مدعی نے اپنے زعم مین مکان متدعویہ کو اپنے حق کے عوض مین لیا ہے

ہدایہ جلد ۳

موروثی ایاروں میں شفعہ نہیں ہے گو لگان صرف براے نام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بیع نہیں ہے[51] شفعہ صرف اوس بیع پر ہوتا ہے جو بائع نے رضامندی سے کی ہو۔

بیع جبریہ مثل نیلام وغیرہ میں شفعہ نہیں۔ لیکن اوس صورت میں شفعہ ہوگا جب کسی خاص قانون کے ذریعے سے یہ حق عطا ہوا ہو[52]۔ اگر سرکار نے کسی باغی کی جائداد ضبط کرکے بیع کردی اور واجب العرض میں شفعہ کی شرط ہے تو اس بیع پر شفعہ ہوگا کیونکہ سرکار نے یہ تبعیت اوس شرط کے حقیت ضبط کی تھی[53] لیکن اگر حکام مال نے جائداد ضبط شدہ کو فروخت کیا تو اوسپر شفعہ نہیں[54]۔

بقیہ صفحہ ۲۲۶ ۔ جبکہ وہ اوسکے حق کی جنس سے نہ ہو تو اوسکے زعم کے موافق اوسکے ساتھ معاملہ ہوگا (اپنے حق کی جنس سے نہ ہوئی قید اسواسطے لگائی کہ جب اوسی مکان کے کسی حصہ پر صلح ہو تو اوس نے اپنے زعم کے موافق عین اپنا حق پایا پس اسمیں شفعہ نہ ہوگا) من مولف سے ویرکا مفہوم زیادہ واضح کرنے کے لیے غالباً تمثیل کی ضرورت ہو مکان سے صلح کرنے کی مثال جو اوپر مذکور ہوئی اوسکا مطلب یہ ہے کہ مکان مدعا علیہ کے قبضہ میں رہا مگر اوسکا مالک مدعی کو تسلیم کرکے مدعا علیہ نے کچھ معاوضہ دینا قبول کیا۔ مکان پر صلح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مکان مدعا علیہ کے قبضہ سے نکالکر مدعی کو دیا جائے مثلاً مدعی نے کچھ روپیہ کا دعوی کیا اور مدعا علیہ نے دعوی کے عوض مدعی کو ایک مکان دیکر مصالحت کرلی تو اس مکان پر شفعہ ہوگا خواہ قبل مصالحت مدعا علیہ نے دعوی مدعی کی صحت تسلیم کی ہو یا اوس سے انکار کیا ہو یا اوسپر سکوت کیا ہو لیکن صلحنامہ کی ڈگری کے ذریعے سے اگر کچھ حقیت کیسکو ملی ہو تو وہ ڈگری بمنزلہ بیع خانگی کے نہیں ہے۔ ونہ اوسپر شفعہ ہوسکتا ہے۔ دیکھو ہنومان راے بنام اودت نراین راے الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۹۱۷۔

[51] رام غلام سنگھ بنام نرسنگھ سہاے کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۰ [52] راج بی بی بنام سکھی ہفتہ وار ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۷۵۔ دہابل سنگھ بنام عبدالمجید خان ہفتہ وار ۱۸۹۸ء ۱۱۵ [53] کلکٹر فتحپور بنام یادعلی آگرہ جلد ا صفحہ ۸۸ [54] محمد ولایت اللہ خان بنام احمد حسین خان آگرہ جلد ۳ صفحہ ۷۔

نمبر دوم "مال کا معاوضہ مال سے ہو۔ مثلاً کسی غلام کو ایک مکان کے عوض آزاد کیا تو شفعہ ثابت نہ ہوگا[51]۔ لیکن اگر کسی شخص نے اپنی ایک قطعہ اراضی کا تبادلہ دوسرے شخص کی ایک قطعہ اراضی سے کیا تو دونون مین شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ باہم دوسرے ایک دوسرے کی قیمت متصور ہونگے[52] اور شفیع کو اوس شے کی قیمت تخمینی ادا کرنی ہوگی جو تبادلہ مین دی گئی ہے نہ کہ اوس شے کی جسپر دعویٰ شفعہ ہے[53]۔ اگر کوئی اراضی شکلکپ کیجائے تو شفعہ نہ ہوگا[54]۔

نمبر سوم "مبیع عقار ہو یا ایسی چیز جو عقار کے معنی مین ہو خواہ یہ عقار قابل تقسیم ہو یا ناقابل تقسیم جیسے حمام و چکی و کنوان و نہر و چشمہ و چھوٹے چھوٹے مکانات "

نمبر چہارم "مبیع سے بائع کی ملک زائل ہو جائے ورنہ شفعہ نہین[55] جیسے ایسی بیع مین جسمین بائع کو شرط خیار دی گئی ہو (اگر بائع نے اس شرط پر بیع کیا کہ دو روز کے اندر فلان شخص نے مبیع کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو بائع کو اس بیع کے فسخ کر دینیکا اختیار ہے تو اسصورت مین تاوقتیکہ بائع کا خیار کلیتاً زائل نہ ہو شفعہ ثابت نہ ہوگا) اگر بائع نے اپنے خیار کی شرط ساقط کردی تو شفعہ ہوگا۔ لیکن مشتری کے

---

[51] من مولف۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ غلام اپنے حق مین کوئی مال نہین ہے گو دوسرون کے لیے ہو۔ [52] نعمت علی بنام عصمت بی بی الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۶۲۶ - اس مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ قیمت کی تعبیر شرع محمدی کے مطابق ہونی چاہیئے جس کے بموجب اوسمین تمام چیزین داخل ہین جسکا معاوضہ مال ہو سکتا ہے یعنی ذوات القیم اور نیز تمام تبادلہ جسکی تعریف دفعات ۵۴ و ۱۱۸ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء مین کی گئی [53] سیوارام بنام رسال چودہری آگرہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ - یا جلد ۴ خلاصہ نظائر ۳۷۵۴ [54] ہرزاین پانڈے بنام رام پرشاد مصر الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۳ - [55] لاڈون بنام سیہر دن رام ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۲۵۵ - و سندر کنور بنام لالہ رگھبیر دیال ویکلی رپورٹر جلد ۱ صفحہ ۲۶۱ و نیز دیکھو ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۲۷۰۵ - و ظہور محمد بنام ظہور احمد ہفتہ وار سنہ ۱۸۸۶ء صفحہ ۲۲۸ -

خیار سے شفعہ ثابت ہوگا[۵۱]" اگر کسی غیر مکمل بیع پر شفعہ نہ ہوا اور بعد مین جب اوسی حقیقت کی بیع مکمل طور پر ہوئی تو شفعہ ہو سکتا ہے[۵۲]- اسی اصول پر یہ طے پایا ہے کہ سازشی بیع مین حق شفعہ نہین کیونکہ ایسی بیع سے بایع کا حق ملکیت زائل نہین ہوتا[۵۳]- بمقدمہ منصور علی بنام حیدر حسین[۵۴] یہ سوال پیدا ہوا کہ بیع سازشی سے حق شفعہ متعلق ہے یا نہین؟ آیا بایع و مشتری اپنی سازش کو کامیابی کے ساتھ جواب نالش قرار دے سکتے ہین یا نہین تجویز ہوئی کہ بیع سازشی مین حق شفعہ نہین ہے و بایع و مشتری دونون ایسی جوابدہی کے مجاز ہین - لیکن اگر مبیع سے بایع کی ملکیت زائل ہو چکی ہے تو جو استحقاق شفعہ پیدا ہوگا وہ پورا و مکمل ہوگا اور اگر ایسے استحقاق کے ظہور کے بعد بایع و مشتری نے سازش کر کے بیع کو فسخ کر دیا تو اوس سے شفیع کا نقصان نہ ہوگا بلکہ وہ مستحق پانے شفعہ کا ہوگا[۵۵] - و نہ استحقاق شفعہ مین اوس وقت فرق آسکتا ہے جب مشتری بعد خریداری کے کسی دوسرے شریک کے نام بیعنامہ کر دے یا کسی اور قسم کا رد و بدل کرے[۵۶]-

لیکن اگر شفعہ شرعی نہین ہے بلکہ رسم و رواج یا معاہدہ کی بناء پر ہے تو مبیع سے بایع کی ملک کا زائل ہونا ایک شرط مقدم اوسکے حق کے وجود مین آنے کے لیے نہین ہے بلکہ جیسا اوپر بیان ہوا شرائط رسم و رواج و معاہدہ پر عمل کیا جاوے گا-

---

[۵۱] ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ و شرح محمدی مولفہ بیلی صاحب صفحہ ۴۷۶ و آگرہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۸۹ [۵۲] بسنت کماری بنام کالی پرشاد سنگہ جلد ۳ خلاصہ نظائر ۵۰۷ [۵۳] بیلی صاحب صفحہ ۴۷۲ و موہنی بی بی بنام جگناتھ ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۸ [۵۴] ہفتہ وار ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۲۸ [۵۵] ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ و جلد ۲ ایضا صفحہ ۲۱۶ [۵۶] نیاد ر بنام راد ہا چرن ۷ - اپریل ۱۸۶۸ء ممالک مغربی و شمالی و ۲۵ جولائی ۱۸۶۱ء صدر آگرہ صفحہ ۵۸۴ و میوا رام بنام شیام لال ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۰۶-

مثلاً جب واجب العرض کے بموجب رہن پر بھی حق شفعہ حاصل ہے تو مجرد رہن کرنے سے حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ حالانکہ صرف رہن کرنے سے راہن کی ملکیت شے مرہونہ سے کلیتاً زایل نہین ہوتی۔ اور اس مسئلہ کو اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ اگر رہن کے ذریعے سے مرتہن نے قبضہ بھی نہ پایا ہو یعنی صرف رہن سادہ ہے تو اوس صورت مین بھی شفعہ ثابت ہوگا۔[۵۱]

پنجم "حق بائع زایل ہوجانا شرط ہے پس خرید فاسد مین حق شفعہ واجب نہ ہوگا"[۵۲] یہ مسئلہ کہ شرعاً حق شفعہ کس صورت مین پیدا ہوتا ہے بمقدمہ اجلاسِ کامل بیگم بنام محمد یعقوب[۵۳] بہت صراحت سے بیان ہوا ہے۔ اس مقدمہ مین حسب تجویز عدالت اپیل ماتحت کے بایعان نے بعوض تین سو روپیہ کے اپنا مکان فروخت کرکے اور زرِ ثمن پاکر مشتری کو مکان پر قابض کرا دیا مگر کوئی بیعنامہ رجسٹری شدہ بخوف شفعہ نہ لکھا گیا۔ بحث یہ پیدا ہوئی کہ اس قسم کی زبانی بیع پر بلحاظ

---

۵۱ اجلاس کامل شیورتن کنور بنام ہیپال کنور الہ آباد جلد ے صفحہ ۲۵۸ و عظیمہ بی بی بنام امیر علی صفحہ ۳۴۳ جلد مذکور ۵۲ اگر مشتریان نابالغ ہین اور باداے ثمن بیع پر قابض ہین تو اوسکی خرید فاسد نہین ہے دیکھو گنیش رائے بنام ہردیال ہفتہ وار ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۲۹۔ اراضی سیر کی بیع ممنوع ہے اسلیے اوسپر شفعہ نہین۔ پرشاد سنگھ بنام بوہاری لال ہفتہ وار ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۲۰ ۵۳ الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۴۴۔ جیسی اس مقدمہ مین تجویز ہوئی ہے ویسی کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی تجویز کی ہے کہ معاہدہ بیع کی تکمیل سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے یعنی اوسوقت جبکہ بایع کو معاہدہ بیع سے انحراف کرنے کا اختیار نہ باقی رہے اور یہ ضرور نہین ہے کہ بیعنامہ کی تکمیل و رجسٹری بھی ہوجائے دیکھو ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۲۔ یا بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ و ویکلی رپورٹر جلد ۲۲ صفحہ ۴ و جلد ۲ صفحہ ۳۱۱۔

دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء شفعہ ہوسکتا ہے یا نہین۔
چیف جسٹس صاحب نے بیلی صاحب کی ڈائجسٹ کے حوالہ سے پانچون شرایط
مذکورہ بالا بیان کرکے حسب ذیل تجویز کی۔
دو شرایط چہارم و پنجم کی تعبیر اس طرح ہونی چاہیے کہ وہ باہم مطابق ہون نہ کہ متناقض
اگر ہم اوس بیع کو جو شرط پنجم کی منشار مین داخل ہے بیع کی ملک کا مکمل انتقال
بایع کی جانب سے مشتری کے حق مین خیال کرین تو حق شفعہ نہین پیدا ہوسکتا۔
خواہ مشتری کو خیار حاصل ہو یا نہ حاصل ہو تاوقتیکہ مشتری نے بالآخر خرید نہ کیا ہو۔
لیکن شرط چہارم کے بموجب حق شفعہ اوسوقت ہوتا ہے جب وقت بیع کے
بایع کے لیے خیار کی شرط نہ ہو بلکہ مشتری کے لیے ہو۔ اس سے مین یہ نتیجہ
اخذ کرتا ہون کہ شرع محمدی مین جس عقد بیع سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے اوسمین
بایع کا بلا شرط ایجاب بھی داخل ہے جو اوس نے مشتری سے بیع کی نسبت کیا ہے
اور جسکو مشتری نے قبول کیا۔ گو یہ ایجاب و قبول مشتری کے خیار کے تابع تھے
لیکن اوس خیار کا نفاذ حق شفعہ کے پیدا ہونے کے لیے ضروری شرط نہ تھی۔
بظاہر جس چیز سے حق شفعہ پیدا ہوتا خیال کیا جاتا تھا وہ یا تو قطعی بیع تھی جسکو مقننان
انگلستان جزو و کُل کی بیع کہتے ہین۔ یا ایسا عقد بیع تھا جسمین مشتری کے لیے خیار
کی شرط تھی۔ جسکی وجہ سے بایع کو تکمیل بیع سے اوس صورت مین انکار کرنے کا
کوئی حق باقی نہین رہتا جب مشتری اپنے خیار کے ذریعہ سے خرید تا چاہیے۔ ہملٹن
صاحب کی ہدایہ مطبوعہ ۱۷۹۱ء صفحہ ۵۶۸ و مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۵۵۰ پر یہ
لکھا ہے "شفعہ کا حق بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حق اوسوقت تک نہین پیدا ہوتا
جب تک یہ نہ ظاہر ہو کہ مالک آپ اپنا مکان اپنے پاس نہین رکھنا چاہتا اور یہ بات

مکان کی بیع سے ظاہر ہوتی ہے - پس ثبوت بیع و تولید حق شفعہ کے لیے یہ امر کافی ہے کہ بایع بیع کا اقبال کرے گو وہ شخص جو مشتری کہا جاتا ہے اوس سے انکار کرے" کتاب آخر الذکر کے صفحہ ۱۴۲ پر بیع کی تعریف یہ لکھی ہے کہ "فقہ مین بیع سے مراد یہ ہے کہ متعاقدین برضامندی یا خود ہا مال کا معاوضہ مال سے کرین - وشری کے معنے خریداری کے ہین -

"مقدمہ حال مین صاحب جج ضلع کی تجویز سے واضح ہے کہ فی الحقیقت با خود ہا رضامندی سے مال کا معاوضہ مال سے ہوا یعنی چیتر مدعا علیہ نے دیگر مدعا علیہم کو تین سو روپیہ ادا کیا بہ معاوضہ اوسکے نامبردگان نے چیتر کو مکان پر بطور مالک قابض کرا دیا"

بعدہٗ یہ لکھکر کہ حسب دفعہ ۵۴ قانون انتقال جب جائداد مالیتی سو روپیہ یا زاید کی ہو تو صرف بذریعہ بیعنامہ رجسٹری شدہ اوسکا انتقال عمل مین آسکتا ہے - ذی علم جج تحریر فرماتے ہین -

"بمقدمہ جانکی بنام گرجادت[۵۱] جسمین حق شفعہ کا دعوی بربناء واجب العرض تھا چار حکام نے یہ تجویز کی کہ چونکہ بمعاوضہ تین سو روپیہ کے بیع واقع ہوچکی تھی اور مشتری کو قبضہ مل گیا تھا - لہذا حق شفعہ پیدا ہوا گو کوئی بیعنامہ تحریر نہین ہوا اور نہ اوسکی رجسٹری ہوئی -

"بخلاف اسکے سید محمود صاحب جسٹس نے یہ تجویز کی کہ چونکہ بوجہ دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء حق ملکیت بایع کی جانب سے مشتری کے حق مین منتقل نہین ہوا کیونکہ کوئی بیعنامہ رجسٹری شدہ تحریر نہین ہوا اسلیے حق شفعہ پیدا نہین ہوا - بظاہر

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۸۲ -

سید محمود صاحب جسٹس کی یہ راے تہی کہ بوجہ دفعہ ۵۴ ۔ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء
بیع ناجائز تہی بلاشبہ دفعہ مذکور کی وجہ سے بیع بطور انتقال ملکیت کے
غیر موثر تہی " بعدہٗ مدراس جلد ۱۶ صفحہ ۴۶۴ کے فیصلہ سے اسوجہہ سے اختلاف
کرکے کہ جب بایع نے زرثمن وصول پاکر مشتری کو حقیت مبیعہ پر قابض کرا دیا ہے
تو گو بیعنامہ رجسٹری شدہ نہ تحریر ہوا ہو لیکن پہر بایع اوس مشتری کو بیدخل نہین کرسکتا
بلکہ حسب دفعہ ۵۵ (د) ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء جب مشتری ثمن ادا کرنے پر آمادہ ہو
تو بایع پر دستاویز بیعنامہ تحریر کرنی فرض ہے حسب ذیل تجویز کی ۔
"میری دانست مین اس امر پر غور کرنے کے وقت کہ آیا شرع محمدی متعلق شفعہ
کسی معاملہ سے متعلق ہوسکتی ہے یا نہین ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ شرایط
موجود ہین یا نہین جنکے لحاظ سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے اور شرایط مذکورہ کی تعبیر
اوس شرع کے بموجب ہونی چاہیے جسکا تابع بایع ہے ۔ شرع محمدی متعلقہ
شفعہ مین لفظ بیع کی تعریف مین اون قیود کے داخل کرنے سے جو دفعہ ۵۴ ۔
ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء کے بموجب انتقال ملکیت سے لاحق کی گئی ہین شرع مذکور مین
اہم تغیر واقع ہوگا ۔ اور اس سے شریر لوگون کو ایک آسان طریقہ اوس قانون سے
گریز کرنے کا حاصل ہوگا جسکا مقصود یہ تہا کہ شرکا و قریبی ہمسایہ اگر چاہین تو اشخاص
غیر کو جائداد غیر منقولہ پر جس سے شرعی شفعہ متعلق ہے متصرف نہ ہونے دین ۔
ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء کے بموجب کسی شریک یا ہمسایہ کو یہ حق نہین دیا گیا ہے کہ بایع
کو تحریر دستاویز یا بایع و مشتری کو دستاویز انتقال کی رجسٹری کرانے پر مجبور کرے
شفیع کو جو حسب دفعہ ۲۱۴ ۔ ایکٹ نمبر ۱۴ سنہ ۸۲ء شفعہ کی ڈگری دیجاتی ہے وہ
ڈگری اس مضمون کی نہین ہوتی کہ بایع یا مشتری کوئی دستاویز انتقال ملکیت

کی تحریر کرین بلکہ وہ ڈگری مداخلت جائداد باداے ثمن وخرچہ کے (اگر کچھہ دلایا گیا ہو) ہوتی ہے۔ مین یہ نہین خیال کرسکتا کہ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء کے وضع کرنے سے واضعان قانون کا یہ منشا رتہا کہ مروجہ شرع محمدی متعلقہ شفعہ کے اوس مفہوم مین جو ایکٹ مذکور کے نفاذ سے صدہا سال پیشتر سے سمجہا جاتا ہے صراحتاً یا معناً اس طرح پر تبدیلی پیدا کرین کہ بجاے اوس بیع کے جسکا ذکر شرع مذکور مین ہے ایک ایسی بیع قایم کرین جسکے ساتھ دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء کے قیود لگے ہون"

ششم"جس اراضی یا مکان کے ذریعہ سے شفیع خواستگار شفعہ ہے وہ وقت بیع مشفوعہ کے شفیع کی ملک ہو[۵۱]۔ پس اگر شفیع کے قبضہ مین اراضی یا مکان بطور اجارہ یا عاریت کے ہے تو اوسکو حق شفعہ نہین حاصل ہے اور نہ ایسے اراضی یا مکان کے ذریعہ سے شفیع کو شفعہ کا حق ہے جسکو اوس نے بیع مشفوعہ سے پہلے فروخت کردیا ہو[۵۲] ونہ ایسے مکان کے ذریعہ سے جسکو شفیع نے مسجد کردیا ہو"

---

[۵۱] بیجن بنام اشتیاق احمد الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴۔ مدعی شفیع نے جس حقیت کے ذریعہ سے دعوی شفعہ کیا تہا اوسکی نسبت اپنے بایع کو یہ اقرارنامہ لکہدیا تہا کہ اگر وہ عرصہ ۱۳ سال مین مشتری کو یعنی مدعی شفیع کو زرثمن واپس دیدیگا تو حقیت واپس ہوجائیگی۔ اس اقرارنامہ کی بنا پر یہ بحث کی گئی کہ مدعی شفیع مستقل مالک نہین ہے۔ اسلیے دعوی شفعہ ساقط ہونا چاہیے۔ تجویز ہوئی کہ اغراض شفعہ کے لیے مدعی کامل مالک حقیت کا متصور ہوگا گو کسی وقت مین بایع کو واقعی جائداد کا حق حاصل ہو دیکہو مقدمہ ظہور محمد بنام ظہور احمد ہفتہ وار سنہ ۸۶ء صفحہ ۲۷۸ تجویز ہوئی کہ محض معاہدہ بیع سے اور زربیعانہ کے دینے سے ایسا مستقل حق حاصل نہین ہوتا جو اغراض شفعہ کے لیے کافی ہو [۵۳] بیع بالوفا ایک قسم کا رہن ہے اسلیے اسکی وجہہ سے کسی کا حق شفعہ زایل نہ ہوگا۔

[۵۲] علی احمد خان بنام رحمت اللہ الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۵۔ اس مقدمہ مین بھگوان سہاے بنام بھگوان دین

ورنہ ایسی ملکیت کی وجہ سے جو خفیہ طور پر فرضی ایک دوسرے شخص کے نام خریدی گئی ہو[۵۱] اگر وقت بیع و نالش کے شفیع اوس حصہ یا مکان کا مالک تھا۔ جسکے ذریعہ سے وہ خواستگار شفعہ ہے مگر اپیل دویم کے دوران مین شفیع کا حصہ نیلام ہوگیا تو اس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴ - الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۷ سے فرق دکھلایا گیا۔ سکینہ بی بی بنام امیرن الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۰ مین تجویز ہوئی کہ شفیع اگر اوس اراضی کا مالک ہے جسکے ذریعہ سے اوسکو استحقاق شفعہ پیدا ہوا تو گو وہ اوس پر قابض نہ ہوتا ہم اوسے حق شفعہ حاصل ہے۔ شیو نراین بنام ہیرا الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۵۳۵ گو یہ مقدمہ مابین اہل ہنود کے بربنا رواج۔ العرض تھا مگر یہ قرار پایا کہ گو وقت بیع کے ایک حصہ دار مستحق شفعہ تھا مگر اوس حصہ دار کا حصہ خرید کر کے مشتری مستحق شفعہ کا اوس بیع مین نہ ہوگا جو اوسکے خریداری سے پہلے عمل مین آئی۔ حکام نے یہ بھی تجویز کی کہ بموجب شرع محمدی کے جب ملکیت کسی جائداد کی بذریعہ فعل اشخاص یا بوجہ تاثیر قانون کے منتقل ہوتی ہے یا پہونچتی ہے تو انتقال یا توریث کی رو سے حق شفعہ اوس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسکے حق مین انتقال یا توریث عمل مین آوے۔ مگر یہ قاعدہ دراصل تابع اس شرط کے ہے کہ شخص مذکور کسی ایسی بیع کی نسبت اپنے حق شفعہ کا نفاذ نہین کرا سکتا جو قبل انتقال یا پہونچنے جائداد مذکور کے عمل مین آئے۔ اگرچہ حق شفعہ اراضی کے ساتھ رہتا ہے مگر مدعی کو اوسکے نافذ کرانے کی اجازت اسوجہ سے نہین دیجاتی کہ اسکے خلاف تجویز کرنی درحقیقت شخص اجنب کو اس امر کی اجازت دینا ہوگی کہ وہ شخص بیدخل کیا جاسکے جو وقت بیع کے اجنب نہ تھا۔ اور مشتری ماقبل مشتری مابعد پر اور مشتری مابعد مشتری ماقبل پر نالش شفعہ دائر کرنیکا مجاز ہوگا۔ و نیز دیکھو لچھمی نراین بنام سنوگ وت الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۹۱۔

[۵۱] بینی شنکر بنام مہپال بہادر سنگھ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۴۸۰ اس مقدمہ مین مشتری خفیہ طور پر ایک دوسرے شخص کے نام فرضی بینامہ لکھا کر پہلے سے موضع مین حصہ دار تھا تجویز ہوئی کہ ایسی بیع کے ذریعہ سے مشتری حصہ دار موضع نہ متصور ہوگا اور شفیع مستحق ڈگری ہے۔

اوسکا حقِ شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ اپیل مین یہ امر تجویز طلب ہے کہ آیا وہ فیصلہ جسکا اپیل ہے بوقت صدور حکم عدالت ماتحت کے صحیح تھا یا نہین لیکن اگر شفیع کی حقیت مقدمہ ابتدای کے دوران مین نیلام ہوجاے تو مستحق ڈگری کا نہ ہوتا[۵۱]۔

نمبر ہفتم " شفیع نے بیع سے صریحاً یا دلالتاً اپنی رضامندی ظاہر نہ کی ہو مثلاً اگر بایع نے شفیع کی وکالت یعنی توسط سے غیر کے ہاتھ فروخت کیا تو شفیع کا حق زائل ہوگیا۔

جائداد منقولہ مین بالذات شفعہ واجب نہین ہوتا البتہ عقار کی بتبعیت مین واجب ہوتا ہے۔ اور بالذات شفعہ صرف عقارات مین مثل دوکان وارا ضی وغیرہ یعنی جائداد غیر منقولہ مین واجب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی درخت قطع کرنے کی غرض سے خریدا تو اوسمین شفعہ نہین ہے۔ اسی طرح اگر اوسکو مطلقاً خریدا ہو یعنی بغیر کسی غرض و نیت کے تو اوس صورت مین بھی یہی حکم ہے۔ و اگر درخت معہ اوس زمین کے جسمین درخت قایم ہے خریدا تو شفعہ ہوگا "

اس ملک مین اکثر اسامی و کاشتکار مالکانِ دیہہ کی زمین مین مکان بنا کر آباد ہوتے ہین اونکو اوس اراضی مین جسمین ان کے مکانات واقع ہین کسی قسم کا حق ملکیت نہین ہوتا بلکہ وے صرف عملہ مکان کے مالک ہوتے ہین اور مکان مین

[۵۱] سکینہ بی بی بنام امیرن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۴ مقدمہ خدابخش بنام رام موہن لال ہفتہ وار سنہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۹ شفیع دعوی شفعہ کرنے سے کچھ ہی پہلے بذریعہ خریداری کے موضع مین حصہ دار ہوا تھا جب دوسری حقیت بیع ہوئی تو اوسنے اوسپر دعوی شفعہ کیا۔ عدالت مرافعہ اولی نے دعوی ڈگری کیا مگر صیغہ اپیل مین معلوم ہوا کہ شفیع کی خریداری ایک دوسرے مقدمہ مین ناجائز قرار پاچکی ہے تو ہائی کورٹ نے مدعی کا دعوی شفعہ نامنظور کیا۔

سکونت کا حق رکھتے ہین - اکثر ون کو اس قسم کا حق بھی حاصل ہوتا ہے کہ اگر اونکے مکانات منہدم ہو جائین تو بنیاد سابق پر پھر تعمیر کر سکتے ہین - اس قسم کے اشخاص مین سے اگر کسی نے اپنا مکان بیع کیا اور ساتھ ہی حق سکونت بھی تو اوس بیع پر شفعہ ہوگا کیونکہ یہ بیع صرف جائداد منقولہ کی بیع متصور نہ ہوگی جسمین حق شفعہ نہین [۹۱]

ایک مقدمہ مین [۹۲] یہ بحث کی گئی کہ آیا انتقال حقِ کاشت کی بابتہ دعویٰ شفعہ ہوگا یا نہین - گو حکام نے اِس مسئلہ کو صاف طور پر طے نہین کیا تاہم یہ اظہار راے کی کہ دعویٰ شفعہ اس قسم کا کوئی ہوا نہین ہے حقِ کاشت و حق مقابضت اراضی خاص قانون کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہین - اس لیے تا وقتیکہ اوس خاص قانون مین شفعہ کا حکم نہ ہو اوسوقت تک جواز شفعہ مین بہت شک ہے، بالخصوص جب دعویٰ شفعہ بر بناء شرع محمدی ہو کیونکہ ایسے حقوق مقابضت شرع مین نہین پاے جاتے جو اس ملک مین قوانین مختص المقام کی روسے عطا کیے گئے ہین - مگر چونکہ قانوناً حق کاشت کا انتقال بجز خاص صورتون کے ممنوع ہے اسلئے بمقدمہ ہزاری لعل بنام اگرہ لال [۹۳] اراضی سیر پر دعویٰ شفعہ کی نسبت بحث آئی یہ دعویٰ واجب العرض کی بناء پر تھا - حکام نے بلحاظ اوس خاص واجب العرض کے تجویز کی کہ لفظ حقیت مین سیر داخل نہین ہے اس لیے شفعہ نہ ہوگا -

فتاوی عالمگیری - شفعہ فقط حق الملک کے ذریعہ سے واجب ہوتا ہے حتی کہ اگر مکان وقف کے پہلو مین کوئی دوسرا مکان فروخت ہوا تو وقف کنندہ کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور نہ متولی وقف اوسکو لے سکتا ہے - اسیطرح اگر کسی خاص شخص کے لیے

---

[۹۱] ظہور بنام ظہور علی الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۹۹ [۹۲] شیخ عزت اللہ بنام بہکاری بنگال لا رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶ [۹۳] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۶۲۶ یا ہفتہ وار ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۰۳ -

وہ مکان وقف ہے تو اس شخص کو بھی اوس مکان موقوفہ کے ذریعہ سے مکان مبیعہ
مین حق شفعہ نہ حاصل ہوگا۔ گو دونون مکان ایک دوسرے کے پہلو مین واقع ہون
اگر زمین وقف مین کسی شخص کا مکان ہے تو اوسکو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا و
اگر اس نے خود اپنا مکان فروخت کیا تو اوسکے پڑوسی کو بھی اوسمین حق شفعہ نہ ہوگا۔
"اگر کسی شخص نے ایک مکان خرید کیا اور ہنوز اوسپر قابض نہین ہوا تھا کہ اوسکے
پہلو مین دوسرا مکان فروخت ہوا تو اوس شخص کو حق شفعہ حاصل ہوگا"
"جو مکان کسی عورت کا مہر قرار دیا گیا ہو یا عورت کا مہر بیان کر دیا گیا ہو اور عورت نے
اوس مکان پر بوجہ مہر کے قبضہ کیا تو اوسمین شفعہ واجب نہین ہوتا۔ لیکن اگر کسی
شخص نے اپنی عورت کے مہر کی عوض اپنا مکان اوسکے ہاتھ فروخت کیا تو اوسمین
شفعہ واجب ہوگا[۵۱]۔ اگر کسی عورت سے ایک مکان پر اس شرط سے نکاح کیا
کہ عورت اوسکو ایک ہزار درم واپس دیوے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکان کے
کسی حصہ مین شفعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر صاحبین کے نزدیک بقدر حصہ ہزار درم کے
شفعہ واجب ہوگا۔ اسیطرح اگر شوہر سے عورت نے ایک مکان پر اس شرط سے خلع کیا کہ شوہر اوسکو
ہزار درم واپس دے تو اوسمین بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک مکان اس شرط پر ہبہ کیا
کہ موہوب لہ واہب کو اوس قرض سے جو اوسکا واہب پر آتا ہے بری کرے اور اوس قرض کا تعین نہ کیا او
موہوب لہ نے مکان پر قبضہ کر لیا تو حق شفعہ واجب ہوگا۔ اسیطرح اگر اوسکو اس
شرط سے ہبہ کیا کہ موہوب لہ اس دوسرے مکان مین جو کچھ اپنا دعوی کرتا ہے۔
اس سے بری کرے اور موہوب لہ نے مکان ہبہ پر قبضہ کر لیا تو یہ صورت بھی استحقاق
شفعہ مین مثل صورت مذکور کے ہے۔ مبسوط۔

[۵۱] فدا علی بنام مظفر علی الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۶۵۔

وہ اگر مدعی نے مدعا علیہ پر کچھ مال کا دعوی کیا اور باہم اونکے اس شرط پر صلح ہوئی
کہ مدعی مدعا علیہ کی دیوار پر اپنے مکان کی کڑیان رکھے اور دیوار کی وہ جگہ جسمین کڑیان
رکھی جائین ہمیشہ کے لیے یا ایک مدت معین تک کے لیے مدعی کی ہو تو یہ صلح باطل ہے یا اس
شرط پر صلح ہوئی کہ مدعی اپنے پانی بہنے کی نالی مدت معین تک مدعا علیہ کے مکان پر سے
گزرے تو ان صورتون مین حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر مکان کے اندر ایک مقرر
و معروف راستہ کے عوض صلح ہوئی تو بنا بر قول شیخ علی الخفیف شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا[۵۱]
مکان کے اندر راستہ مثل بہنے آب کے نہین ہے اس واسطے کہ تعین راستہ کی ملکیت
ہوتی ہے پس شفیع راستہ مین شریک ہوجائیگا اور دیوار پر کڑیان رکھنے مین تو بہنے
آب مین شریک نہ ہوگا۔ نیچے کا مکان ایک شخص کا ہے اور اوسکے اوپر کا بالاخانہ
دوسرے شخص کا ہے اور اون مین سے کوئی بیع ہوا تو دوسرے کو اوسکا حق
حق شفعہ ہوگا۔ کیونکہ اگر بالاخانہ کو راستہ نیچے والے مکان سے ہے تو یہ شفعہ
بسبب شرکت راہ کے ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ بڑے کوچہ کی طرف سے ہے
تو شفعہ بسبب جوار کے ہوگا۔ اگر مالک بالاخانہ نے نیچے کے مکان کو شفعہ مین
نہ لیا یہان تک کہ بالاخانہ گر گیا تو امام اعظم و ابو یوسف کے نزدیک اوسکا حق شفعہ
باطل ہوجائیگا۔ اور امام محمد کے نزدیک باطل نہ ہوگا کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک
حق شفعہ بسبب عمارت کے حاصل ہوتا ہے اور امام محمد کے نزدیک حق شفعہ بسبب
حق تعمیر عمارت کے ہوتا ہے اور نہ بسبب نفس عمارت کے۔ اور بالاخانہ کا حق القرار
یعنی اوسکی تعمیر کا حق ہنوز باقی ہے۔ اگر کوئی دوسرا مکان بالاخانہ کے پہلو مین فروخت

---

[۵۱] مولف کے نزدیک بظاہر اسکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حق آسایش مین شفعہ نہین ہوتا [۵۲]
پانی بہنے کی نالی۔

ہوا تو مالک بالاخانہ و مکان اسفل (اگر دو ہین) دونون کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر شفعہ حاصل کرنے سے پہلے بالاخانہ و نیچے کا مکان دونون منہدم ہو گئے تو امام ابو یوسف کے نزدیک شفعہ نیچے والے مکان کے مالک کو حاصل ہوگا۔ کیونکہ زمین جو ذریعہ استحقاق شفعہ ہے وہ ہنوز قایم ہے اور مالکِ بالاخانہ کو بدلیل سابق شفعہ نہ ہوگا۔ و امام محمد کے نزدیک دونون کا حق شفعہ قایم رہیگا کیونکہ جب نیچے کا مکان بنے گا تو بالاخانہ کا مالک اپنا بالاخانہ قایم کرے گا اور اوسکو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ خود ہی نیچے کا مکان بنا کر اوسپر بالاخانہ بنا لے اور مالکِ مکان اسفل کو نفع حاصل کرنے سے منع کرے یہان تک کہ یہ بالاخانہ والے کا حق دے دے۔"

فصل سویم۔ مراتب شفیع و اشخاص مستحق شفعہ

ہدایہ مین ہے کہ شفعہ کا مستحق اول خلیط فی نفس المبیع ہے یعنی شریک دوم خلیط فی حق المبیع یعنی وہ شخص جسکو جائداد مبیع شدہ مین کسی قسم کا حق حاصل ہو۔ سویم جار یعنی پڑوسی جار سے مراد جار ملاصق ہے یعنی ایسا پڑوسی جسکا مکان مکان مشفوعہ کی پشت سے ملا ہو۔ اور اوسکا دروازہ دوسرے کوچہ مین ہو۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر چند شفعہ جمع ہون تو اونمین مذکورہ بالا ترتیب کا لحاظ ہوگا۔ یعنی شریک کو خلیط پر اور خلیط کو جار پر ترجیح دینگے۔ پس اگر شریک نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دیدیا تو خلیط مستحق شفعہ ہوگا۔ اور اگر اوس نے بھی مشتری کو اپنا حق دیدیا تو جار ملاصق کو حق ہوگا۔ مثلاً ایک کوچہ غیر نافذہ مین ایک مکان دو شخصون مین

مشترک ہے جبکا راستہ اسی کوچہ غیر نافذہ مین ہے - پس اگر ایک شریک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو حق شفعہ دوسرے شریک کو حاصل ہوگا - اگر اوس نے اپنا حق دیدیا تو تمام کوچہ والون کو حق شفعہ ہوگا خواہ وے ملاصق ہون یا غیر ملاصق - اسلیے کہ راستہ مین وہ سب خلیط ہین - پھر اگر ان سب نے اپنا حق دیدیا تو حق شفعہ جار ملاصق کو ملے گا -

ہدایہ مین ہے کہ راستہ و شرب جبکی شرکت سے شفعہ کا استحقاق پیدا ہوتا ہے - خاص ہوتے ہین نہ عام[۵۱] - خاص راستہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ نافذ نہ ہو یعنی دوسری جانب کسی شارع عام سے نہ ملا ہو بلکہ محدود ہو - اور شرب خاص یعنی پانی کی ایسی نہر ہو جسمین کشتی نہ چلتی ہو بلکہ اراضیات کی آبپاشی کی غرض سے ہو جیسے تالاب و پوکھر وغیرہ - یہ امام اعظم و امام محمد کے نزدیک ہے و امام ابو یوسف کے نزدیک شرب خاص وس نہر کو کہتے ہین جس سے دو یا تین کھیتون کی آبپاشی ہوتی ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو شرب عام ہے - اگر ایک کوچہ غیر نافذہ سے دوسرا کوچہ غیر نافذہ بشکل مستطیل نکلا جیسا کہ ذیل مین -
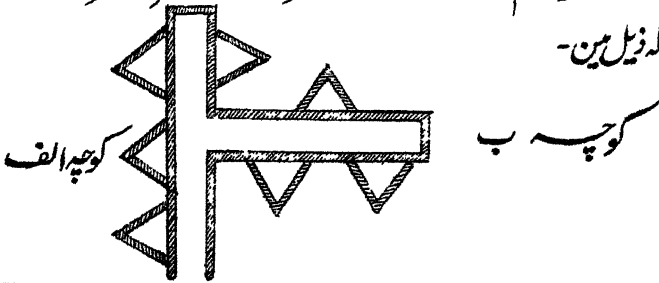
کوچہ ب

کوچہ الف

---

۵۱ کریم بخش بنام خدا بخش الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۷ - اس مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ راستہ مین خلیط ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ راستہ شارع عام نہ ہو بلکہ چند شخصون کا ذاتی راستہ ہو - ایسے راستہ مین اون سب لوگون کا حق مساوی ہے جو اوسمین حق آمدرفت رکھتے ہین گو اونمین سے بعض پڑوسی بھی ہون تو پڑوسی ہونے کی وجہ سے اونکو ترجیح نہ ہوگی -

اور کوچہ ب مین کوئی مکان فروخت ہوا تو کوچہ الف کے رہنے والون کو شفعہ نہین حاصل ہے بلکہ صرف کوچہ ب کے رہنے والے مستحق شفعہ ہین و اگر کوچہ الف مین کوئی مکان فروخت ہوا تو دونون الف و ب کے کوچون کے رہنے والون کو شفعہ ثابت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کوچہ الف کے رہنے والون کو کوچہ ب مین دروازہ توڑنے کا حق نہین کیونکہ اونکا راستہ اوس کوچہ سے نہین بخلاف اسکے کوچہ ب والے اپنا دروازہ کوچہ الف مین کر سکتے ہین۔ یا بالفاظ دیگر کوچہ ب مین آمد و رفت کا حق صرف اوسی کوچہ کے رہنے والون کو ہے اور کوچہ الف مین دونو کوچون کے رہنے والون کو اگر کسی صغیر نہر سے اوس سے بھی زیادہ چھوٹی نہر نکلی تو اسکے بارہ مین ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ کوچہ غیر نافذہ کی بابتہ۔ یعنی اگر منجملہ اون اراضی کے جسمین چھوٹی نہر سے پانی آتا ہے کوئی اراضی فروخت ہوئی تو حق شفعہ صرف اونہین لوگون کو ہوگا جو اوس چھوٹی نہر سے آبپاشی کرتے ہین۔ و اگر وہ اراضی فروخت ہوئی جسکی آبپاشی بڑی نہر سے ہوتی ہے تو دونون نہرون سے آبپاشی کرنے والون کو حق شفعہ ہوگا۔

دیوار پر کڑیان و شہتیر رکھنے سے کوئی شخص شرکت کا شفیع نہین ہوتا بلکہ شفیع جار ملاصق ہوتا ہے اگر مساوی درجہ کے چند شفیع ہون تو جائداد مشفوعہ اونکے درمیان موافق شمار افراد کے تقسیم ہوگی و اونکی ملکیت کے اختلاف کا کچھہ اعتبار نہین لیکن امام شافعی کے نزدیک حصص مدعیان کی مقدار کے لحاظ سے جائداد مشفوعہ اونکے درمیان تقسیم ہوگی[۵۱]

[۵۱] امام شافعی کی دلیل یہ ہے۔ شفعہ بغرض پورے کرنے منفعت ملک کے ہوتا ہے اور اسلیے وہ مشابہ ہے اوس منافع کے جو سرمایہ مشترکہ سے حاصل کیا جاے مثلاً ایک مکان مین زید نصف کا شریک ہے اور بکر ثلث کا اور خالد چھٹوین حصہ کا پس اگر زید نے اپنا حصہ فروخت کیا اور بکر و خالد شفیع ہوئے تو مذہب حنفی کے مطابق دونون شفیعون کو جائداد مشفوعہ برابر تقسیم کر دیجائیگی اور امام شافعی کے نزدیک

اگر منجملہ چند شفیع کے ایک غائب ہو تو جو شفیع حاضر ہون اونکے درمیان جائداد مشفوعہ تقسیم ہوگی اسواسطے کہ جو شفیع غائب ہے شاید وہ شفعہ نہ طلب کرے۔

اگر ایک شفیع حاضر تہا اور اوسکو کل جائداد مبیعہ دیدی گئی اور لبعد کو ایک اور شفیع آیا تو اول شفیع سے نصف لیکر دوسرے شفیع کو دینگے۔ اور اگر تیسرا شفیع آیا تو اون دونون سے ایک ایک ثلث لیکر تیسرے کو دینگے [۵۱]

عالمگیری مین ہے کہ جو شخص دیوار خاص مین شریک ہے اوسکا حق شفعہ بہ نسبت خلیط کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ ۔ بکر کو دو ثلث اور خالد کو ایک ثلث ملے گا۔

امام ابوحنیفہ کی یہ دلیل ہے۔ کہ جائداد مشفوعہ سے مدعیان شفعہ کی جائداد کا اتصال شفعہ کا سبب ہے اور باعتبار سبب کے یعنی اتصال کے دونون مدعی برابر ہین کیونکہ ظاہر ہے اگر بجاے دو کے صرف ایک ہی مدعی ہوتا تو اوسکو کل جائداد مشفوعہ ملتی اسلیے دونون مدعیون کا حق بہی برابر ہوگا۔ اور اتصال کی کمی بیشی پر حکم نہ ہوگا۔ اور سرمایہ مشترکہ سے جو تشبیہ دی گئی ہے وہ متعلق نہین کیونکہ منافع تو سرمایہ مشترکہ کا عین منافع ہے اور شفعہ کے ذریعے سے دوسری جائداد حاصل کرنا عین منافع شفیع کی ملکیت کا عین ہے کیونکہ اگر تین شفیعون مین سے دو نے اپنے حق سے دست برداری کی تو کل جائداد مبیعہ تنہا تیسرے شفیع کو ملیگی پس یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ مشترکہ کے منافع کی تمثیل شفعہ پر پوری صادق ہوتی ہے۔ ذیل کے مقدمات مین امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کیا گیا۔ مہاراج سنگھ بنام لالہ بہیک لال ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۱۷۔ جے رام بنام مہابیر الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۰۷ جنکی تقلید بمقدمات عجائب ناتھ بنام متھرا پرشاد و کنور دت پرشاد بنام ناہر سنگھ الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴ و صفحہ ۲۵۷ کی گئی۔

[۵۱] لیکن اگر شفعہ بر بناے واجب العرض ہے اور مشتری و شفیع مساوی درجہ کے شریک ہین تو حق شفعہ نہین ہے ونہ شفیع کو نصف حقیت ملے گی۔ دیکھو مان خان بنام منور خان ہفتہ وار ۱۸۹۶ء صفحہ ۵۶۔

اگر منجملہ چند شفیع کے ایک غائب ہو تو جو شفیع حاضر ہون اونکے درمیان جائداد مشفوعہ تقسیم ہوگی اسواسطے کہ جو شفیع غائب ہے شاید وہ شفعہ نہ طلب کرے۔

اگر ایک شفیع حاضر تھا اور اوسکو کل جائداد مبیعہ دیدی گئی اور بعد کو ایک اور شفیع آیا تو اول شفیع سے نصف لیکر دوسرے شفیع کو دینگے۔ اور اگر تیسرا شفیع آیا تو اون دونون سے ایک ایک ثلث لیکر تیسرے کو دینگے[۵۱]

عالمگیری مین ہے کہ جو شخص دیوار فاصل مین شریک ہے اوسکا حق شفعہ بہ نسبت خلیط کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲۔ بکر کو دو ثلث اور خالد کو ایک ثلث ملے گا۔

امام ابو حنیفہ کی یہ دلیل ہے۔ کہ جائداد مشفوعہ سے مدعیان شفعہ کی جائداد کا اتصال شفعہ کا سبب ہے اور باعتبار سبب کے یعنی اتصال کے دونون مدعی برابر ہین کیونکہ ظاہر ہے اگر بجاے دو کے صرف ایک ہی مدعی ہوتا تو اوسکو کل جائداد مشفوعہ ملتی اسلیے دونون مدعیون کا حق بھی برابر ہوگا۔ اور اتصال کی کمی بیشی پر حکم نہ ہوگا۔ اور سرمایہ مشترکہ سے جو تشبیہ دی گئی ہے وہ متعلق نہین کیونکہ منافع تو سرمایہ مشترکہ کا عین منافع ہے اور شفعہ کے ذریعے سے دوسری جائداد حاصل کرنا عین منافع شفیع کی ملکیت کا نہین ہے کیونکہ اگر تین شفیعون مین سے دو نے اپنے حق سے دست برداری کی تو کل جائداد مبیعہ تنہا تیسرے شفیع کو ملیگی پس یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ مشترکہ کے منافع کی تمثیل شفعہ پر پوری صادق ہوتی ہے۔ ذیل کے مقدمات مین امام ابو حنیفہ کے قول پر عمل کیا گیا۔ مہاراج سنگھ بنام لالہ بھیک لال ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۱۷۔ جے رام بنام مہابیر الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۰۷ جنکی تقلید بمقدمات عجائب ناتھ بنام متھرا پرشاد و کنوروت پرشاد بنام ناہر سنگھ الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴ و صفحہ ۲۵۷ کی گئی۔

[۵۱] لیکن اگر شفعہ بربنا رواجیب العرض ہے اور مشتری و شفیع مساوی درجہ کے شریک ہین تو حق شفعہ نہین ہے ونہ شفیع کو نصف حقیت ملے گی۔ دیکھو مان خان بنام منور خان ہفتہ وار ۱۸۹۶ء صفحہ ۵۶۔

مقدم ہے اور شریک مکان سے موخر۔ کیونکہ شریک مکان کی شرکت عام ہے و شریک دیوار کی شرکت خاص جزو مین ہے اور شفعہ مین شرکت عام زیادہ قوی ہے۔

اگر کسی شریک نے خرید کیا تو دیگر شرکا مساوی الدرجہ کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ یہ مسئلہ شرع حنفی کی متعدد مستند کتاب کے حوالہ سے بمقدمہ امیر حسین بنام رحیم بخش[ا] طے پایا ہے اس مقدمہ مین ایک مکان کوچہ غیر نافذہ مین واقع تھا ایک ایسے شخص نے خرید کیا جو اوسی کوچہ مین رہتا تھا۔ مدعی شفیع متعلقات مکان مین شریک تھا عدالت ماتحت نے دعوی شفعہ اس وجہ سے ڈسمس کیا کہ مشتریان کا مکان اوسی کوچہ مین واقع ہے اور اونکو بمقابلہ شخص اجنب کے ویسے ہی حق شفعہ حاصل ہے جیسے شفیع کو۔

ہائی کورٹ نے تجویز کی۔۔۔ وہ اس امر مین شبہہ کی کوئی گنجایش نہین ہے کہ بموجب قانون مذکور (شرع محمدی) حق شفعہ ایسے مشتری کے مقابلہ مین نافذ کیا جاسکتا ہے جو شخص اجنب نہ ہو بلکہ ایسا شخص ہو جو مدعی کے ساتھ مساوی طور پر بمقابلہ شخص اجنب کے دعوی شفعہ کرسکتا ہو۔ اور یہ کہ بصورت خریداری ایسے شخص کے دیگر اشخاص کے حقوق جو مبیع مین استحقاق شفعہ رکھتے ہون اوسیطرح تجویز ہونی چاہیے جس طرح اوسصورت مین تجویز ہوتے۔ اگر مشتری نے جائداد مذکور کو بذریعہ حق شفعہ بمقابلہ شخص اجنب بعدم موجودگی دیگر شفیعان کے حاصل کی ہوتی اور شفیعان غیر حاضر بعدہٗ حاضر ہوکر اپنے حصص کا دعوی کرتے۔ یہ مسئلہ قانونی مسلمہ ہے کہ جب مشتری شخص اجنب ہو اور ایک سے زیادہ اشخاص کو حق شفعہ حاصل ہو اور منجملہ اونکے ایک غیر حاضر ہو تو ڈگری اون اشخاص کے حق مین جو حاضر ہین مطابق اونکی تعداد کے صادر ہونی چاہیے لیکن اگر ایک شفیع حاضر کے حق مین کل جائداد کی ڈگری ہوگئی پھر دوسرا شفیع آیا

[ا] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۴۶۶ - نیز دیکھو عبداللہ بنام امانت اللہ ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۲ -

تونصف کی ڈگری اوسکے حق مین دیجائیگی واگر تیسرا شفیع آیا تواون دونون سے ایک ایک ثلث لیکر تیسرے کو دینگے[۵۱]

مگر اصول مذکور اوس صورت سے متعلق نہین ہے جب حق شفعہ کا دعوی بربنا رواجب العرض ہوا ورا سیلیے جب بیع ابتداءً شخص اجنب کے حق مین ہوا اور اوس نے قبل رجوع ہونے نالش شفعہ کے ایک شریک کے حق مین بیع کردی تو دعوی شفعہ نہین ہوسکتا[۵۲]

فتاوی عالمگیری ''ایک مکان مین تین کمرے ہین اور باقی اراضی صحن کی ہے صحن کی اراضی تین شخصون کی مشترک ہے اور کمرے اون تین سے صرف دو شخصون مین مشترک ہین - ایک شریک نے اپنا حصہ صحن وکمرے مین دوسرے شخص کے ہاتھ جو صحن وکمرہ مین اوسکا شریک ہے فروخت کیا تو تیسرے شخص کو جو صرف صحن مین اوسکا شریک ہے حق شفعہ نہین ہے''

''ایک مکان ایک شخص کا ہے اور اوسکے اندر ایک کمرہ اوسکے اور ایک اور شخص کے درمیان مشترک ہے مالکِ مکان نے اپنا مکان فروخت کیا اور پڑوسی اور شریک کمرہ دونون نے شفعہ طلب کیا تو کمرہ کے شریک کا حق کمرہ مین اولی ہوگا اور لقبیہ مکان پڑوسی اور شریک کمرہ کو نصفا نصف ملیگا''

''ایک مکان کا ایک حجرہ دو آدمیون مین مشترک ہے اوسمین سے ایک نے اپنا حصہ ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا تو اوسکی دو صورتین ہین کہ اگر حجرہ دونون مین منقسم ہے توحق شفعہ فقط اوس مکان کے راستہ کے شریکون مین

[۵۱] اس مقدمہ مین لالہ نوبت لال بنام جیون لال کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۸۳۱ و دیگر مقدمات ویکلی رپورٹر سے اختلاف کیا گیا۔

[۵۲] سیٹیرہ مل بنام حکم سنگھ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۔

مشترک ہوگا۔[۹۱] شریک حجرہ کو حق شفعہ نہ ہوگا۔ اور اگر شرکاء راستہ مکان نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو مکان کے جار ملاصق کو حق شفعہ ہوگا۔ جیسے مبیع کے پڑوسی کو ملتاہے ویسے ہی حق المبیع کے پڑوسی کو بھی ملتاہے مثلاً ایک مکان مین چند منزلین ہین جو مختلف اشخاص کی ملکیت ہین مگر اون منزلون کا راستہ مالکان جملہ منازل مین مشترک ہے۔ ان منزلون مین اگر ایک فروخت ہوئی تو دیگر منزلون کے مالکون کو بوجہ خلیط کے حق شفعہ ہوگا۔ اگر ان سبھون نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو پڑوسی کو حق شفعہ ہوگا۔ اگر اوسکی ملک منزل مبیعہ کے متصل ہو اور اگر راستہ مشترکہ سے ملاصق ہے تو اس صورت مین بھی اوسکو حق شفعہ ہوگا بسبب جوار راستہ مشترک۔ اگر ان دونون صورتون مین سے کوئی نہ ہو بلکہ اوس مکان کے کسی دوسری منزل سے ملاصق ہو تو اوسکو حق شفعہ نہ ہوگا۔ جب ایک موضع تقسیم ہوکر کئی محال ہوگیا تو شرعاً ایک محال کے مالک کو دوسرے کی نسبت قربت کی بناء پر حق شفعہ نہ حاصل ہوگا ونہ اس بناء پر ہوگا کہ متعلقات موضع دونون محال مین مثل سابق مشترک ہین[۹۲]۔

یہان تک تو اس امر کا ذکر کیا گیا کہ اگر مختلف مدارج کے شفیع ہون تو شرعاً اونمین کسکو ترجیح ہوگی۔ مسایل مذکورہ بالا مین اس امر کا کچھہ ذکر نہین آیا کہ اگر منجملہ بایع و مشتری و شفیع کے اگر کوئی نامسلم ہو تو اوس صورت مین کیا حکم ہوگا۔ چونکہ مسائل مذکور زیادہ تر کتب فقہ سے ماخوذ ہین اسلیے یہ امر فرض کرلینا چاہیے کہ اونمین صرف وہی صورت داخل ہے

---

[۹۱] گنیش لال بنام لچھمن داس ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۵ صفحہ ۱۳۱۔ اس مقدمہ مین بالاخانہ کا مالک دوسرا شخص تھا اور نیچے کے مکان کا مالک دوسرا۔ مگر بالاخانہ مین جانیکا راستہ ایک تیسرے شخص کے مکان سے تھا۔ پس جب بالاخانہ معہ اپنے راستہ کے فروخت ہوا تو اوس شخص کا حق شفعہ مرجح قرار پایا جسکے مکان سے ہوکر بالاخانہ کا راستہ تھا۔ [۹۲] عبدالرحیم خان بنام کراگ سین الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۴ و نیز دیکھو نظیر الدین بنام قادر بخش ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۹۳۔

جب تینون فریق مسلمان ہون گو یہ صحیح ہے کہ اسلامی سلطنت کے زمانہ مین یہی احکام
اوس حالت مین بہی متعلق کیجاتی جب اونمین سے ایک یا دو فریق غیر مسلم ہوتے
کیونکہ شرع نے استحقاق شفعہ کے معاملہ مین مسلمان وغیر مسلمان مین کسی قسم کا
امتیاز نہین رکہا ہے لیکن اب انقلاب سلطنت کیوجہ سے شرع محمدی ملکی
قانون کی حیثیت نہین رکہتی اسلیے یہ دیکہنا ہے کہ اگر شفیع کے تینون فریقون
مین سے کوئی فریق دوسری قوم و ملت کا شخص ہے تو اُس صورت مین عدالتہائے
ہند کیا حکم صادر کرینگی۔

بایع و شفیع مسلمان و مشتری ہندو — یہ امر تو ظاہر ہے کہ اگر بایع و مشتری و شفیع تینون پابند شرع
ہین تو شفعہ شرعی متعلق ہوگا۔ لیکن جب بایع و شفیع مسلمان ہون و مشتری ہندو
تو عدالتون سے مختلف فیصلے صادر ہوئے ہین۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک
اجلاس کامل نے بمقدمہ قدرت اللہ بنام موہنی موہن[۵۱] کثرت رائے سے تجویز کی
کہ بموجب آئین ہفتم ۱۸۳۲ء جب دونون فریق مختلف مذاہب کے ہون تو کسی خاص
مذہب کی پابندی سے فیصلہ نہ ہوگا۔ بلکہ عدالت از روئے اصول انصاف فیصلہ
کرے گی۔ بموجب شرع کے بایع کو اپنی جائداد فروخت کرنیکا کلی حق حاصل ہے اوسپر
یہ لازم نہین ہے کہ بیع کرنے سے قبل وہ کسی شریک یا ہمسایہ سے اپنی جائداد کی خریداری
کے لیے کہے۔ مشتری روز بیع سے اوس جائداد کا کامل مالک ہوجاتا ہے۔
شفیع کو جائداد مشتری سے ملتی ہے پس جب مشتری پابند شرع محمدی نہین ہے۔
تو اوسکے مقابلہ مین شفعہ شرعی نہین ہوسکتا۔ لیکن الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک
اجلاس کامل نے اِس فیصلہ سے اختلاف کرکے بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[۵۲]

[۵۱] بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۔ [۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵۔

بہت ہی بے نظیر فیصلہ صادر کیا ہے۔ اس مقدمہ مین سید محمود نے کلکتہ ہائی کورٹ
کے فیصلہ کی وجوہات کو بدلائل منطقی غلط ثابت کیا ہے۔ گو کثرت راے نے سید
محمود کی اس تجویز کو قبول نہین کیا کہ قاعدہ شرع محمدی جو دربارہ شفعہ ہے ایک
امر مذہبی حسب معنی دفعہ ۲۴۔ ایکٹ ۶ ۱۸۷۱ع کے ہے اور اون قواعد کی تعمیل
عدالتون پر مثل قانون کے لازم ہے لیکن کثرت راے سے یہ تجویز ہوئی کہ دو ازروے
احکام دفعہ ۲۴۔ ایکٹ عدالت ہاے دیوانی بنگال کے عدالت پر یہ لازم نہ تھا
کہ دعاوی شفعہ مین شرع محمدی کے احکام کی پابندی کرے مگر انصاف کی بنا پر
قانون مذکور ہمیشہ ایسے دعاوی سے مابین مسلمانون کے متعلق کیا گیا ہے۔
اور یہ امر قرین انصاف نہ ہوگا کہ جب کوئی نامسلم کسی مسلمان کی حقیت اون شرایط
و ذمہ داریون کو جانکر خرید کرتا ہے جسکی بموجب شخص مسلم حقیت مذکور پر قابض تھا تو
محض اس وجہ سے کہ وہ یعنی مشتری خود تابع شرع محمدی نہین ہے اوسکو اون شرایط
و ذمہ داریون سے گریز کرنے کی اجازت دیجاے ''
مقدمہ مذکور مین سید محمود صاحب نے لکھا ہے کہ دو تمام مقدمات شفعہ مین تین فریق
پر لحاظ کیا جاتا ہے۔ شفیع۔ بایع و مشتری اور جہانتک کہ بحث زیر تجویز کو تعلق ہے یہ
مختلف صورتین فرض کیجاسکتی ہین کہ تینون مین سب یا ایک یا دو ہندو یا مسلمان
ہین سب سے آسان و معمولی صورت یہ ہے کہ تینون اشخاص متعلقہ مسلمان ہین اور
ایسی حالت مین یہ ظاہر ہے کہ شرع محمدی متعلق ہے۔ اس قول سے قانوناً
منفی جواب اوس صورت مین مستنبط ہوتا ہے جب تمام فریق نالش ہندو ہون
.... علی ہذا القیاس جب شفیع مسلمان ہو و بایع و مشتری دونون ہندو ہون تو اوس
صورت مین بھی نہین یا جب اسکا عکس ہو یعنی شفیع ہندو و بایع و مشتری مسلمان

نیز اوس صورت مین جب شفیع و بایع دونون ہندو ہون و مشتری مسلمان - و نیز جب شفیع و مشتری دونون ہندو ہون و صرف بایع مسلمان - اگرچہ شرع محمدی متعلقہ شفعہ مین مذہب و ملت کا کوئی امتیاز نہین ہے لیکن چونکہ اب وہ ملکی قانون نہین ہے بلکہ اہل اسلام کا ذاتی قانون رہ گیا ہے اسلیے صرف اہل اسلام ہی اون حقوق کو نافذ کرا سکتے ہین - اور اون ذمہ داریون کے تابع ہو سکتے ہین جن سے وہ ذاتی قانون متعلق ہے - اور جو حقوق کہ اہل اسلام سے کسیکو حاصل ہین خواہ وہ ہندو ہو یا کسی اور مذہب کا شخص ہو تو اون سے شرع محمدی متعلق ہوگی - اسلیے اگر بایع و شفیع مسلمان ہین اور مشتری ہندو تو شرعی شفعہ متعلق ہوگا"

معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی اس اصول کو اپنے ما بعد کے فیصلون مین صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ بمقدمہ پورتو سنگھ بنام ہری سر ماحسین[۵۱] بایع ایک یوروپین تھا یہ تجویز کی کہ حق شفعہ اوس قاعدہ قانونی سے پیدا ہوتا ہے جسکا تابع مالک اراضی ہے پس جب بایع ایک یوروپین شخص ہے تو حق شفعہ نہ پیدا ہوگا -

شخص اجنب کون ہے

مقدمات شفعہ مین شخص اجنب ایک ایسا اہم لفظ ہے جسکا صحیح مفہوم معلوم کرنا بہت ضرور ہے عام طور پر شخص اجنب کی یہ تعریف ہے کہ اوس سے ہر ایسا شخص مراد ہے جو مستحق شفعہ نہین ہے یعنی جو شریک یا خلیط یا ہمسایہ نہین ہے وہ اجنب کی تعریف مین داخل ہے -

---

۵۱ بنگال لا رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۷ - اسکی تقلید بمقدمہ ددار کا داس بنام حسین بخش الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۶۴ کی گئی - وحبیب اللہ بنام عبد العالم ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ع صفحہ ۱۴۳ مین تجویز ہوئی کہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جب بایع نامسلم ہو تو شفع شرعی جایز نہ ہوگا بجز اوس صورت کے جب اوس مقام کے غیر مسلم باشندون نے شفع شرعی رواجاً تسلیم کر لیا ہو اور جب عرضی دعوی مین اوس رواج کا ذکر ہو تو اوسکی تحقیقات کرنی چاہیے -

بمقدمہ فدا علی بنام مظفر علی[۵۱] لفظ اجنب پر بحث کی گئی۔ اس مقدمہ مین شوہر نے اپنی
زوجہ کے حق مین کچھ جائداد غیر منقولہ بعوض مہر کے منتقل کی اور اس انتقال پر شفعہ کا
دعویٰ ہوا۔ یہ بحث پیدا ہوئی کہ زوجہ شخص اجنب کہی جا سکتی ہے یا نہین۔ عدالتین
ماتحت نے یہ تجویز کی کہ چونکہ زوجہ جائداد شوہری مین وراثتاً حصہ پا سکتی ہے اسلیے
وہ اجنب نہین متصور ہو سکتی ورنہ اوس انتقال پر جو اوسکے حق مین ہوا ہے استحقاق
شفعہ پیدا ہوتا ہے۔ اس تجویز کی صحت پر ہائیکورٹ مین بحث ہوئی۔ ٹرنر صاحب
و محمود صاحب نے تجویز کی کہ جائداد شوہری مین بحالتِ حیات شوہر کے زوجہ کا شرعاً
کوئی حق نہین ہوتا اور نہ وہ کسی معنی کر کے شریک کہی جا سکتی ہے کیونکہ ہر مسلمان
شخص اپنی جائداد کا اپنی حیات مین قطعی مالک ہوتا ہے۔ اوسکے قرابت مند جو اوسکے
مرنے پر میراث پائینگے۔ وہ جملہ اشخاص غیر ہین۔ لفظ اجنب جو شرع مین واقع ہوا ہے
اوسکے معنی غیر قرابت دار کے نہین ہین۔ بلکہ یہ لفظ شفیع کا ضد ہے۔ اجنب کی
شناخت کا یہ صحیح معیار ہے کہ اگر بیع کسی اور شخص کے حق مین ہوتی تو وہ شخص جسکے
حق مین اب بیع ہوئی ہے وہ دعویٰ شفع کر سکتا ہے یا نہین۔ اگر نہین کر سکتا تو وہ اجنب
ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حصہ دار کی زوجہ صرف بوجہ زوجہ ہونے کے دعویٰ شفعہ
کی مجاز نہین ہے پس زوجہ بموجب شرع محمدی کے اجنب متصور ہوگی۔

لیکن شخص اجنب کی شناخت اوس صورت مین کسی قدر پیچیدہ ہو جاتی ہے جب
مابین اہل ہنود کے شفع کا دعویٰ واجب العرض کی بنا پر ہو۔ مثلاً اگر باپ نے
جو تابع متاکشرا ہے اپنے لڑکے کے حق مین کوئی جائداد منتقل کی تو آیا وہ لڑکا جسکا
نام درج کیوٹ نہین ہے مگر جو روز پیدایش سے جائداد موروثی مین اپنے باپ کی

[۵۱] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۵۰ نیز دیکھو مشتاق احمد بنام امجد علی ہفتہ وار ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۳۱۔

برابر حق رکھتا ہے شخص اجنب متصور ہوگا یا نہین - ایک مقدمہ مین (الف) کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ بیٹا ہندو تابع متاکشرا کو گو جائداد موروثی مین وقت پیدائش سے حق حاصل ہوتا ہے لیکن معاملات شفعہ کا فیصلہ جو بر بناء واجب العرض ہوتا ہے بلحاظ الفاظ و عبارت واجب العرض کے ہونا چاہیئے - حکام موصوف نے تحریر فرمایا کہ واجب العرض ایک عہدنامہ ہے جو بندوبست کے وقت اون اشخاص کے مابین ہوتا ہے جن سے اوسکو تعلق ہے - اور کاغذ مذکور کی تعمیل اون اشخاص پر اور اونکے وارثون و جانشینون و منتقل الیھم پر واجب ہوتی ہے پس ایک ہندو کا لڑکا جو شریک معاہدہ مندرجہ واجب العرض نہین ہے اپنے باپ کی حیات مین ایسا مستقل حق نہین رکھتا جو اوسکو اجنب کی تعریف سے خارج کر سکے - مگر ایک مابعد کے مقدمہ مین (ب) حکام نے یہ بیان کر کے کہ دیہات کے واجب العرض کس طور پر مرتب ہوتے ہین اور اونکی کیا وقعت ہونی چاہیئے - یہ تحریر فرمایا کہ واجب العرض کے الفاظ کی پابندی نہ کرنی چاہیئے بلکہ متعاقدین کا منشا دیکھنا چاہیئے - واجب العرض مین جو شفعہ کی شرط لکھی جاتی ہے اوسکا اصل مقصود یہ ہے کہ اشخاص غیر موضع مین داخل نہ ہون - لڑکا جو روز پیدایش سے باپ کے ساتھ جائداد مین شریک ہوتا ہے وہ کسی طور پر اجنب نہین متصور ہو سکتا -

بمقدمہ جنک سنگھ بنام گنگا بشن[۵۱] یہی مسئلہ دوسری شکل مین پیش ہوا - باپ نے جائداد موروثی کا ایک جزو بیع کیا اوسپر لڑکا شفیع ہوا تجویز ہوئی کہ گو لڑکا اپنے باپ کے ساتھ دھرم شاستر کی رو سے جائداد مین شریک ہے لیکن یہ شرکت واجب العرض کے

(الف) صدر دیوانی آگرہ منفصلہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۱ع (ب) ۳۰ جنوری سنہ ۱۸۶۵ع صدر آگرہ -

[۵۱] ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۸۴ع صفحہ ۱۳ -

مطابق کوئی شرکت نہین ہے اسلیے وہ مجاز شفعہ نہین ہے - ایسے ہی بمقدمہ مہادیو سنگھ بنام نندا سنگھ[۹۱] تجویز ہوئی پھربھی مسئلہ بمقدمہ گندھرپ سنگھ بنام صاحب سنگھ[۹۲] پیش ہوا اور اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا کہ آیا ہندو خاندان مشترکہ کے ممبران جنکا نام مندرج کھیوٹ نہین ہے حسب معنی واجب العرض کے شریک ہین یا نہین ؟ حکام نے جملہ فیصلجات پر جو اس امر کے متعلق تھے غور کرنے کے بعد تجویز کی کہ ایسے ممبران حسب معنی واجب العرض شریک ہین اس مقدمہ مین ایک حصہ دار کے لڑکے کے نام حقیت بیع ہوئی تھی تجویز ہوئی کہ وہ بھی دھرم شاستر کے بموجب شریک محال ہے گو اوسکا نام مندرج کھیوٹ نہین ہے اسلئے اوسکے مقابلہ مین دعوی شفعہ نہوگا -

جب دو شخصون نے کسی حقیت مین اپنا اپنا حصہ خانگی تقسیم کے ذریعہ سے علحدہ کرلیا ہے تو پھر اونمین سے کوئی شرکت کی بناء پر دوسرے کے حصہ کی بابتہ شفعہ نہین کرسکتا گو سرکاری بٹوارہ نہ ہونے کی وجہہ سے دونون حصے مشترکا مالگذاری سرکار کے ذمہ دار ہین کیونکہ شفیع نے خود اپنے فعل سے جہان تک اوسکے اختیار مین تھا شرکت کے فوائد سے اپنے کو محروم کردیا[۹۳] - اس امر مین خانگی بٹوارہ و سرکاری بٹوارہ دونون کا ایک ہی نتیجہ ہے[۹۴] -

جب اراضیات کے نمبر جداگانہ کلکٹری کے رجسٹر مین درج ہون تو شرکت نہین باقی رہتی اسلئے شرکت کی بناء پر شرعا دعوی شفعہ نہین ہوسکتا[۹۵] - لیکن اگر واجب العرض کی

---

۹۱ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۰۰ - ۹۲ ہفتہ وار ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۲۶ یا الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۳۴ -

۹۳ بیجناتھ سنگھ بنام دودبیے مہتون ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۵ ۹۴ گوپال سنگھ بنام اجودھیا پرشاد ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۷۴ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۷۳ نیز دیکھو کلکتہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۱ ۹۵ ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ صفحہ ۹۷۴ و ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۸۱ و ایضاً صفحہ ۷۹ -

بنا پر دعوی شفعہ ہو تو گو موضع کا بٹوارہ ہو گیا ہو اور وہ بٹوارہ مکمل ہی کیون نہ ہو مگر کاغذات حقوق جدا گانہ مرتب نہین ہوئے ہون تو شرکت کی بنا پر دعوی ہو سکتا ہے[51] اور جب بٹوارہ غیر مکمل ہو یعنی ذمہ داری ادائے مالگذاری کی واحد ہو تو بھی استحقاق شفعہ مین کچھ فرق نہین آتا[52]۔

ہندو خاندان مشترکہ کے ممبر جنکا نام کھیوٹ مین بحیثیت مالک درج نہین ہے دعوی شفعہ کر سکتے ہین[53]۔ لیکن اگر ہندو بیوہ بعوض نان نفقہ کے کسی حصہ پر قابض ہو تو اوسکا حق حصہ مقبوضہ مین ایسا نہین ہے جس سے وہ مستحق دعوی شفعہ کے ہوگی[54]۔ لیکن اگر ہندو بیوہ نے اپنے شوہر کی میراث پائی تو وہ مستحق شفعہ ہے[55]۔ واگر ہندو بیوہ کا نام کھیوٹ مین درج ہو مگر اوسکی اولاد نرینہ ہو جسکی وجہ سے وہ اپنے شوہر کے وارث نہین ہو سکتی تو وہ مستحق دعوی شفعہ نہین ہے[56] اگر ہندو بیوہ نے اوس جائداد کو جسپر وہ بعد وفات اپنے شوہر کے حین حیاتی قبضہ رکھتی تھی اپنی دختر کو دے دیا تو دختر اوسکے ذریعہ سے دعوی شفعہ کر سکتی ہے گو بیع مشفوعہ اوس وقت سے قبل ہی کیون نہ ہو جب اوسکو اپنی مان سے حصہ ملا تھا[57]۔

---

۵۱ گوکل سنگھ بنام منا لال ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۵ء صفحہ ۲۶۳ و شیام سندر بنام امانت بیگم ہفتہ وار ۱۸۹۶ء صفحہ ۲۴
۵۲ رام پرشاد بنام دلجیت سنگھ آگرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۲۲۳ ۵۳ گند ہرپ سنگھ بنام صاحب سنگھ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۸۴ - لیکن ایک ہندو شخص کا لڑکا اپنے باپ کے انتقال پر شفعہ نہین کر سکتا گو وہ اپنے باپ کے شریک رہتا ہو کیونکہ وہ حصہ دار شریک نہین ہے۔ جنگ سنگھ بنام گنگا بشن ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۳ و مہادیو سنگھ بنام نندا سنگھ ہفتہ وار مذکور صفحہ ۱۰ ۵۴ دلا کنوری بنام جگر ناتھ کنوری الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۱۷ و امام الدین بنام سبرتی الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۹ و مہپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۲ ۵۵ ہنگن خان بنام درگا پرشاد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ ۵۶ مہپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۲ ۵۷ محمد یوسف علیخان بنام دل کنور الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ - اسمین نراین بنام بہیر الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۵۳۶ سے فرق دکھلایا گیا۔

سامان بیوہ جو بعوض اپنے دین مہر کے جائداد شوہری پر قابض ہے تو وہ اس قبضہ کی وجہ سے حصہ دار موضع نہ متصور ہوگی بلکہ مثل مرتہن کے وہ سمجھی جائیگی اسلئے وہ مستحق دعویٰ شفعہ نہ ہوگی[۵۱]۔ اگر کسی شخص نے کوئی حقیت نیلام مین خرید کی تو اسکے ذریعے سے اوسی وقت دوسری حقیت کو جو نیلام ہوتی ہے باستحقاق شفعہ نہین لے سکتا کیونکہ منظوری نیلام تک اوسکا حق مستقل نہین ہے[۵۲]۔

فصل چہارم۔ طلب شفعہ کے بیان مین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفعہ عقد و جوار سے واجب ہوتا ہے۔ اور طلب و اشہاد سے متاکد ہوجاتا ہے۔ طلب کی تین قسم ہین۔ طلب مواثبة۔ طلب تقریر اشہاد۔ طلب تملیک طلب مواثبت یہ ہے کہ جسوقت شفیع کو بیع کا علم ہو اوسکو چاہیے کہ اوسیوقت شفعہ طلب کرے اور اگر اوس نے سکوت کیا اور طلب نہ کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوجائیگا یہی روایت صحیح ہے[۵۳]۔ بعض روایت مین ہے کہ اگر مجلس علم مین شفیع نے شفعہ طلب

[۵۱] خیر النساء بی بی بنام امین بی بی ہفتہ وار ۱۸۸۰ع صفحہ ۹۳ [۵۲] دوارکا پرشاد بنام اوتار۔ ۳۰ امئی ۱۸۷۵ع الہ آباد [۵۳] علی محمد بنام تاج محمد الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۸۳۔ اس مقدمہ مین علم بیع سے ۱۲ گھنٹہ بعد طلب مواثبت کی گئی تجویز ہوئی شفعہ ساقط ہوگیا۔ رام چرن بنام نر سیر مہتون ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۵۹ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۷۲۳۔ علم بیع کے بعد شفیع جائداد مبیعہ پر گیا اور وہان طلب مواثبت کی تجویز ہوئی شفعہ زائل ہوگیا مقدمہ جعفر خان بنام جبار میان کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ جب شفیع کو بیع کی خبر ہوئی تو وہ بجائے اسکے کہ طلب مواثبت اوسیوقت اور اوسی جگہ کرے مکان سکے اندر روپیہ لینے گیا تجویز ہوئی کہ اوسکا حق شفعہ زائل ہوگیا۔

کیا تو اوسکو ملے گا ورنہ نہین۔ مجلس علم کی قید سے شفیع کو اخیر مجلس تک عذر کرنے کے لیے مہلت وینی مقصود ہے[۵۱]۔ طلب کے لیے کوئی خاص الفاظ مخصوص نہین ہین بشرطیکہ الفاظ ایسے ہون جس سے طلب شفعہ مفہوم ہوتا ہو مثلاً کسی نے کہا کہ مینے شفعہ طلب کیا یا شفعہ طلب کرتا ہون یا مین شفعہ طلب کرتا ہون تو جایز ہے۔

لیکن اگر اوس نے مشتری سے کہا کہ مین تیرا شفیع ہون تو شفعہ باطل ہوجائیگا۔ (اسکی وجہہ سید امیر علی نے یہ لکھی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ بیان کیا گیا یعنی یہ کہ مجھے حق شفعہ حاصل ہے مگر طلب وبنہ طلب کرنے کی بابت کچھہ مفہوم نہین ہوتا۔ لیکن علم بیع ہونے کے بعد شفیع نے کہا کہ الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا السلام علیک[۵۲]۔ اور پھر شفعہ طلب کیا تو اوس سے شفعہ باطل نہ ہوگا[۵۳]۔ ایسے ہی اگر علم بیع کے بعد مشتری کا نام یا زرثمن دریافت کیا تو بھی شفعہ جائز ہے[۵۴]۔ بیع فاسد مین

---

۵۱ امجد حسین بنام کہرگ سین بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۰۳ و نیز دیکھو علی محمد بنام تاج محمد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ ۵۲ فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۲۲- بشرطیکہ سلام علیک مشتری کو کیا ہے اگر مشتری اپنے لڑکے کے ساتھہ کھڑا ہوا اور شفیع نے مشتری کے بیٹے کو سلام کہکر شفعہ طلب کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوجائیگا کیونکہ اول الذکر صورت مین تو قبل شروع کرنے کلام کے مخاطب کو سلام کرنا منجملہ حقوق اسلام کے ایک حق ہے اسلیے شرعاً ایک معقول عذر ہے۔ اگر سلام علیک کے متعلق شفیع و مشتری مین اختلاف ہے یعنی مشتری کہتا ہے کہ میرے لڑکے کو سلام کیا اور شفیع کہتا ہے نہین بلکہ خود مشتری کو سلام کیا تو شفیع کا قول لائق قبول ہوگا۔ اگر شفیع کو نماز فرض یا نماز واجب یا نماز سنت مین بیع کی خبر دی گئی اور اوس نے نماز پوری کرکے شفعہ طلب کیا تو صحیح ہے لیکن اگر اوس نے بعد نماز کے دعا مانگی اور پھر شفعہ طلب کیا تو شفعہ باطل ہوجائیگا ۵۳ ہدایہ صفحہ ۱۸ کیونکہ ان کلمون مین سے کوئی ایسا نہین ہے جس سے اعراض یعنی منھہ موڑنا حق شفعہ سے دست برداری پائی جاتی ہو۔ ۵۴ کیونکہ بعض وقت اصلی زرثمن پر شفیع کو خریداری کی خواہش نہین ہوتی اور اگر زرثمن کم ہوتا تو خرید کرتا کیونکہ بعض مشتری کے پڑوس مین آنے سے نفرت نہین ہوتی اور بعض سے ہوتی ہے۔ ہدایہ صفحہ ۱۸۔

طلب شفعہ کا اعتبار اوسوقت ہوگا جب بایع کا حق منقطع ہوگیا خرید کے وقت کا اعتبار نہین - ہبہ بشرط العوض مین دو روایت ہین - ایک روایت مین وقت قبضہ کے طلب کا اعتبار ہے اور دوسری مین وقت عقد ہبہ کے اعتبار ہے -

اگر ایک مکان کے شریک وجار دونون نے اوس مکان کے بیع ہونیکا حال سنا اور دونون ایک ہی جگہہ موجود ہین لیکن شریک نے شفعہ طلب کیا وجار خاموش رہا اور بعدہٗ شریک نے شفعہ چھوڑ دیا تو جار کو شفعہ مین مکان لینے کا اختیار نہ ہوگا -

ایک مکان کے دو شفیع ہین ایک حاضر دوسرا غائب - اور حاضر نے صرف نصف مکان کا شفعہ طلب کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوگیا -

اسیطرح اگر دونون حاضر ہین اور دونون نے نصف نصف شفعہ مین طلب کیا تو دونون کا حق باطل ہوگیا -

طلب اشہاد طلب اشہاد اس طرح سے ہوتی ہے کہ شفیع اپنی طلب مواثبت کے گواہ کرے - یہ اشہاد صحت طلب مواثبت کے واسطے شرط نہین ہے - بلکہ اسکی ضرورت اسلئے ہے کہ اگر مشتری شفیع کے طلب مواثبت سے انکار کرے تو شفیع گواہون کی شہادت سے اس امر کو ثابت کرسکے - طلب اشہاد بعد طلب مواثبت کے جس قدر جلد ممکن ہو کیجاے اور کوئی غیر ضروری تاخیر نہ ہو ورنہ شفعہ باطل ہوجائیگا۔[۵]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵ - اگر شفیع نے طلب مواثبت مین پہلے کچھ تھوڑا سا توقف اس غرض سے کیا کہ کچھ تحقیق کرے کہ بیع کی بابت جو اطلاع اوسے ملی ہے صحیح ہے یا نہین تو اوس سے اوسکا حق شفعہ بموجب شرع محمدی کے زائل نہ ہوگا - بلکہ شرع نے غور کرنے کے لیے تھوڑی سی مہلت عطا کی ہے -

[۵] جہریدن بنام لطیف حسین بنگال لا رپورٹ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ -

طلب اشہاد مشتری یا بائع یا عقار مبیعہ کے حضور مین ہونی چاہیے[51] - پس ان مین سے کسی کے پاس جا کر شفیع یون کہے کہ فلان شخص نے یہ مکان یا ایک مکان جسکے حدود اربعہ ذکر کرے خرید لیا ہے اور مین اوسکا شفیع ہون اور مین اوسکا شفعہ طلب کر چکا ہون اور اس وقت بھی طلب کرتا ہون تو تم لوگ اسکے شاہد رہو -

اگر ہنوز مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا خواہ بایع کے حضور مین طلب اشہاد کرے یا مبیع کے حضور مین - لیکن اگر مبیع مشتری کے قبضہ مین ہے تو بایع پر اشہاد صحیح نہین - لیکن امام محمد کے نزدیک استحسانا صحیح ہے (ہدایہ صفحہ ۳۰۰) مگر صاحب ہدایہ کے نزدیک اگر بایع نے شے مبیعہ پر مشتری کا قبضہ کرا دیا ہے تو بایع سے شفعہ طلب کرنا صحیح نہین کیونکہ اس صورت مین بایع مثل شخص اجنبی کے ہے بوجہ نہ ہونے قبضہ و ملک کے جائداد مبیعہ مین[52] -

---

[51] کلثوم بی بی بنام نقیر محمد خان الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۴۹۸ - علی محمد خان بنام محمد سعید حسین صفحہ ۳۰۹ جلد مذکور - اس آخر الذکر مقدمہ مین شفیع نے مشتری کی موجودگی مین طلب اشہاد کیا تو تجویز ہوئی کہ وقت طلب مشتری کا جائداد مشفوعہ پر قابض ہونا ضرور نہین ہے [52] طلب مواثبت و طلب اشہاد فی الحقیقت دو طلب نہین ہین کیونکہ طلب اشہاد کا مقصود تو صرف طلب مواثبت کی توثیق کرنی ہے تاکہ اگر مشتری شفیع کے طلب مواثبت کرنے سے منکر ہو تو شفیع گواہون کی شہادت سے اوس انکار کی تردید کر سکے اور اپنی طلب مواثبت کو ثابت کرے - پس اگر طلب مواثبت ہی کے وقت شفیع کو گواہ میسر ہو سکین تو پھر طلب اشہاد کی دوبارہ ضرورت نہین ہے لیکن چونکہ ایسا بہی ہوتا ہے کہ جس وقت شفیع کو خبر بیع کی ہوئی اوس وقت کوئی شخص حاضر نہین ہے پھر وہ گواہ کسے کرے - مگر طلب مواثبت کرنی ضرور ہے تاکہ حق شفعہ زائل نہ ہو اسلئے طلب مواثبت پر گواہ کرنے کے لیے دوسری طلب کی ضرورت پڑی جو بمواجہہ گواہون کے کیجائے - ہدایہ

ذیل کی نظیر سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ طلب اشہاد کس طرح پر کرنی چاہیے۔

مقدمہ رجب علی چودھری بنام چندی چرن بھدر[۱۵]۔ اجلاس کامل سے حسب ذیل استصواب کیا گیا "اپیل دوئم میں ہمارے روبرو یہ بحث ہے کہ مدعی نے طلب اشہاد صحیح طور پر مطابق شرع محمدی کے کی یا نہیں۔ . . . معلوم ہوتا ہے کہ جب مدعی نے بیع کی خبر سنی اوس نے فوراً طلب مواثبت یعنی اپنا حق شفعہ پیش کیا۔ اور نیز اوس نے دو شخصوں سے جو اوسوقت وہان موجود تھے گواہ رہنے کے لیے کہا پھر وہ معہ اون گواہوں کے بایع کے مکان پر گیا جہان مشتری بھی موجود تھا اور بیعنامہ لکھا جاتا تھا۔ اوس نے بایع سے کہا کہ آپ نے اوسوقت کہا تھا کہ مین ہولا بیع نہ کرونگا لیکن آپ بیع کر رہے ہین۔ اوس نے کہا جاؤ ہم ہولا کتون کو دینگے۔ پھر مدعی نے کھڑے ہو کر کہا "دوہائی مہارانی کی! میرا حق شفعہ ہے میرے سوا کوئی اور شخص نہین خرید کر سکتا۔ ہولا کو مین خریدونگا۔ جس قیمت پر ہولا آپ نے بیع کیا ہے مجھے دینا چاہیے۔ اور مین وہی قیمت دونگا۔ میرا حق شفعہ ہے۔ مین مبلغ سو روپیہ دیتا ہون۔ وہ میرے باپ دادا کی جائداد ہے مجھکو دیدو" مگر اوسوقت اوس نے یہ نہ کہا کہ مین طلب مواثبت کر چکا ہون اور نہ اوس نے گواہون سے اپنی طلب مواثبت کی تصدیق کرنے کو کہا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷ درالمختار صفحہ ۲۳۲ طلب اشہاد ضروری ہی چاہیے یہ طلب بذریعہ خط کے یا بذریعہ قاصد کے اور اگر اسطرح پر طلب اشہاد کرنے پر شفیع قادر ہے اور نہ کیا تو اوسکا حق شفعہ باطل ہے۔ دیکھو علی محمد بنام تاج محمد- الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۸۵ و واجد علیخان بنام لالہ ہنومان پرشاد- بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۳۹ ہر ہر دو بے بنام شیو پرشاد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۱ طلب اشہاد مختار یا ر کی معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ علی محمد خان بنام محمد سعید حسین الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۳۰۹۔ [۱۵] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۵۴۳۔

جج ماتحت کے نزدیک اس فروگذاشت سے دعویٰ مدعی ساقط ہوجاتا ہے - اور
اس راے کی تائید مین مقدمہ جدہ نندن سنگھ بنام ولپت سنگھ[۵۱] پر استدلال کیا ہے
اوس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ جب کسی نے شفعہ طلب کرنے کی غرض سے
گواہون کے مواجہہ مین طلب مواثبت کی - مگر اوسوقت وہ جائداد مبیعہ کے پاس
نہ تھا - اور نہ بایع و مشتری وہان تھے اور نہ یہہ ثابت کیا گیا کہ طلب اشتہاد باضابطہ کیگئی
تو دعوی شفعہ نہین ہوسکتا - نقص وہی ہے جو مقدمہ حال مین ہے یعنی مدعی شفیع
نے یہ نہین ثابت کیا کہ اوس نے بایع یا مشتری سے یہ کہا کہ اوس نے طلب
مواثبت کی اور نہ یہہ ثابت کیا کہ اون شخصون کو جو اوسوقت موجود تھے گواہ رہنے
کو کہا - منجانب مدعی اپیلانٹ یہ حجت ہے کہ چونکہ مدعی اپیلانٹ نے گواہون کے
روبرو طلب مواثبت کی تو یہ ضرور نہ تھا کہ جب بایعان و مشتری کے روبرو طلب
اشہاد کرے پھر اونہین گواہون سے یہ کہے کہ مین نے اپنے دعوی کا اظہار کیا
اور وہ تمکو اسکی تصدیق کرنے کو کہے - بتائید اس حجت کے مقدمہ نند پرشاد ٹھاکر
بنام گوپال ٹھاکر[۵۲] کا حوالہ دیا گیا ... ہماری راے مین مطابق اوس مقدمہ کے
جسکا اول حوالہ دیا گیا اور مطابق عام اصول شرع محمدی کے طلب اشہاد کے
جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ مشتری یا بایع کے روبرو یا جائداد مبیعہ پر شفیع یہ کہے
کہ مین اپنے حق شفعہ کا دعوی کرچکا ہون اور گواہون سے اپنے اس قول کی
تصدیق کراے - بیلی صاحب اپنی ڈائجسٹ شرع محمدی مین لکھتے ہین -
"طلب اشہاد سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص اپنی طلب مواثبت کی تصدیق گواہون
سے کرنے کو کہے - اور طلب اشہاد کی صحت کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ بایع یا مشتری کے

[۵۱] کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ [۵۲] کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ -

روبرو یا جائداد مبیعہ پر کیجائے گی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب اشہاد کیجائے تو شفیع بایع یا مشتری کے روبرو یا جائداد مبیعہ پر یہ کہے کہ مین طلب مواثبت کرچکا ہون اگر ایسا نہ کہا تو گواہون سے طلب مذکور کی تصدیق نہین کرا سکتا۔ اگر وہ اس طرح نہ کہے تو مشتری یا بایع کو یہ علم نہین ہو سکتا کہ شفیع نے مطابق قانون کے دعوی پیش کیا ہے یا نہین۔

چند کتابون کا حوالہ دیکر اجلاس کامل سے یہ استصواب کیا گیا کہ جب حق شفعہ کے مدعی نے گواہون کے روبرو طلب مواثبت کی لیکن بایع یا مشتری کے روبرو یا جائداد مبیعہ پر نہ کی ہو تو کیا یہ ضرور ہے کہ جب وہ طلب اشہاد کرے تو یہ بھی کہے کہ مین طلب مواثبت کرچکا ہون اور ساتھ ہی گواہون سے اپنے اس قول کی تصدیق کرائے؟ اس سوال کا جواب اجلاس کامل نے بصیغہ اثبات دیا۔[۵۱]

اگر کسی غیر منقسمہ محال کا کوئی حصہ بیع ہو۔ تو اوس محال کے کسی جزو پر طلب مواثبت و اشہاد کرنی بمنزلہ اسکے ہے کہ جائداد مبیعہ پر طلب مذکور کی گئی بشرطیکہ کسی نے بدنیتی سے ایک ویران و غیر آباد حصہ مین طلب مذکور کی تعمیل نہ کی ہو۔[۵۲]

---

۵۱ اس نظر کی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے بمقدمہ اکبر حسین بنام عبد المخلیل الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۸۳ و عباسی بیگم بنام افضل حسین الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۵۷ و عابد حسین بنام بشیر احمد الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۹۹ کی بمقدمہ چھٹو بنام حسین بخش ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۰۱۔ تجویز ہوئی کہ اگر گواہون سے جو بروقت اشہاد موقع پر حاضر لائے گئے تھے طلب مواثبت کی تصدیق کو نہ کہا تو طلب اشہاد صحیح ہے۔ نیز دیکھو۔ احمد شاہ خان بنام آبادی بیگم ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۳۔

۵۲ کلثوم بی بی بنام فقیر محمد خان الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۲۹۸۔

نصف طلب کرسکتا ہے کہ اپنے حق شفعہ کا دعویٰ حاکم وقت کے سامنے باقاعدہ پیش کرے۔

فصل پنجم۔ شفیع کے کل یا بعض مبیع کے استحقاق کے بیان مین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر دو شفیع ہون اور دونون نے نصف نصف مبیع کا شفعہ طلب کیا تو دونون کا شفعہ باطل ہوگیا پس جب نصف سے باطل ہوا تو کل سے بھی باطل ہوگا۔ فتاوی قاضی خان[1]۔ ایک شخص نے پانچ منزلین ایک ہی شخص سے ایک ہی صفقہ مین ایک کوچہ غیر نافذہ مین خریدین پس شفیع نے چاہا کہ صرف ایک منزل لے۔

شفیع تجزیہ بیع نہین کرسکتا

پس اگر شفیع راستہ کی شرکت کی وجہ سے شفعہ کا مدعی ہے تو صرف ایک منزل نہین پاسکتا اسواسطے کہ اسمین بلاضرورت تفریق صفقہ لازم آتی ہے۔ اور اگر اوس نے بوجہہ جوار شفعہ طلب کیا اور اوسکا جوار صرف اس منزل سے ہے تو وہ پاسکتا ہے۔ اگر شفیع نے بعض مبیع کو شفعہ مین لینا چاہا اور بعض کو نہین تو اوسکو ایسا اختیار نہین چاہیے سب لے یا کوئی نہ لے۔ خواہ ایک مشتری نے چند بائعان سے خریدا ہو۔ اور اگر شفیع نے چاہا کہ وہ بائعین مین سے ایک ہی کا حصہ لے دوسرے کا نہین بشرطیکہ دونون بائعان کی حقیت ایک ہی مشتری نے خریدی ہو تو شفیع کو یہ اختیار نہ ہوگا۔

[1] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ ہولاسی بنام شیو پرشاد۔

اس شرعی مسئلہ کی تقلید عدالتون نے اون مقدمات مین بہی کی جو مابین اہل ہنود کے تہے اور جنمین حق شفعہ واجب العرض پر مبنی تہا۔ مقدمہ درگا پرشاد بنام منشی[۵۱] کے حالات یہ تہے کہ شیو پرشاد وغیرہ نے درگا پرشاد کے حق مین کچہہ اراضیات بیع کین جنکا ایک حصہ اوسی پٹی مین واقعہ تہا جسمین مدعیان حصہ دار تہے اور کچہہ اوسی موضع کی دوسری پٹی مین واقع تہا۔ مدعیان نے صرف اوس جزو کی نسبت دعوی شفعہ دائر کیا جو اونکی پٹی مین واقعہ تھا۔

سید محمود جسٹس کی تجویز کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

وہ قانون شفعہ کا یہ ایک اصل اصول ہے کہ شفیع معاملہ بیع کا تجزیہ اس طور پر نہین کرسکتا کہ نالش اوس جائداد کے صرف ایک جزو کی نسبت کرے جو از روے اوس بیع کے جس سے دعوی شفعہ پیدا ہوا ہے منتقل ہوئی ہو۔ اِس قاعدہ کو ہائی کورٹ کلکتہ نے بمقدمات قاضی علی بنام شیخ نشیت[۵۲] اسد وعبد الغفور بنام نوربا لو[۵۳] وعزت اللہ بنام بھیکہاری مولا[۵۴] جس سے شفعہ شرعی متعلق تھا متواتر اختیار کیا ہے۔ لیکن اِس مسئلہ کی بناء عدل وانصاف ونیک نیتی کے اصول عامہ پر ہے اور قاعدہ مذکور کی وجہہ یہ ہے کہ خود حق شفعہ کی اصلیت اس امر کی مقتضی ہے کہ شفیع اپنے تئین خریدار کی جگہہ صرف اس صورت مین قایم کرسکتا ہے جب وہ بیع مشفوعہ کے جملہ فوائد ونقصانات کا متحمل ہو۔ اور یہ ایک مثال اِس قانونی مسئلہ کی ہے کہ جو شخص فایدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اوسکو بار کا بھی متحمل ہونا چاہیئے۔ اور یہ امر روا نہین رکہا جاسکتا کہ اوسکو جائداد مبیعہ کے صرف ایک جزو کی نسبت شفعہ دیا جاسے کیونکہ اگر ایک ہی

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ [۵۲] ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ [۵۳] ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۱

[۵۴] ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ صفحہ ۴۶۹۔

معاملہ بیع مین اراضی زرخیز بشمول اراضی بنجر کے فروخت ہوئی ہو تو یہ بات
خلاف انصاف ہوگی کہ شفیع کو صرف زرخیز اراضی لینے کی اجازت دیجاے
و اراضی بنجر مشتری کے پاس چھوڑ دی جاے جو غالباً اس اراضی کو خریدہی نکرتا
اگر اوسکو زرخیز اراضی نہ حاصل ہوتی - لیکن صرف یہی ایک وجہ نہین ہے
جسپر قاعدہ مذکور مبنی ہے بلکہ یہ بھی وجہ ہے کہ دیہہ مین شخص اجنب کی مداخلت
سے امن و آسایش نہ ہوگی بلکہ اوسکی وجہ سے حصہ داران شریک بایع کو اپنے
حصہ سے تمتع حاصل کرنے مین طرح طرح کے خدشات ہوتے ہین پس اگر کسی شفیع کو کسی
شخص اجنب کی مداخلت پر اعتراض ہے تو اوسکو اصولاً خواہ مخواہ یہ لازم ہے کہ جائداد
کے ہر جزو مین نامبردہ کی مداخلت کی نسبت اعتراض کرے یا بالکل
اعتراض ہی نہ کرے - صدر دیوانی عدالت آگرہ نے بمقدمہ شیو دیال رام بنام
بھیرون رام [91] اس قاعدہ کو وسعت دیکر یہ تجویز کی کہ اگر کوئی جائداد دیہی کسی حصہ دار
موضع کے ہاتھ بشمول ایک اجنب شخص کے فروخت کیجاے تو یہ عمل واجب العرض
کے خلاف ورزی مین داخل ہے جسکا صاف مقصود یہ ہے کہ اشخاص اجنب
کی مداخلت کا انسداد ہو اور یہ خلاف ورزی ایسی ہے جسکے سبب سے حصہ دار
مشتری کا حق شفعہ زائل ہو جاتا ہے اور تمام حصہ مبیعہ پر دوسرے حصہ دارون
کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس قاعدہ کو عدالت ہذا نے بمقدمہ گنیشی لال بنام زیارت علی [92]
اختیار کیا - اور ایک زیادہ تر حال کے مقدمہ بھوانی پرشاد بنام ودھرو [93] عدالت ہذا کے
ایک ڈویزن بنچ نے قاعدہ مذکور کی مزید توسیع کرکے یہ تجویز کی کہ جب نالش شفعہ مین

---

[91] رپورٹ صدر دیوانی عدالت ممالک مغربی وشمالی بابت ۱۸۶۱ء صفحہ ۵۲ [92] رپورٹ ہائی کورٹ ممالک مغربی وشمالی بابت ۱۸۷۰ء صفحہ ۳۴۳ [93] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ -

کوئی حصہ دار اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو بزمرہ حق شفعہ نہ رکھتا ہو شریک کرے

تو ضرور ہے کہ ایسے شفیع کی نسبت یہ سمجھا جاوے کہ اوس نے بیع کی [illegible]

تسلیم بالسکوت کی۔ اور وہ تسلیم بالسکوت ایسی ہے جسکی وجہ سے نامبردہ کو انصافاً

بیع کی نسبت نالش شفعہ کے ذریعہ سے شکایت کرنی ممنوع ہوگی۔ مقدمات مذکور

کے وجوہات اوس بحث سے جو آپ ہمارے روبرو پیش ہے کلیتاً متعلق ہین کیونکہ مدعیان

شفیعان کی نالش جسمین وے جائداد مبیعہ کے صرف ایک جزو کی نسبت اپنے

حق کو نافذ کرانا چاہتے ہین بمنزلہ اسکے ہے کہ نامبردگان نے اوس قدر جائداد کی

نسبت جسکی بابتہ اونہون نے نالش کرنا متروک کیا ہے تسلیم بالسکوت کی یعنی

مدعیان کو شخص اجنبی کی مداخلت کی شکایت نہین ہے بلکہ وے یہ چاہتے ہین

کہ اوسکو صرف اوس قدر اراضی سے خارج کرین جسکی نسبت اونکو نفاذ شفعہ منظور ہے

حق شفعہ کا ہرگز یہ مقصود نہین ہے کہ ایسا خود خواستہ اختیار شفیع کو حاصل ہو"

بعدہٗ ذی علم جج صفحہ ۲۷۴ پر تحریر فرماتے ہین "

"مقدمات مذکور اس قاعدہ کے لیے صریح نظیر ہین کہ نالش شفعہ مین شفیع پر قطعاً

لازم ہے کہ اوس بیع مین جس سے کہ اوسکا شفعہ پیدا ہوا ہے جس قدر

جائداد منتقل ہوئی ہو اون سب پر شفعہ کی نالش کرے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے

جسمین مستثنیات تو ہین لیکن وے زیادہ تر ظاہری ہین اصلی نہین کیونکہ اگر ایک

ہی بیعنامہ کے ذریعہ سے ایسی جائداد جو تابع حق شفعہ ہو بشمول دوسری جائداد

کے جو اوس حق کے تابع نہین ہے فروخت کیجاوے تو خواہ مخواہ مدعی کل جائداد

منتقلہ کا شفیع نہین ہو سکتا بلکہ وہ صرف اوس جزو جائداد کی نسبت شفعہ کی

نالش کر سکتا ہے جسپر اوسکو حق شفعہ حاصل ہے۔ یعنی باوا سئے زر ثمن رسدی

اوس جزو کے پانیکا مستحق ہے جسپر اوسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے[۵۱] - بعدہٗ یہ تحریر کیا کہ دداس مقدمہ کے شفیعان کو کل جائداد مبیعہ پر حق شفعہ حاصل ہے کیونکہ مشتری محض اجنبی ہے - وگو دوسری پٹی کی جائداد پر دہ سکر حصہ دارون کا حق شفعہ مرجح ہے مگر چونکہ وے دعویدار نہین ہین اسوجہ سے مدعیان کو کل حقیت مبیعہ پر شفعہ کرنا چاہیے تھا[۵۲]"

اس اصول پر دعوی شفعہ مین بہت سختی سے عمل کیاجاتا ہے مثلاً اگر جائداد مبیعہ کے ایک جزو پر شفعہ شرعی ہے اور بقیہ جزو پر بربنا رواج اور شفیع نے طلب مواثبت واشہاد کے ترک کرنے سے اپنا استحقاق شرعی زائل کردیا تو اوس جزو کی بابتہ بھی اوسکا حق شفعہ باطل ہوگا جسپر اوسکو رواجاً شفعہ کا حق تھا[۵۳] و نیز اوس صورت مین شفیع کا استحقاق شفعہ باطل ہوگا جب جائداد مبیعہ کے ایک جزو پر وراثتاً دعوی ہو و بقیہ پر باستحقاق شفعہ مگر مدعی نے اپنے حق وراثت کو ثابت نہ کیا[۵۴] - عالمگیری مین ہے

---

۵۱ عمرخان بنام مرادخان آگرہ (۱۷) مارچ ۱۸۶۵ء وسردہاری لال بنام موہری ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۴۹۹ نیز دیکھو جیرام بنام گھوتندن الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۰۲ وروشن کشور بنام رام دیال کلکتہ لارپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۴۵ - وعبداللہ بنام امانت اللہ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۴ - آخرالذکر مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ بموجب شرع محمدی کے جب شفیع بوجہ دعوی چند ایسے اشخاص کے جو مساوی حق شفع رکھتے ہین صرف ایک جزو جائداد مبیعہ کی نسبت استحقاق شفع رکھتا ہے تو اوسپر یہ لازم نہین ہے کہ کل حقیت مبیعہ کے بابتہ نالش کرے بلکہ صرف اوس جزو جائداد مبیعہ کی بابتہ اوسکو نالش کرنی چاہیے جسکا وہ بلحاظ دعوی دیگر شفیعان کے مستحق ہے ۵۲ ہولاسی بنام شیو پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۵۴ وکاشی رام بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۲۷۰ وارجن سنگھ بنام سرفراز سنگھ الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲ ۵۳ محمد ولایت علیخان بنام عبدالرب الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ ومجیب اللہ بنام امید بی بی الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ ۵۴ مرزائی بخش بنام شیر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۹۷

نہ اگر دو شخصون نے ایک شخص سے ایک مکان خریدا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ ایک مشتری کا حصہ شفعہ سے لے دوسرے مشتری کا نہ لے کیونکہ اس صورت مین صفقہ ابتدا ہی سے متفرق ہے پس بعض کا لینا تفریق صفقہ نہ ہوگی۔

اگر دو شخصون نے ایک شخص کی وکالت سے دو شخصون سے خرید کیا تو شفیع کو اختیار نہ ہوگا کہ ایک بایع کا حصہ شفعہ سے لے۔ لیکن اگر ایک شخص نے دو وکیل کی معرفت ایک ہی شخص سے خرید کیا تو شفیع کو اختیار ہے کہ ایک وکیل کی معرفت جو خرید ہوا ہے اوسکو شفعہ سے لے۔ امام محمد کہتے ہین کہ ان صورتون مین ہم مشتری کیطرف دیکھتے ہین اور جسکے واسطے خریدا ہے اوسپر لحاظ نہین کرتے۔

اگر مشتری کا حصہ جداگانہ بیعنامہ مین درج ہے تو تجزیہ ہو سکتا ہے۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر پانچ شخصون نے ایک شخص سے ایک مکان خرید کیا تو شفیع کو اختیار ہے کہ پانچون مین سے ایک کا حصہ لیلے اور اگر پانچ بایعون سے ایک شخص نے ایک مکان خرید کیا تو شفیع یا تو سب یا کچھ نہ لے۔ کیونکہ آخر الذکر صورت مین مشتری کے حق مین صفقہ متفرق ہوجائیگا اور مشتری کا نقصان ہوگا۔ خواہ ہر حصہ کیواسطے ثمن علحدہ بیان کیا ہو یا کل ثمن مجموعی ہو اسواسطے کہ اسمین ثمن کا اعتبار نہین بلکہ تفریق صفقہ کا اعتبار ہے۔"

اول الذکر مسئلہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یا بجز مشتریان نے جداگانہ بیع کے ذریعہ سے حصہ خرید لیا تھا۔ یا آنکہ ایک معاہدہ بیع کے ذریعہ سے مگر اونکے حصص کی تفریق بیعنامہ مین درج تھی اس اصول کو عدالتین نے مقدمات شفعہ مین صحیح تسلیم کر کے اسپر عمل کیا ہے بمقدمہ رام ناتھ بنام بدری نراین[1] اجلاس کامل سے یہ تجویز ہوئی ... وہ ہماری راے مین جب اس قسم کے مقدمات مین بیعنامہ مین حق یا حصہ مشتریہ کی تصریح اسطرح ہو جس سے ظاہر ہو کہ کونسی خاص جائداد ہر مشتری نے خرید کی ہے خواہ وہ صراحت بذریعہ تعین حصہ یا قطعہ اراضی کی گئی ہو تو مشتری حصہ وار جو مساوی درجہ کا حق شفعہ مدعی

[1] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸۔

حصہ دار کے ساتھ رکھتا ہے اوس حقوق سے جو اوس نے بیع کے ذریعے سے حاصل کئے ہین محروم نہین کیا جا سکتا اور یہ امر غیر اہم ہے کہ زرثمن جو ہر مشتری نے ادا کیا ہے یا اوسکو ادا کرنا چاہیئے اوسکی صراحت بیعنامہ مین کی گئی یا نہ کی گئی۔ نالشات شفعہ مین یہ اکثر ہوتا ہے کہ عدالت کو یہ تحقیق کرنی پڑتی ہے کہ واقعی زرثمن کیا تھا اور وہ قواعد جو عدالتون کو اوس صورت مین صحیح تعداد زرثمن کی تحقیق کرنے مین رہنمائی کرتے ہین جب صرف ایک مشتری ہوتا ہے بدرجہ مساوی اوس تحقیقات سے بھی متعلق ہو سکتے ہین کہ ہر مشتری کا حصہ علحدہ علحدہ اوس کل واقعی زرثمن مین کیا ہے جو کُل جائداد مبیعہ کے واسطے ایکجائی ادا ہوا ہے۔ جب بیعنامہ مین ہر مشتری کے حصہ کی صراحت کر دی گئی ہے تو اس سے وہ جائداد جس سے حق شفعہ متعلق ہے ممیز و علحدہ ہو گئی۔ حق شفعہ کا مقصود یہ ہے کہ شخص اجنب کو موضع مین داخل نہ ہونے دین نہ یہ کہ مساوی الحقوق حصہ دار کو خارج کرین[۵۱]"

یہ صحیح ہے کہ جب کوئی شریک ایک اجنب شخص کو اپنے ساتھ خریداری مین شریک کرتا ہے تو دوسرے شریک کو کُل مبیع پر شفعہ کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ لیکن شفیع پر یہ لازم نہین کہ اوس بیع پر بھی معترض ہو جو شریک نے خرید کی ہے[۵۲]۔ جائداد مبیعہ کا کوئی جزو دعوی شفعہ سے کسی صورت مین خارج نہین کیا جا سکتا لیکن اگر بایع کسی خاص جزو کے بیع کرنے کا مجاز نہ تھا تو وہ جزو دعوی سے خارج ہو سکتا ہے مگر اس صورت مین شفیع کو بہت قوی شہادت سے ثابت کرنا ہوگا کہ جزو مذکور مین بایع کو

---

۵۱ مشتاق احمد بنام امجد علی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۱۳۱ و بھوپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۴ و شیو بہروس رائے بنام جیچہ رائے الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۴۸۶
۵۲ امیر حسین بنام کنھیا الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۱۸۔

کوئی حق لایق انتقال حاصل نہ تھا[۵۱]۔

اگر کسی شخص نے شفعہ شرعی مین اپنے مساوی الحقوق شریک کو شریک کیا تو اوس شخص کا حق شفعہ اس وجہ سے باطل نہ ہوگا کہ شریک مدعی نے قبل نالش کے شرعی طلب مواثبت و اشہاد نہین کی گو طلب مذکور کا نکرنا شریک کے استحقاق شفعہ کو ساقط کریگا[۵۲]۔

اگر کسی شخص نے بیعنامہ مین بجاے اپنے لڑکے کا نام بحیثیت مشتری لکھایا تو اوس شخص کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا بشرطیکہ مشتری درحقیقت باپ ہوا ور لڑکے کا نام بیعنامہ مین رواج کیوجہ سے درج کرادیا ہو اور اوس سے دیگر شرکا کو فریب دینا منظور نہ ہو[۵۳]۔

فصل ششم شفعہ سے پہلے مشتری کی تصرفات کے بیان مین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر مشتری نے زمین خرید کردہ مین عمارت بنائی یا درخت لگائے بعدہٗ شفعہ کا دعوی ہوا تو مشتری کو حکم دیا جائیگا کہ عمارات توڑکر اور پودے اوکھاڑکر خالی زمین شفیع کی سپرد کرے۔ لیکن اگر توڑدینے او کھیڑنے مین زمین کا نقصان ہو تو شفیع کو اختیار ہے کہ زمین کو بعوض ثمن کے لیوے و عمارت و پودون کی ٹوٹے ہوئے

[۵۱] بہدری پرشاد بنام خواجہ محمد حسین ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۴۴ [۵۲] جہوٹو بنام حسین بخش ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۲۵ [۵۳] دولت سنگھ بنام کیدار سنگھ آگرہ جلد ۳ صفحہ ۲۵

و بند ۴ خلاصہ نظائر ۷۵۵۴ ۔

واکھڑے ہوئے کے حساب سے قیمت لگا کردے یا مشتری کو اوسکے منہدم
کرنے وا وکھیڑنے پر مجبور کرے لیکن اگر زمین مین مشتری نے زراعت کرلی ہے
تو وہ اوسکے اوکھیڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ شفیع کو کھیتی کی طیاری تک
انتظار کرنا پڑے گا۔[۵۱]

[۵۱] اس مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اسطرح پر لکھا ہے "اگر مشتری نے اراضی مبیعہ مین مکان بنایا یا پودے
لگائے تو شفیع کو اختیار ہے کہ بعوض اصلی ثمن معہ قیمت مکان و درختون کے یلے اور اگر چاہے تو مشتری کو
ان چیزون کے اوکھاڑنے کی تکلیف دے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک شفیع کو صرف یہ اختیار
ہے کہ یا تو اراضی معہ مکان و درختان کے خریدے یا کچھ نہ لے امام ابو یوسف کی یہ دلیل ہے کہ مشتری
نے یہ تصرفات استحقاقاً کئے ہین غصباً نہین کیونکہ وہ اراضی کا مالک ہوچکا تھا اور مشتری کی حیثیت
مثل موہوب لہٗ و بیع فاسد سے خریدنے والے کی ہے اور نیز اسمین اور اوس مشتری مین جس نے اراضی
مبیعہ مین زراعت کاشت کی ہے اصولاً کوئی وجہ امتیاز کی نہین اور دوسرے یہ کہ اس طریق سے منجملہ
دو ضرر کے کمتر کے اختیار کرنے سے بڑے ضرر کی مدافعت کرتی ہے یعنی یہ کہ عمارت کے انہدام کا حکم
دینے مین زیادہ ضرر ہے بمقابلہ اسکے کہ شفیع اوسکے خریدنے پر مجبور کیا جاوے مگر امام ابو حنیفہ فرماتے
ہین کہ مشتری کے تصرفات کالعدم کرنے کی یہ دلیل ہے کہ شفیع کا حق خریداری بہ نسبت مشتری کے قوی
و مقدم ہے چنانچہ اسی بناء پر مشتری نے اگر مبیع کو فروخت کردیا ہو یا ہبہ کیا ہو تو اوسکے یہ سب تصرفات
باطل کرکے مبیع شفیع کو دلایا جاتا ہے۔ اور موہوب لہٗ و خریدار بذریعہ بیع فاسد کے نظیر صحیح نہین کیونکہ اگر
موہوب لہٗ و خریدار بیع فاسد نے اگر کوئی تصرف کیا ہے تو ایسے شخص کے مسلط کرنے کے باعث کیا ہے جسکو
مسلط کرنیکا اختیار تھا اور ہبہ و خرید فاسد مین واپس لینے کا حق کمزور ہے کیونکہ بعد بنانے عمارت کے واہب
و بایع کو حق استرداد باقی نہین رہتا اسکے خلاف حق شفعہ بعد تعمیر عمارت کے بھی باقی رہتا ہے اسلئے شفیع پر
عمارت و درختون کی قیمت واجب کرنے کی کوئی وجہ معقول نہین جیسے کہ استحقاق کے مسئلہ مین واجب

ایک شخص نے زمین خرید کرکے اوسمین کھیتی کی کہ جس سے زمین کا نقصان ہوا تو شفیع کو صرف اوس قدر ثمن دینا ہوگا جو زمین کی قیمت حالت موجودہ مین ہے یعنی بعد نقصان کے جس قدر قیمت زمین کی دیگئی ہے۔ اسیطرح اگر کسی نے ایک مکان خرید کرکے اوسکی مرمت و رنگ آمیزی وغیرہ کی جس سے قیمت زیادہ ہوگئی تو شفیع کو چاہیئے کہ اصل ثمن معہ زاید کے ادا کرے یا اپنے دعوی سے دست بردار ہو۔ اگر بغیر کسی کے فعل کے مکان خود بخود ویران ہوگیا یا درخت خشک ہوگئے تو شفیع کو کل زر ثمن دینا ہوگا۔ و اگر عمارت کا مصالح و لکڑی باقی ہے اور وہ سب مشتری کے قبضہ مین آیا بوجہ اسکے کہ وہ زمین سے ملصق نہین ہے اور اسلیے تابع زمین نہ رہا تو بقدر قیمت مصالح و لکڑی ثمن مین کمی کیجایگی اور مکان کی وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹ - نہین کہا جاتا (استحقاق کے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر زید نے بکر سے کچھ زمین خریدی اور قبضہ کرکے اوسمین عمارت بنائی بعدہٗ خالد نے اوس زمین کو اپنی مملوکہ ثابت کرکے ڈگری حاصل کی تو زید اپنا ثمن و قیمت عمارت اپنے بایع بکر سے پاسکتا ہے لیکن خالد سے کچھ نہین پاسکتا کیونکہ وہ مالک تھا اور اوس نے زید کو اس قسم کے تصرفات کرنے کی اجازت نہ دی تھی اسیطرح مشتری نے بلا اجازت شفیع مستحق کے تصرف کیا تو وہ تصرف باطل ہے) اور قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ کھیتی (زراعت) کے اوکھاڑنے کا بھی حکم دیا جائے مگر استحساناً ایسا نہین کیا جاتا کیونکہ اوسکے درو ہونے کا ایک وقت معین ہے اور اوس زمانہ معینہ کی بابت شفیع کرایہ یا لگان لے سکتا ہے اور اسمین زیادہ ضرر نہین ہے۔

عمارت و درخت کی وہ قیمت قرار دیجائیگی جو اوکھاڑے جانے کے بعد اونکی قیمت ہو جیسا کہ غصب کی صورت مین ہوتا ہے۔
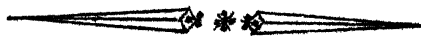
قیمت رکھی جائیگی جو روز بیع تھی اور عملہ کی وہ قیمت جو شفعہ لینے
کے روز ہے ۔ در المختار صفحہ ۱۳۶
اگر مشتری نے خود عمارت نہین گرائی بلکہ اوسکو بدون زمین کے کسی کے ہاتھ فروخت کردیا
تو شفیع کو اختیار ہے کہ بیع ثانی فسخ کر کے سب کو پورے ثمن مین لیوے ۔
اگر مشتری نے مکان بیعہ کا دروازہ اوکھاڑ کر فروخت کر ڈالا تو ثمن مین سے بقدر
قیمت دروازہ شفیع کے ذمہ سے ساقط ہوگیا ۔
اگر مکان مبیعہ کا نصف حصہ غرق آب ہوگیا اور اوسمین اسطرح پانی جاری ہے جسکی
روک نہین ہوسکتی تو شفیع کو اختیار ہے کہ بقیہ مکان کو اوسکی قیمت رسد ویکر لے ۔
اگر زمین مبیعہ مین درخت ہین جسمین پہل لگا ہوا ہے اور مشتری نے معہ پہل کے خریدا
اور پہلون کو تصرف کر ڈالا تو شفیع کو اختیار ہے کہ زمین و درخت کو اونکی قیمت رسد پر
لے اور پہل کی قیمت جو روز بیع تھی وہ ثمن مین سے منہا کر دے ۔ اگر درختون پر مشتری
کے قبضہ کے بعد پہل آئے اور پہلے نہ تھے تو شفیع کو اصل ثمن کے عوض زمین و
درخت و پہل سب ملینگے اور ثمن مین زیادتی نہ کیجائیگی لیکن اگر صورت مذکورہ بالا مین
دعوی شفعہ سے پہلے پہلون کو مشتری نے توڑ لیا تہا وقت کرنے دعوی شفعہ کے
مشتری کے پاس موجود تھے پھر اونکو مشتری نے صرف کر ڈالا تو شفیع کو پہلون کے
پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی ۔

شفعہ کی ڈگری کے قبل جائداد مشفوعہ کا منافع کسکو ملیگا مشتری کو یا شفیع کو ۔	دعوی شفع کے ڈگری ہونے کے قبل حقیت مشفوعہ کے منافع پانے کا مستحق مشتری ہے یا شفیع ۔ اس مسئلہ پر متعدد

نظائر مین حکام کو غور کرنیکا اتفاق ہوا ہے ۔ سب سے آخری مقدمہ دیوکی نندن بنام الیشری رام [۱]

[۱] الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۴ ۔

کا اجلاس کامل سے فیصل ہوا - چونکہ سید محمود نے اوس مقدمہ کو شرع کی بنا پر فیصل کیا ہے اسلیے اُنکی تجویز کا کچھہ تہوڑا سا اقتباس ذیل مین لکھا جاتا ہے - اول اونھون نے مقدمہ بلدیو پرشاد بنام موہن[۵۱] کی تجویز کا کچھہ حصہ نقل کیا ہے اور پھر اپنی راے ظاہر کی ہے - جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوگا -

"کتب شرع محمدی کے دیکھنے سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ بصراحت قرار دیا گیا ہے کہ اراضی یا دیگر جائداد شفوعہ پر مشتری بلا لگان یا کرایہ کے قابض رہنے کا اوسوقت تک مستحق ہے جب تک وے اوسکے ہاتھہ مین رہین - و اگر اوس نے زمین مین کاشت کی ہے تو شفیع کو کہیتی کی طیاری تک انتظار کرنا ہوگا - بالفاظ دیگر وہ یعنی مشتری جائداد مشفوعہ سے تمتع حاصل کرنیکا مستحق ہے اور جب وہ اوسکا مستحق ہے تو اسمین کچھہ فرق نہین کہ بذات خود اوس سے تمتع حاصل کرے یا بذریعہ اپنی رعایا کے" یہ قاعدہ بالکل انصاف کے مطابق ہے - اکثر صورتون مین خریدار زرثمن ادا کر دیتا ہے - پس کیا صرف اسوجہ سے کہ کسی زمانہ مابعد مین اتفاق سے شفیع نے اپنا حق شفعہ پیش کر کے اوسکو ناقد کرایا مشتری اپنے روپیہ کے سود و منافع سے محروم کیا جائیگا ؟ اور کیا وہ منافع و سود شفیع کو ملیگا جس نے کہ زرثمن کو اپنی جیب مین اوسوقت تک محفوظ رکھا جب تک اوسکو حق شفعہ کے استعمال کا موقع مناسب نہ ملا ؟ اور جسقدر اپنے دعوی کے رجوع کرنے مین وہ تاخیر کرے اوسیقدر زیادہ منافع اوسے ملے"

"یہ راے مطابق اوس راے کے ہے جو مین نے بمقدمہ دیو دت بنام رام اوتار[۵۲]

---

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی ۱۸۶۶ء صفحہ ۳۰ [۵۲] الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۵۰۲ - اسمین اجودھیا بنام بلدیو سنگھہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۰۲ کا حوالہ دیا گیا -

ظاہر کی تہی ''

بعدہٗ ذی علم جج نے مستند کتب فقہہ سے اپنی راے کی تائید مین مسائل نقل کر کے لکہا ہے
'' ان مستند کتابون کے دیکہنے کے بعد اب کچہہ شک نہین رہتا کہ شرع محمدی کے
بموجب جائداد مشفوعہ مین شفیع کی ملکیت اوسوقت تک نہین ثابت ہوتی جب تک
اوس نے اپنے حق شفعہ کو رضای مشتری یا حکم حاکم سے نہ حاصل کر لیا ہو اور یہ کہ
دونون صورتون مین اوسکا حق ملکیت تاریخ بیع سے متصور نہ ہوگا بلکہ تاریخ رضائے
مشتریان یا حکم حاکم سے۔ اس خیال سے کہ گویا شرع محمدی کا یہ مسئلہ متفق علیہ نہ تہا
دوران بحث مین بعض اون فقرات کا حوالہ دیا گیا جو مین نے مقدمہ اجلاس کامل
گوبند دیال بنام عنایت حسین[لہ] اپنی تجویز مین لکہے تہے۔ اور بالخصوص نظائر مطبوعہ کے
صفحہ ۸۰۹ پر۔ اس موقع پر مین نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ حق شفعہ بایع یا مشتری سے
ایک جدید معاہدہ بیع کے ذریعے سے دوبارہ خرید کرنے کا حق نہین ہے۔ بلکہ یہ محض
قایمقامی کا حق ہے جس سے شفیع بوجہہ ایک شرط قانونی کے جسکے تابع خود بیع تہی
اسکا مستحق ہوتا ہے کہ اون جملہ حقوق و ذمہ داریون کی بابتہ جو اوس بیع سے پیدا
ہوئی ہین جسکے ذریعے سے اوس نے اپنا حق حاصل کیا ہے بجاے مشتری کے
قایم ہو جاے مین نے اس مسئلہ کو زیادہ زور دینے کی غرض سے اسطرح پر بیان کیا تہا۔
'' یہ بات دراصل ایسی ہے گویا بیعنامہ مین سے مشتری کا نام مٹا کر بجاے اوسکے
شفیع کا نام درج کر دیا جاے '' یہہ فقرات مین نے اس وجہہ سے نقل کئے ہین
کہ اون پر اس حجت کی تائید مین استدلال کیا گیا ہے کہ شفیع تاریخ بیع سے جائداد مشفوعہ
کا مالک ہوتا ہے۔ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ جس مقدمہ مین اس راے کا اظہار

لہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵۔

کیا گیا تہا اوسمین یہ امر جواب ہمارے روبرو پیش ہے غور طلب نہ تہا اور مقدمہ مذکور مین صرف یہ امر تجویز طلب تہا کہ آیا حق شفعہ مکرر خریداری کا حق ہے جو خود اوس بیع سے جسکی بابت شفعہ ہے پیدا ہوتا ہے یا آنکہ یہ ایک غیر مکمل حق ہے جسکا وجود بیع مذکور سے پہلے اس طرح پر تہا کہ وہی بیع حق شفعہ کی نالش کے لیے بناء مخاصمت ہوگئی۔ اوس مقدمہ مین مینے یہ تجویز کی جیسا اب بہی تجویز کرتا ہون کہ شفعہ کا حق شفیع مین اوس بیع سے قبل جسکا وہ شاکی ہے ایک غیر مکمل شکل مین موجود رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فقہہ ایسے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی جو وقت بیع کے وجود نہ رکہتا تہا اور جو خود اوس بیع سے پیدا ہوا جسکی بابت یہ شکایت ہے کہ وہ اوس حق کے مضر ہے جو خود اوسی ضرر سے پیدا ہوا[لہ] مین نے اوس مقدمہ مین یہی تجویز کی اور اب بہی تجویز کرتا ہون کہ حق شفعہ بجز اوس حق کے اور کوئی حق نہین ہے کہ شفیع اوس بیع مین جسپر شفعہ کیا جاتا ہے اپنے کو بجاے مشتری کے قایم کراے۔ لیکن قایمقامی سے میرا یہ منشاء نہ جب تہا اور نہ اب ہے۔ کہ یہ قایمقامی اون قانونی قواعد کے تابع نہین ہے جو بطور شرط ماقبل اوس سے لاحق ہین اور جسکے وہ تابع ہے۔ منجملہ شرایط اوس قایمقامی کے جسکا شفیع مدعی ہے وہ شرط بہی ہے جو اون کتابونکی عبارت سے جو مین نے اوپر

[لہ] اپنی اس راے کو سید محمود نے بمقدمہ اجلاس کامل گوبند دیال بنام عنایت حسین (الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵) اسطرحپر بیان کیا ہے۔ میرے خیال مین قانون کا یہ اصل اصول ہے کہ تا وقتیکہ کوئی حق نہ ہو اور اوس حق کو ضرر نہ پہونچا ہو اوسوقت تک کسی شخص کو عدالت مین نالش کرنے کے لیے کوئی بناء مخاصمت نہین پیدا ہوتی اصول قانون کو جیسا مین نے سمجہا ہے وہ مجہے ایسے حق کے خیال کرنیکا مانع ہے۔ جسکی ابتدا و خلاف ورزی دونون اوسی شرط واحد پر مبنی ہون اور یہ قیاس کرنا محال ہے کہ کوئی ایسا حق بہی ہو سکتا ہے جسکی خلاف ورزی اوسکے پیدا ہونے سے پہلے ہوئی۔

نقل کی ہے پائی جاتی ہے یعنی یہہ کہ شفیع کا حق ملکیت اوسوقت تک نہین
ثابت ہے جب تک اوس نے اپنے حق کا واقعی نفاذ اون دو طریقون مین سے
کسی طریق سے نہ کر دیا ہو یعنی مشتری کی رضامندی سے یا حکم حاکم سے ؎
عالمگیری مین ہے کہ اگر مکان مشتریہ کو مشتری نے مسجد کر دیا یا قبرستان کے لیے
وقف کر دیا اور اوسمین مردے بہی دفن ہو گئے یا کیسکو صدقہ یا ہبہ کر دیا تو شفیع کو اختیار
ہے کہ اوسکو لے۔ اور مشتری کے تصرفات کو زائل کر دے۔
اگر مشتری نے نصف حصہ مکان غیر منقسمہ کا خرید کیا اور بعدہٗ تقسیم عمل مین آئی تو شفیع کو
صرف وہی حصہ مکان کا ملیگا جو تقسیم مین بحصہ مشتری آیا تھا اور شفیع کارروائی تقسیم کو
باطل نہین کر سکتا خواہ وہ تقسیم بتراضی بایع و مشتری ہوئی ہو یا بحکم عدالت کیونکہ تقسیم
سے قبضہ پورا ہوتا ہے بخلاف اسکے اگر دو شریکون مین سے ایک نے اپنا حصہ
مکان مشترکہ کا بیع کیا اور مشتری و دوسرے شریک نے آپس مین مکان تقسیم کیا
تو شفیع کو اس تقسیم کے فسخ کرنیکا اختیار حاصل ہے کیونکہ جس نے مقاسمہ کیا ہے اوسکی
طرف سے عقد بیع واقع نہین ہوا تہا اور یہ تقسیم متمم قبضہ نہوگی (ہدایہ صفحہ ۶۲) بلکہ یہ مشتری
کا یہ ایک تصرف ہے یعنی مشتری نے اپنی ملکیت کے ذریعہ سے شریک کے ساتھہ
بٹوارہ کیا تو شفیع جیسے مشتری کے اور تصرفات مثل بیع و ہبہ کے باطل کر دیتا ہے۔
ایسی ہی اس تصرف کو بہی باطل کر سکتا ہے۔
دو شخصون نے ایک مکان خرید کیا اور وہ دونون اس مکان کے شفیع بہی تہے
اور ایک تیسرا شخص بہی اسکا شفیع ہے پھر دونون مشتریون نے آپس مین مکان تقسیم
کر لیا پھر تیسرا شفیع آیا تو اوسکو اختیار ہوگا کہ اوس تقسیم کو فسخ کر دے۔ خواہ تقسیم بحکم عدالت
ہوئی ہو یا برضامندی باہمی۔

اگر کسی نے مکان خرید کر کے اوسکی عمارت گرادی اور پھر از سر نو دوسری عمارت پہلی عمارت سے زیادہ قیمتی بنائی تو شفیع کو اختیار ہے کہ زر ثمن مین سے قیمت مکان جو روز بیع تھی منہا کر کے خالی زمین کو لے اور عمارت کی قیمت شفیع کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگی اسواسطے کہ عمارت کو خود مشتری نے گرایا پھر مشتری اپنی تعمیر کردہ عمارت کو منہدم کر دے گا۔

فصل ہفتم۔ اون امور کے بیان مین جنسے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے

عالمگیری مین ہے کہ جن امور سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اونکی دو قسم ہین۔ ایک اختیاری۔ دوسرا ضروری۔ اختیاری کی بھی دو قسم ہین ایک صریحی دوسرا بدلالت۔

خریداری سے انکار صریح کی یہ صورت ہے کہ مثلاً شفیع نے یون کہا کہ مین اپنے حق شفعہ سے باز آیا یا اوسکو باطل کیا یا ساقط کر دیا یا اوسکے مثل کوئی دوسرے الفاظ کہے لیکن یہ ضرور ہے کہ بعد واقع ہونے بیع کے ایسا کہا خواہ اوسکو بیع کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کیونکہ صریحاً اپنا حق زائل کرنے مین جاننا و نہ جاننا دونون ایکسان ہین۔ بمقدمہ محمد یونس خان بنام محمد یوسف[۱] یہ ثابت ہوا کہ قبل بیع کے شفیع سے جب خریداری کے لیے کہا گیا تو اوس نے کہا کہ اوسکو خریداری کرنی منظور نہین ہے اسکی بنا پر یہ حجت کی گئی کہ شفیع نے اپنا حق زائل کر دیا تجویز ہوئی کہ چونکہ یہ ثابت نہین کیا گیا

---

[۱] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۳۴ دیکھو سوبہاگی بنام محمد اسحاق ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۷۲ یا الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۲۶۳۔

کہ بعد بیع کے شفیع نے اون شرایط پر خریداری سے انکار کیا جن شرایط پر کہ مشتری نے خرید اتھا اسلیے اوسکا حق شفعہ زائل نہین ہوا۔ شفیع کے مختار مجاز و مہتمم کا فعل یا ترک فعل شفعہ پر وہی اثر رکھتا ہے گویا وہ فعل یا ترک فعل خود شفیع نے کیا[۵۱]۔

دلالت کی یہ صورت ہے کہ شفیع کی طرف سے کوئی ایسا فعل پایا جائے جو مشتری کے واسطے عقد بیع اور اوسکے حکم کی رضامندی پر دلالت کرتا ہو مثلاً جب بایع نے مطابق شرط واجب العرض کے شفیع کو حصہ خریدنے کا نوٹس دیا مگر شفیع نے ایک معقول مدت کے اندر خواہش خریداری نہ کی تو یہ بمنزلہ انکار کے ہے[۵۲] یا شفیع کو جب یہ اطلاع ملی کہ بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہو رہا ہے مگر بیعنامہ مین ثمن زیادہ درج ہوا ہے اور اوس نے بایع سے یہ نہ کہا کہ واقعی قیمت پر وہ خریدنے کے لیے آمادہ ہے بلکہ بالکل سکوت کیا تو اس سے اوسکا حق شفعہ زائل ہوجائے گا[۵۳]۔ یا شفیع نے مشتری سے مکان مشفوعہ کی قیمت چکائی یا مشتری سے مبیع کو اجارہ پر لیا یا مزارعت یا معاملت پر لینا چاہا[۵۴] بشرطیکہ یہ سب باتین بعد علم بیع کے شفیع نے کی ہون۔ اگر شفیع نے مشتری سے کہا کہ اس مبیع کو میرے پاس ودیعت رکھدے یا اسکی وصیت میرے حق مین کردے یا مجھے صدقہ دیدے تو اِن صورتون مین بھی حق شفعہ زائل ہوجائیگا[۵۵] اگر شفیع نے باضابطہ نالش نہ کی مگر اپنا حق برابر طلب

---

[۵۱] ہرپرشاد بنام شیوپرشاد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۱ و آبادی بیگم بنام انعام بیگم الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۲۱۔

[۵۲] الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۴۰۸ محمد ولایت علیخان بنام عبدالرب [۵۳] بھیرون سنگھ بنام لالمن الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۳

[۵۴] حبیب النسا بنام برکت علی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۷۵۔ اس مقدمہ مین مشتری نے جبر و بیع خریدی اور سیر ور شفیع سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر سال کے اندر وہ قیمت ادا کردے تو مشتری اوسکو حقیت واپس کردے گا تجویز ہوئی کہ اس معاہدہ سے شفیع نے اپنے حق شفعہ سے دستبرداری کردی [۵۵] حبیب النسا بنام برکت علی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۷۵۔

کرتا رہا تو اس سے دست برداری مفہوم نہوگی[51] - ورنہ اوس صورت مین دست برداری مفہوم ہوگی جب شفیع نے جائداد مبیعہ کا ثمن بعلت اپنے قرضہ ڈگری بایع کے مشتری سے وصول کیا ہو[52]-

اگر شفیع نے بیع بالوفا سے رضامندی ظاہر کی اور جب وہ قطعی بیع ہو تو اوس سے اوسکا حق زایل نہوگا ہدایہ صفحہ ۵۶ - اگر شفیع نے بایع کا وکیل ہوکر مکان فروخت کیا تو اوسکا حق شفعہ زایل ہوگیا لیکن اگر شفیع نے مشتری کا وکیل ہوکر مکان خرید کیا تو اوسکا حق زایل نہ ہوگا - کیونکہ اول الذکر صورت مین شفیع اپنے فعل کو رد کرتا ہے اور دوسری صورت مین بیع کو رد نہین کرتا -

عالمگیری - قسم ضروری کی یہ مثال ہے کہ مثلاً شفیع دو طلبون یعنی طلب مواثبت و اشہاد کے بعد مگر شفعہ مین لے لینے سے پہلے مرجائے تو اوسکا حق شفعہ باطل ہوجائیگا[54]-

شفیع کے مرنے کا اثر حق شفعہ پر -

مگر مشتری کے مرنے سے شفیع کا حق باطل نہوگا - (ہدایہ صفحہ ۵۵) کیونکہ شفعہ کا جو مستحق ہے وہ زندہ ہے اور اوسکے حق کے سبب مین بہی کچہہ تغیر نہین ہوا ہے -

ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۵ جب شفیع مرگیا تو اوس کا حق شفعہ ساقط ہوگیا - لیکن امام شافعی کے نزدیک حق شفعہ وراثتاً

---

[51] نصیر الدین بنام عبد الحسن الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۰۰ و الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۳۴ محمد یونس بنام محمد یوسف [52] رام دیال بنام بدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۲۳ [53] عجائب ناتھ بنام متہرا پرشاد الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴ [54] محمد حسین بنام نعمت النسا الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۸۸ -

ورثاء کو ملے گا۔[۵۱]

عالمگیری مین ہے کہ ہبہ بشرط عوض مین صرف ایک عوض پر قبضہ ہوا تھا اور دوسرے پر نہین کہ شفیع نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو یہ دینا باطل ہے بلکہ جب دوسرے عوض پر قبضہ ہوا تو شفیع کو استحقاق ہوگا کہ چاہے شفعہ مین لیلے کیونکہ جسوقت شفیع نے اپنا شفعہ ساقط کیا تھا اوسوقت اوسکا حق ثابت ہی نہین ہوا تھا۔

بعض حالتون مین بیع کے بعد انکار سے بھی حق شفعہ زائل نہین ہوتا۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر شفیع کو وقت اطلاع بیع زر ثمن زیادہ بتلایا گیا تھا اور اسوجہ سے اوس نے اپنا حق شفعہ ساقط کردیا تھا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ درحقیقت بیع کم زر ثمن کے عوض ہوئی ہے تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔[۵۲]

اگر شریک کے ہوتے ہوئے جار نے پہلے اپنا حق شفعہ دیدیا تو تسلیم صحیح ہے حتی کہ اوسکے بعد شریک نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو پڑوسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ حق شفعہ

---

۵۱ علماے حنفی کے نزدیک حق شفعہ میراث نہ ہونیکی یہ دلیل ہے کہ شفیع کی موت سے اوسکی ملکیت زائل ہوگئی اور جس ملکیت کے ذریعہ سے وہ مستحق تھا اب اوسکے وارثون کی ملکیت ہوگئی مگر وارثون کو یہ حق اسلیے نہ ملیگا کہ بعد وقوع بیع اونکو ملکیت حاصل ہوئی حالانکہ شفیع کی ملکیت جسپر حق شفعہ مبنی ہے دعوی شفعہ کی ڈگری ہونے کے وقت تک قایم رہنی چاہیے اور وقت بیع کے موجود ہونی چاہیئے۔

۵۲ لچا پرشاد بنام دیبی پرشاد الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۳۶۰ دولہادی بیگم بنام امامی بیگم الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۲۱۔ وموا شی بنام نبی بخش ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۲ و مہادیو پرشاد بنام صحیبہ بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۷ء صفحہ ۲۶۰۔ بمقدمہ رام دیال سنگھ بنام بدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۲۴ تجویز ہوئی کہ چونکہ حق شفعہ بعد بیع کے پیدا ہوتا ہے اسلیے قبل بیع کے اگر شفیع نے خریداری سے انکار کیا تو اوسکا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

مین لیلے۔

اگر شفیع کو یہ خبر دی گئی ہے کہ اس قدر ثمن یا اس جنس کے ثمن سے یا فلان مشتری کے ہاتھ بیع ہوئی ہے اور اوس نے اپنا حق شفعہ ویدیا پھر اسکے خلاف نکلا تو ان صورتون مین یہ دیکھا جائیگا کہ اگر دونون حالتون مین شفیع کے حق شفعہ سے دست برداری کرنیکی غرض مختلف نہ ہوتی ہو تو تسلیم صحیح ہوگی۔ اور اگر غرض مختلف ہوتی ہوگی تو تسلیم صحیح نہوگی اور شفیع کو اوسکا حق باقی رہیگا۔

اگر شفیع سے ثمن کوئی کیلی یا وزنی چیز بیان کی گئی اور اوس نے شفعہ ویدیا پھر معلوم ہوا کہ ثمن کوئی دوسری قسم کی کیلی یا وزنی چیز ہے تو شفیع کا حق شفعہ قایم رہیگا خواہ جو چیز ثمن ظاہر کیگئی تھی وہ از روے قیمت دوسری سے کم ہو یا زیادہ۔

حق شفعہ کا معاوضہ | اگر حق شفعہ سے کسی معاوضہ پر شفیع نے صلح کی تو شفعہ باطل ہوگیا اور معاوضہ جو شفیع کو ملا ہے اوسکو واپس کرنا چاہیئے اسلئے کہ حق شفعہ دفع ضرر کی غرض سے بخلاف قیاس ثابت ہوا ہے پس مالی عوض کے ساتھ حق شفعہ ساقط کرنا ایک فاسد شرط ہے۔ اگر شفیع نے مشتری سے کہا کہ جو تو نے خریدا ہے اوس مین سے اپنا حق شفعہ ساقط کردیا اس شرط پر کہ جو مین نے خریدا ہے اوس سے تو اپنا شفعہ ساقط کردے تو شفیع کا شفعہ ساقط ہوگا گو مشتری اوس چیز سے جو شفیع نے خریدا ہے اپنا شفعہ ساقط نکرے۔ اسکی وجہ ہدایہ مین صفحہ ۵۲۳ پر یہ لکھی ہے۔ کیونکہ حق شفعہ مبیع کے اندر کوئی حق مستقل نہین ہے بلکہ وہ تو ملکیت حاصل کرنے کے لیے ایک حق ہے اسلیے اسکا مالی مبادلہ صحیح نہین۔ اسی طرح پر اگر کسی نے اپنا حق شفعہ بیع کردیا تو شفعہ باطل ہے و بیع بھی فاسد ہے۔

تسلیم بالسکوت | تسلیم بالسکوت سے بھی حق شفعہ زائل ہوجاتا ہے۔ یہ مسئلہ متعدد ولفظا گ

مین سطے ہوا ہے کہ نند سہوانی پرشاد بنام وزیر و شفیع نے اپنے ساتھ ایک ایسے شخص کو شریک کرکے جسکو استحقاق شفعہ نہ تہا نالش شفعہ دائر کی ۔ اپیلانٹ کی طرف سے یہ حجت ہوئی کہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جب کوئی حصہ دار اپنے ساتھ کسی اجنب شخص کو شریک کرکے بیع خرید کرتا ہے تو اوسکا حق شفعہ زائل ہوجاتا ہے اور کل بیع ایسی متصور ہوتی ہے گویا شخص اجنب نے خرید کی اور پھر دوسرا حصہ دار کل بیع کی نسبت دعوی شفعہ کرسکتا ہے[۵۲] یہی اصول اوس شفیع کے ساتھ متعلق ہونا چاہیئے جس نے دعوی شفعہ مین ایک ایسے شخص کو اپنا شریک کیا جسکو بمقابلہ مدعا علیہ مشتری کے دعوی شفعہ کا کچہہ حق نہ تھا ۔ سید محمود صاحب جسٹس کی تجویز کا اقتباس حسب ذیل ہے ۔

(۱) وہ قاعدہ قانون جس سے شخص مستحق شفعہ اپنے حق سے محروم ہوجاتا ہے ۔ تسلیم بالسکوت کے اصول پر مبنی ہے ۔ اصول مذکور اون قیود کا ایک اہم جزو ہے جو حق شفعہ کو عداوتانہ و خود خواستہ طریقہ پر استعمال مین لانے کی نسبت قایم کیا گیا ہے قیود مذکور خود حق شفعہ کی ماہیت و رکن مین داخل ہین و اگر اونکو فرو گذاشت کیا جائے تو اس اصول کا مقصود فوت ہوجائیگا جسپر حق شفعہ مبنی ہے اگر وہ شخص جسکو حق شفعہ حاصل ہو ایسے معاملہ بیع مین شریک ہو جو شخص اجنب کے حق مین کیا جاے

---

[۵۲] دیکھو مقدمات شیو دیال رام بنام بھیرون رام و گنیشی لال بنام زیارت علی جو پچھلے فصل مین کئی بار مذکور ہوچکے و نیز دیکھو ہر جسراے بنام کنہیا لال الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۱۸ ۔ و امجد علی بنام مشتاق احمد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۵۴ ۔ اس مقدمہ مین چچا و بھتیجہ مشتری تھے مگر بھتیجہ حصہ دار نہ تہا تجویز ہوئی کہ بھتیجہ اجنب ہے او سکے شریک کرنے سے چچا بھی بمقابلہ شفیع کے اجنب متصور ہوگا و رام ناتھ بنام بدری ناتھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸ و کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۲۴ ۔ الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۹۷

یا جو خود مشتری ہو اگر کسی شخص اجنبی کو خریداری مین شریک کرے تو وہ بعدہ اوس بیع کی نسبت عذر نہین کر سکتا جسمین تسلیم بالسکوت کر کے اوس نے قاعدہ شفعہ سے انحراف کیا اور نہ وہ دوسرے مدعیان شفعہ کے دعوی پر اعتراض کر سکتا ہے جو بذریعہ نالش شفعہ کے حق مذکور کی اصلی غرض کا نفاذ چاہتے ہین۔ قاعدہ یہ ہے کہ وہ شخص اوس حق کا دعوی نہین کر سکتا جس سے خود اوس نے انحراف کیا ہو و نہ اوسکو اسبات کی اجازت دیجا سکتی ہے کہ اوس نقصان کی شکایت کرے جس سے اوس نے تسلیم بالسکوت کیا۔

اگر ان اصولون کو مقدمہ ہذا سے متعلق کیا جاوے تو ہمکو واضح ہوتا ہے کہ اس امر سے کہ نالش شفعہ مین مدعی نے اپنے ساتھ ایسے دو شخصون کو شریک کیا جنکو حق مذکور حاصل نہ تھا یہہ متصور ہوگا کہ اوس نے بیع کو بالسکوت تسلیم کیا۔ اور اسلئے وہ انصافاً بیع مذکور کی نسبت عذر نہین کر سکتا[۵۱]

[۵۱] نیز دیکھو الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۴ بھوپال سنگھ بنام موہن سنگھ اگر شفیع نے اپنے ساتھ ایک دوسرے شخص کو غلطی سے مستحق شفعہ سمجھکر شریک نالش کیا تاہم اوسکا شفعہ باطل ہوگا۔ بھوانی کنور بنام نراین سنگھ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ء صفحہ ۲۷۴ لیکن مقدمہ بھوانی بنام نول سنگھ الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۹۵ - یہ تجویز ہوئی کہ اگر کسی شریک نے جسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے دعوی شفعہ مین اپنے ساتھ اپنے خاندان کے ممبر کو شریک کیا جو حقیقت متدعویہ مین شریک نہین ہین تو اس سے دعوی شفعہ باطل نہ ہوگا مگر اسکے خلاف دیکھو۔ امجد علی بنام مشتاق احمد الہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۴۵۴ و جلد ۱۹ صفحہ ۲۱۱ - و کرن سنگھ بنام محمد اسمعیل الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۸۶۰ جسمین ہندو خاندان مشترکہ کی بیوہ کو جسکو بوجہ مشترکہ ہونے خاندان کے حق وراثت نہین پہونچتا تھا بلکہ اوسکو صرف نان نفقہ کا حق حاصل تھا دعوی شفعہ مین شریک کیا تجویز ہوئی کہ وہ شخص اجنبی ہے اسلئے دیگر مدعیان کا دعوی بھی ڈسمس ہوا۔

انحراف شفیع کا اصول شفعہ سے۔	پس تجویز مذکور سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر جائداد مشفوعہ کی نسبت خود شفیع نے اصول شفعہ سے انحراف کیا ہو تو اوسکی

اعانت عدالت نہین کرسکتی[۵۱]۔ لیکن اگر شفیع نے دعوی شفعہ کرنے کے قبل خلاف شرط واجب العرض اپنا حصہ شخص اجنبی کے ہاتھ رہن کیا تو اس سے اوسکا حق شفعہ زائل نہ ہوگا[۵۲]۔

اگر کوئی شخص بربناء واجب العرض رہن و بیع دونون پر شفعہ کرنے کا مستحق ہے اور اوس نے کسی حقیت کے رہن کے وقت شفعہ نہ کیا اور بعد کو جب وہی حقیت بیع ہوئی تو بیع پر شفعہ کرنے سے ممنوع نہ ہوگا[۵۳]۔ اگر کسی نے حقیت خرید کر کے بٹوارہ کرایا اور شفیع نے بٹوارہ پر کوئی عذر نہ کیا تو یہ امر مانع تقریر مخالف یا حق شفعہ سے دستبرداری نہین ہے[۵۴]۔

نابالغی	فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفیع کی نابالغی سے حق شفعہ ساقط نہین ہوتا

کیونکہ نابالغ استحقاق شفعہ مین مثل بالغ کے ہے۔ یہان تک کہ حمل استحقاق شفعہ مین بالغ کا حکم رکہتا ہے بشرطیکہ روز بیع سے چہ مہینہ کے اندر وضع حمل ہوا ہو اگر زیادہ مدت مین ہوا تو اوسکو شفعہ نہ ملیگا۔ کیونکہ وقت بیع کے اس بچہ کا وجود نہ حکماً ثابت ہوا نہ حقیقتاً۔ لیکن اگر بیع سے پہلے اوسکا باپ مر گیا ہے اور بچہ اوسکا وارث ہوا تو بچہ مستحق شفعہ ہوگا گو وقت بیع سے چہ مہینہ مین یا زیادہ مین وضع حمل ہوا ہو کیونکہ وقت

[۵۱] رگھو بنام لالمن الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ [۵۲] اوجاگر لال بنام چنی لال الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۲ وگوکل چند بنام رام پرشاد ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۲۷ [۵۳] روپ نراین بنام اودہ پرشاد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۷۰ و شیو برن بنام منگو رائے ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۸۵ [۵۴] تمن سنگھ بنام جلال الدین الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۴۴ و صفحہ ۴۳ و نیز دیکہو شیام سندر بنام امانت بیگم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۳۴۔

بیع کے اوسکا وجود علاً ثابت ہے اسلئے کہ وہ اپنے باپ کا وارث تھا۔

نابالغ کی طرف سے شفعہ طلب کرنے و لینے کا [illegible] شخص ہوگا جو شرعاً اوسکے حقوق کا محافظ ہے یعنی اوسکا باپ یا باپ کا وصی یا دادا پھر ان کے دادا کا وصی پھر وہ بھی جسکو حاکم (قاضی) مقرر کرے اگر ان لوگون مین سے کوئی نہ ہو تو بالغ ہونے پر شفعہ طلب کر سکتا ہے۔ اگر اشخاص مذکورہ بالا مین سے کوئی موجود ہے اور اوس نے باوجود امکان طلب شفعہ نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائیگا۔ اسیطرح اگر ان لوگون نے شفعہ ویدیا تو اوس صورت مین بھی نابالغ کا حق ساقط ہو جائیگا اور بعد بلوغ نابالغ کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ یہ قول امام اعظم و امام ابو یوسف کا ہے مگر امام محمد کے نزدیک ترک یا تسلیم کا اختیار نابالغ کے قایمقامون کو نہین ہے۔

شفیع کا مقروض ہونا شفیع اگر مقروض ہے تو اسوجہ سے اوسکا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا[۵۱] نہ اس وجہہ سے کہ وہ نیک چال چلن کا آدمی نہین ہے یا معزز نہین ہے یا آنکہ نابالغ ہے[۵۲]۔

بیع مکرر اگر کسی حقیت کو بایع نے مکرر بیع کیا تو بیع اول کی نسبت حق شفعہ ساقط نہ ہوگا اگر بایع اوس بیع کو تسلیم کرتا ہے[۵۳]۔

فصل ہشتم۔ شفیع کو ثمن کیا دینا چاہیئے۔

ہدایہ مین ہے کہ وہ اگر ثمن مین شفیع و مشتری اختلاف کرین تو مشتری کا قول لایق قبول

۵۱ رام کھلاون راے بنام شیو داس آگرہ جلد ۲ صفحہ ۸۷ ۵۲ پنا بنام جگرناتھ آگرہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶۔ یہ دونون نظیرین یعنی نمبر ۱ و ۲ جلد ۳ خلاصہ نظائر ۶۰۷۳ مین ہین ۵۳ پٹوارام بنام شیام لال ساہو ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ و جلد ۴ خلاصہ نظائر ۷۵۵۴۔

ہوگا تاوقتیکہ اوسکی تردید نہ کیجائے کیونکہ شفیع تو مکان مبیعہ کو بعوض کم ثمن کے
خرید کرنیکا مدعی ہے اور مقدار ثمن مشتہرہ مدعی کی صحت سے مشتری منکر ہے اسلیے
قول شخص منکر کا قبول ہوگا اور مدعی پر بار ثبوت ہوگا۔ ہدایۃ المتون مین بھی یہی اصول قرار
پایا یعنی یہ کہ ابتداءً شفیع کو چاہیے کہ زر ثمن کی نسبت بادی النظری ثبوت دے
اور پھر مشتری کو قوی شہادت سے ثمن مندرجہ بیعنامہ کی صحت ثابت کرنی چاہیے
بمقدمہ بھگوان سنگھ بنام مہابیر سنگھ[51] بار ثبوت کی نسبت بحث پیش ہوئی۔ اس مقدمہ
مین یہ بحث کی گئی کہ اس امر کا بار ثبوت کہ زر ثمن مندرجہ بیعنامہ صحیح نہین ہے کلیتاً
شفیع کے ذمہ ہے۔ اور اس حجت کی تائید مین مقدمہ شیخ نور الحسن بنام شیخ
حیدر بخش[52] پر استدلال کیا گیا۔ حکام نے تجویز کی کہ ہم کلکتہ ہائی کورٹ کی
اوس رائے سے اتفاق نہین کرسکتے جو اوس نے بار ثبوت کی نسبت بلا کسی قید
و شرط کے بمقدمہ شیخ نور الحسن ظاہر کی ہے۔ اسمین شک نہین کہ جب شفیع
تعداد مندرجہ بیعنامہ کو فرضی کہتا ہے تو گویا مشتری پر فریب کا اتہام کرتا ہے اسلیے
ایسی صورت مین ابتداءً شفیع کو اپنا بیان کافی شہادت سے ثابت کرنا چاہیے
یہ امر کہ کس قدر شہادت کافی ہوگی ہر مقدمہ کے جداگانہ حالات کے لحاظ سے طے
ہوگا۔ جب شفیع اس قسم کی شہادت پیش کردے تو مشتری کو ثابت کرنا چاہیے کہ
اوس نے کس قدر روپیہ بعوض حقیت کے ادا کیا ہے۔ مدعی شفیع اوس بیان کا
پابند نہین قرار دیا جاسکتا جو بیعنامہ مین تحریر ہے اور مشتری کا فائدہ اسمین ہے
کہ وہ اپنے بیان کے مطابق اوس سے زیادہ زر ثمن ثابت کرے جو شفیع تسلیم
کرتا ہے۔ علاوہ اسکے ایسے مقدمات مین بار ثبوت کے مسئلہ پر غور کرتے وقت

[51] الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ [52] ویکلی رپورٹ سنہ ۱۸۶۳ء صفحہ ۳۰۴ –

وہ قاعدہ قانونی جو دفعہ ۱۰۶ قانون شہادت مین مذکور ہے نظر انداز نہ ہونا چاہیے
اوس قاعدہ پر اون مقدمات مین اکثر عمل ہوا ہے جب راہن و مرتہن کے درمیان
زر رہن کی نسبت اختلاف تھا۔ اس قسم کے مقدمات مین تجویز ہوئی کہ یہ کام مرتہن
کا ہے۔ کہ اوس تعداد سے زیادہ زر رہن ثابت کرے جسکو راہن تسلیم کرتا ہے
بمقدمہ راجہ کشن دت بنام نارندر و بہادر[۵۱] جو ایک انفکاک رہن کا مقدمہ تھا اور
جسمین اصل رہن نامہ گم ہو گیا تھا یہ سوال تھا کہ آیا بار ثبوت شرایط مندرجہ رہن نامہ
کا مرتہن پر ہے یا راہن پر۔ اس مقدمہ مین حکام پریوی کونسل نے بعض امورات کے
متعلق اظہار راے کی ہے جو اصولاً اس مقدمہ سے بھی متعلق ہو سکتی ہے "اس
مقدمہ مین جیسا کہ اکثر مقدمات مین ہوتا ہے جب بحث بار ثبوت کی ہو تو عدالت کو
اسبات کا لحاظ کرنا چاہیے کہ کس فریق کو مناسب شہادت دینے کا زیادہ موقع ہے
اگرچہ ہماری دانست مین مقدمہ ہذا مین بار ثبوت مدعی پر ہے تاہم ہماری یہ راے
ہے کہ یہ امر نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ مدعا علیہ کے قبضہ مین رہن نامہ ہو سکتا ہے
اور اوسکے مضمون کے ثابت کرنیکا زیادہ تر موقع مدعا علیہ کو حاصل ہے"
"اس اصول کو مقدمات شفعہ سے متعلق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفیع محض
ناواقف ہے۔ اوسکی حق تلفی خریدار و بایع نے کی ہے وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ درحقیقت
کیا زر ثمن ادا ہوا ہے خریدار و بایع کو ایسا موقع حاصل ہے کہ وے ثابت کر سکتے
ہین کہ کیا لیا دیا گیا۔ نظر بہ جملہ حالات ہماری یہ راے ہے کہ مشتری پر بار ثبوت
پلٹنے کے لیے بہت ہی خفیف شہادت کافی ہوگی"
اس وجہ سے کہ مشتری اکثر بخوف شفعہ زر ثمن کو بیعنامہ مین زیادہ کرکے لکھاتا ہے اصول

[۵۱] لا رپورٹ اپیل ہاے ہند جلد ۳ صفحہ ۸۵۔

مندرجہ بالا بہت صحیح طور پر قرار پایا ہے۔ اگر شفیع تھوڑی سی شہادت سے یا قراین سے زرثمن مندرجہ بیعنامہ کی تعداد کو مشتبہ ثابت کر دے تو مشتری کو نہایت قوی شہادت سے اپنے بیان کو صحیح ثابت کرنا ہوگا۔

اگرچہ بار ثبوت ابتدائً مشتری پر نہین ہے لیکن اگر مشتری ثبوت پیش کرتا ہے جس سے اوسکے قول کی تائید پورے طور پر نہین ہوتی تو مشتری یہ نہین کہہ سکتا کہ میرے ثبوت و شہادت پر لحاظ نکیا جاوے کیونکہ میرے ذمہ بار ثبوت نہ تھا کیونکہ مشتری مذکور کے حق مین دستاویزات وغیرہ سے ایک قیاس قانونی پیدا ہوتا ہے جس قیاس کو خود اوسکی شہادت باطل کرتی ہے[۵۱]۔

اگر مشتری کسی غیر معمولی طریق پر روپیہ ادا کرنا بیان کرتا ہے اور بایع بھی وصول پانا تسلیم کرتا ہے تو محض بایع کا اقبال ادائگی روپیہ کا قطعی ثبوت نہین ہے[۵۲] اور جب شفیع یہ ثابت کر دے کہ قیمت مندرجہ بیعنامہ جائداد مشفوعہ کی قیمت بازاری سے بہت زیادہ ہے تو یہ وجہہ کافی ہے جسکے باعث سے بار ثبوت پلٹ جاوے گا[۵۳]

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری اوس روپیہ کو واپس کر لیتا ہے جو اوس نے نمایشی طور پر رجسٹری مین ادا کیا ہے۔ ایسی صورت مین شفیع کو اپنا بیان ثابت کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتون مین اصلیت معاملہ کی دریافت کرنی زیادہ تر حاکم فیصلہ کنندہ و وکلا کی لیاقت پر منحصر ہے[۵۴]۔ جب شفیع و مشتری کی شہادت پیش کردہ مساوی درجہ کی ہون تو شفیع کے ثبوت کو ترجیح دیجائیگی[۵۵]۔ اگر زرثمن مندرجہ بیعنامہ غیر صحیح ثابت ہوا اور بایع یا مشتری صحیح زرثمن ظاہر کرنے سے انکار کرتے

---

۵۱ مکند بنام مداری ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۸۶ ۔ ۵۲ پہرا بنام شنبو صدر آگرہ ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۴۸ ۔ ۵۳ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۳۹ ۔ ۵۴ کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ ۔ ۵۵ ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۱۱ و ۴۸۶ ۔

ہین اور اسوجہ سے عدالت اوسکی تعداد متعین نہین کرسکتی تو اس صورت مین جائداد مبیعہ کی مالیت مطابق نرخ بازار کے قرار دینی چاہیئے[۵۱] - لیکن دیگر صورتون مین عدالت کو یہ تحقیق نہ کرنی چاہیئے کہ مناسب ثمن کیا ہے بلکہ یہ کہ فی الحقیقت مشتری نے بایع کو کیا ادا کیا ہے[۵۲] -

اگر مشتری ثمن زیادہ بیان کرتا ہے و بایع کم کرتا ہے اور ہنوز بایع کو ثمن وصول نہین ہوا ہے تو شفیع کو صرف اوسیقدر ثمن دینا ہوگا جس قدر کہ بایع بیان کرتا ہے کیونکہ ثمن دو حال سے خالی نہین یا تو جو بایع کہتا ہے وہی صحیح ہے تو شفعہ اوس قدر پر واجب ہوا یا ثمن کے متعلق مشتری کا بیان صحیح ہوگا تو بایع اوس صورت مین کم ثمن لینے پر رضامند ہوگیا یعنی اوسکی تعداد کم کر دی جسکا وہ مختار ہے -

اگر بایع کو ثمن وصول ہوگیا ہے تو اوسکا بیان تعداد ثمن کی بابتہ معتبر نہین کیونکہ ثمن کے وصول ہوجانے سے معاملہ بیع مکمل ہوگیا اور بایع کی حیثیت مثل اجنبی شخص کے ہوگی - پس اس صورت مین قول مشتری کا معتبر ہوگا تاوقتیکہ اوسکا غلط ہونا شفیع نہ ثابت کرے -

فتاوی عالمگیری مین ہے - دو آدمیون نے باہم خرید و فروخت کی اور شفیع نے دونون کے سامنے شفعہ طلب کیا اوسوقت بایع نے کہا کہ یہ بیع ہم دونون مین سچی بیع نہ تھی اور مشتری نے بھی اوسکے قول کی تصدیق کی تو اس صورت مین شفیع کا قول

---

۵۱ اگر سنگھ بنام رگھوراج سنگھ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۱۷۴ ۔ ۵۲ توکل رائے بنام مہابیر رائے ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۱۰ و نیز بہاری بنام گسی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۹ - یا توکل رائے بنام مہابیر رائے الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۴۱ - اسمین یہ بھی طے ہوا ہے کہ اگر بیع بالوفا پر شفعہ ہو تو شفیع کو وہ کل تعداد دینی پڑیگی جو رہن نامہ کی رو سے واجب الادا ہو نیز دیکھو عاشق علی بنام متھرا کاندو الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۷ -

اودہار دیا جاوے۔[۵۱]
اگر واجب العرض مین جسکی بنا پر شفعہ ہے زر ثمن کی نسبت کوئی قاعدہ درج ہے مثلاً
یہ کہ شفیع قیمت مروجہ دیگا تو قیمت بازاری دینی ہوگی۔ و اگر کوئی دوسری شرط ہے
تو اوس شرط کے مطابق تعداد ثمن قرار دیجائیگی[۵۲]۔ و اگر صلحنامہ مین ثمن حقیت مشفوعہ کا

---

۵۱ مگر امام زفر کا قول ہے کہ شفیع بمعادی قیمت پر شے بیعہ فی الحال لے سکتا ہے اور اونکی دلیل
یہ ہے کہ میعاد تو ثمن کی صفت ہے تو جس خاص قسم کے ثمن پر مشتری سے فروخت کرنے کا معاہدہ
ہوا ہے اوسی صفت کے ثمن کے عوض شفیع بھی خریدنے کا مستحق ہے۔ و امام ابو حنیفہ کی یہ
دلیل ہے کہ شرط میعاد تو بوجہ خاص شرط کے ثابت ہوئی ہے اور حالانکہ یہ شرط شفیع کے ساتھ بایع یا
مشتری کسی نے نہین کی اور مشتری کے حق مین میعاد کی شرط کرنے سے یہ لازم نہین آتا کہ بایع شفیع
کے ساتھ بھی ایسی شرط کرنے سے رضامند ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مشتری کا اعتبار بوجہ اوسکے تمول کے
بایع کے نزدیک زیادہ ہو اور اوسے اودہار دینے پر رضامند ہوگیا اور یہ حالت شفیع کی نہ ہو اور میعاد ثمن
کی صفت نہین ہے کیونکہ یہ تو مشتری کے حق مین ایک رعایت ہے اور ثمن کا مستحق بایع ہے اور اگر درحقیقت
میعاد ثمن کا وصف ہوتا تو ثمن معہ اوس وصف کے بایع کو ملنا چاہیئے تھا حالانکہ وصف سے مشتری فائدہ اوٹھاتا ہے
پس اگر فی الحال ثمن نقد ادا کرکے شفیع نے مشتری سے قبضہ حاصل کیا تو مشتری کے حق مین ادائے ثمن کی میعاد
بحالہ قایم رہیگی حتی کہ بایع کو قبل انقضائے میعاد مشتری سے مطالبہ نہین کرسکتا ہے۔ کیونکہ بایع و مشتری کے
درمیان جو شرط قرار پائی تھی وہ شفیع کی شے بیعہ حاصل کرلینے سے باطل نہین ہوئی اور یہ معاملہ ایسا ہوگیا
کہ کسی نے کوئی چیز اودہار خریدی اور نقد فروخت کی۔ بمقدمہ نہال سنگھ بنام کوکل سنگھ الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۹
امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق یہ قرار پایا کہ شفیع نقد قیمت دیکر شفعہ کرسکتا ہے گو مقدمہ مابین اہل ہنود در بنا
واجب العرض تھا۔ ۵۲ کریم بخش خان بنام ہولا بی بی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۱۰۲۔ جسکی تقلید دیجانی کنور بنام رام دین
الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۶۲ مین ہوئی و نیز دیکھو حسرت خان بنام جیو بیرہ اودہ ہیا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۷ء صفحہ ۶۷۔

نہ حاصل ہوگا - اور یہی زیادہ صحیح ہے گو بعض علما اسکے خلاف بھی کہتے ہین[۱] - شریک کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ وہ شریک فی نفس المبیع ہو - اگر اوسکا حق مبیع مین ایسا ہو جس مین اجنبی مشتری کی جانب سے دست اندازی کا احتمال ہے تو اوسکو حق شفعہ حاصل ہوگا - مثلاً بایع و شفیع کا راستہ و شرب اگر مشترک ہے تو حق شفعہ پیدا ہوگا -

جار و حق آسایش کی وجہ سے شفعہ نہین -

اگر کوئی شخص پڑوسی ہے یا اوسکو حق آسایش مبیع مین حاصل ہے تو وہ مستحق شفعہ نہ ہوگا -

اگر شفیع نابالغ ہے یا مجنون تو اوسکے ولی کو اوسکی طرف سے شفعہ کرنیکا اختیار ہے بشرطیکہ شفعہ اونکے حق مین مفید ہو - ولی کے طلب نہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا و اگر اوس نے حق شفعہ کو ترک کر دیا تو نابالغ بعد بلوغ کے اور مجنون بعد افاقہ جنون کے حق شفعہ طلب کر سکتا ہے - اگر بیع کے وقت کوئی شخص غائب تھا اور خود یا معرفت اپنے وکیل کے اس حق کو طلب نہ کرسکتا تھا تو بعد واپس آنے کے اس حق کو طلب کرسکتا ہے خواہ کتنے ہی زمانہ بعد کیون نہ آیا ہو -

شیعہ مذہب مین عقد بیع کے منعقد ہونے کے بعد ہی حق شفعہ پیدا ہوجاتا ہے نہ کہ بیع کی تکمیل کے بعد - اور جیسا حنفی مذہب مین ہے یا تو شفیع کل مشفوعہ کو لے یا کچھ نہ لے - ایسا نہین ہوسکتا کہ ایک جزو لے و بقیہ نہ لے -

شفیع کو وہ کل قیمت ادا کرنی چاہیئے تو عقد بیع مین قرار پائی تھی خواہ واقعی قیمت اوس سے کم ہو یا زیادہ - اور بیع کے ضروری اخراجات شفیع کے ذمہ نہ ہونگے - اگر بعد عقد بیع

---

[۱] عباس علی بنام مہیارام الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۹ - ایس مقدمہ مین شیخ دائم بنام اسوہیہ بی بی ہائیکورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ بابت ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۶۰ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۲۷۳ و تفضل حسین بنام ہادی حسن ہفتہ وار ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۳۹ سے اختلاف کیا گیا -

وانقضائے خیار کے مشتری نے مبیع مین کچھ اضافہ کیا تو اس سے ثمن مین زیادتی نہ ہوگی وہ شفیع کو وہ دینا پڑے گا۔ لیکن اگر خیار کے زمانہ کے اندر وہ اضافہ کیا گیا تو شیخ نے فرمایا کہ اصل ثمن کا یہ ایک جزو ہوگا۔ لیکن صاحب شرایع کہتا ہے کہ وہ یہ رائے وقت سے خالی نہین ہے کیونکہ ابھی بیان ہوچکا ہے کہ انتقال صرف عقد کے منعقد ہونے سے مکمل ہوجاتا ہے اور یہ امر منافی ہوتا ہے" اسیطرح اگر بایع نے ثمن سے کچھ کم کردیا تاہم شفیع کو وہی اصل ثمن دینا ہوگا۔

طلب مواثبت شفیع کو چاہیئے کہ بیع کی اطلاع پاتے ہی فوراً اپنے دعوی کو خود پیش کرے یا معرفت اپنے وکیل کے۔ لیکن اگر اپنی عدم موجودگی یا علالت وغیرہ کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکا تو اس سے اوسکا حق ساقط نہوگا اور اوسصورت مین بھی اوسکا حق ساقط نہوگا جب اوسے مشتری یا ثمن کی بابت غلط خبر دی گئی۔ اپنے دعوی کے پیش کرنے مین معمولی مستعدی کرنی چاہیئے مثلاً اگر حق شفعہ طلب کرنے کی غرض سے اوس نے سفر کیا تو یہ ضرور نہین ہے کہ معمول سے زیادہ منزل کرے اور اگر اوسے بیع کی خبر اوسوقت ملی جب وہ نماز مین مشغول تھا خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل کی تو یہ ضرور نہین ہے کہ نیت توڑدے۔ حسب عادت اوسے اپنی نماز پڑھنی چاہیئے۔ اسیطرح اگر نماز کا وقت قریب ہے تو جائز ہے کہ وہ وضو کرکے بلاعجلت یا گھبراہٹ کے اپنی نماز ادا کرے۔ لیکن جب بیع کی اطلاع کے وقت شفیع اپنا حق گواہون کے روبرو اصالتاً یا وکالتاً طلب کرسکتا تھا داگر اوس نے طلب کرنے مین غفلت کی تو اوسکا حق زائل ہوگیا۔ اگر بایع و مشتری برضامندی باخود بیع کو منسوخ کردین تو اس سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

اگر مبیع مین ایسی زیادتی ہوئی جو اصل سے جدا نہین ہوسکتی تو مبیع معہ اپنی زیادتی کے

شفیع کی ہوگی واگر اصل سے جدا ہوسکتی ہے تو زیادتی مشتری کی ہوگی۔

وارث شیعہ مذہب امام شافعی کے اس قول سے اتفاق کرتا ہے کہ حق شفعہ میراث مین شفیع کے ورثاء کو ملتا ہے مثلاً اگر شفیع اپنی زوجہ و ایک پسر چھوڑ کر مرا تو ⅛ حصہ کی بابتہ حق شفعہ زوجہ کو وراثتاً ملیگا اور بقیہ کی نسبت پسر کو۔ و اگر ایک وارث نے اپنا حق ترک کر دیا تو اونکا حق ساقط نہین ہوا بلکہ دوسرا وارث کل کی بابت حق شفعہ کر سکتا ہے۔

اگر جائداد کا ایک جزو وقف ہے اور دوسرا جو وقف نہین ہے بیع ہوا تو مستحقین وقف کو حق شفعہ نہ حاصل ہوگا۔ لیکن صاحب جواہر کے نزدیک حق شفعہ پیدا ہوگا۔

فصل دہم۔ ترتیب نالش و تمادی وغیرہ

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ زید نے عمر سے ایک ہزار درم پر ایک مکان خرید کیا پھر دوسرے کے ہاتھ دو ہزار درم پر فروخت کر کے سپرد کر دیا پھر شفیع آیا اور اوس نے بیع اول پر مکان لینا چاہا تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مکان جسکے قبضہ مین موجود ہے اوس سے ہزار درم پر لیکر اوس سے کہے کہ اپنے بایع سے باقی ہزار درم لیلے۔ لیکن امام اعظم کے نزدیک اگر مشتری اول غائب ہو گیا ہے اور شفیع نے بیع اول پر لینا چاہا تو شفیع اور دوسرے مشتری کے درمیان خصومت قایم نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ اگر شفیع نے مکان کو بیع اول پر لینا چاہا تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اول مشتری کا حاضر ہونا شرط ہے اور امام ابو یوسف کے قول مین اول مشتری کا حاضر ہونا شرط نہین ہے۔ و اگر بیع ثانی

پر لینا چاہا تو مشتری اول کا حاضر ہونا بلا خلاف شرط نہین ہے۔
اگر مشتری نے وہ مکان فروخت نہ کیا بلکہ کسی شخص کو ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے اوسپر قبضہ کر لیا تو شفیع کو چاہیئے کہ مشتری و موہوب لہٗ دونون کو فریق کرے صرف تنہا موہوب کو فریق کر کے دعویٰ شفعہ نہین کر سکتا۔ بعد ڈگری شفعہ کے ہبہ باطل ہو جائیگا
اگر مکان مبیعہ کے دو شفیع ہین ایک حاضر دوسرا غائب۔ و شفیع حاضر نے شفعہ کر کے کُل مکان کی ڈگری حاصل کر لی پھر دوسرا شفیع آیا تو وہ اپنے حق شفعہ کا دعویٰ شفیع حاضر سے کرے گا جس نے ڈگری حاصل کر لی ہے نہ کہ مشتری سے۔
نالشات شفعہ مین اکثر بایع مجیب نہین ہوتا ہے کیونکہ جب وہ اپنی حقیت فروخت کر چکا ہے تو پھر اوسکو مشتری کے ساتھ نزاع مین شریک ہونے سے کوئی فائدہ نہین ہے اس خیال سے شفیع کو یہ نکرنا چاہیئے کہ بایع کو فریق ہی نہ کرے۔ لیکن اگر اوس نے فریق نہ کیا تو اس سے اوسکے دعویٰ کو کچھ ضرر نہین پہونچ سکتا۔

بایع کا فریق مقدمہ ہونا — یہ امر بمقدمہ ہیرالال بنام رام جس[لہ] طے ہو چکا ہے اس مقدمہ مین رہن پر شفعہ ہوا تھا۔ مگر شفیع نے راہنان کو مدعا علیہ نہین بنایا۔ اس بناء پر یہ حجت کی گئی کہ نالش ابتدا ہی سے ناقص ہے لہذا ڈسمس ہونی چاہیئے۔

ہیرالال بنام رام جس — حکام نے یہ تجویز کی کہ بے شک اگر راہن بطور مدعا علیہ کے فریق کیا جاتا تو یہ امر زیادہ تر باضابطہ و موجب سہولیت ہوتا۔ مگر ہم یہ تجویز کرنے پر مستعد نہین ہین کہ اوسکے فریق نہ ہونے سے نالش ناقابل پذیرائی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک رہن نامہ تحریر ہوا جسکی رو سے مدعا علیہ نے حقوق مرتہنی حاصل کیے چنانچہ جو حق نامبردہ نے اس طور پر حاصل کیا ہے اوسپر مدعی معترض ہے اور در صورت نہ معلوم ہونے

لہ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۵۷۔

کسی امر مخالف کے ممکن ہی کہ راہن مدعی کے دعوی کی نسبت کوئی جوابدہی نکرے - بہرکیف اوس نے یعنی راہن نے کچھہ کوشش اسکی نہین کی کہ اپنے تئین حسب دفعہ ۳۲ مقدمہ مین فریق کراتا مقدمہ کی اس نوبت اخیر پر مرتہن مدعا علیہ کے اعتراض پر جسکو کسیطرح مضرت نہین پہونچی ہمکو ایسے عذر پر لحاظ کرنے کی ضرورت نہین ہے جو بدرجہ غایت ایک ایسی بے ضابطگی ہے جو روئداد پر موثر نہین ؎

منجملہ مشتریان کے بعض کو مدعا علیہ نہ بنانا۔

جب جائداد مبیعہ مین ہر مشتری کے حصہ وثمن کی صراحت بیع نامہ مین الگ الگ کردی گئی ہے تو اوس حصہ کی بابت دعوی شفعہ کرنے کی ضرورت نہین ہے جسکو شریک نے خرید کیا ہے اور اسلئے اوسکو فریق مقدمہ بنانا بھی ضرور نہین ہے لیکن جس صورت مین صرف ہر مشتری کے حصہ کی صراحت بیعنامہ مین ہے اور کل زرثمن ایکجائی دیا جانا تحریر ہو تو جملہ مشتریان کو بشمول شریک کے فریق بنانا چاہیے کیونکہ اس صورت مین یہ امر دریافت کرنا ہوگا کہ مشتری نے الگ الگ کیا زرثمن ادا کیا ہے [۵۱]۔

جب دو شفیع ہون تو ہر ایک شفیع کو دوسرے دعوی مین مدعا علیہ بنانا چاہیے۔

اگر ایک ہی بیع کی نسبت دو نالشات شفعہ دائر کیجائین تو ایک مقدمہ کے شفیع کو دوسرے مقدمہ مین مدعا علیہ قرار دینا چاہیے اسیطرح دوسرے مقدمہ کے شفیع کو اول مقدمہ مین مدعا علیہ بنانا چاہیے تاکہ اس امر کے تصفیہ کرنے مین آسانی ہو کہ ہر دو مقدمہ کے شفیعان مین کس شفیع کو حق مرجح حاصل ہے - یہ قاعدہ ہر حالت مین واجب التعمیل ہے خواہ شفعہ شرعی ہو یا بربنار واجب العرض [۵۲]۔

ثمن کب دینا چاہیے

دعوی کیوقت شفیع پر ثمن حاضر کرنا لازم نہین ہے [۵۳]- مگر غرضی دعوی مین

۵۱ رام ناتھ بنام بدری ناتھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸ ۵۲ کاشی ناتھ بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ -

۵۳ ویکلی ریپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۱ وجلد ۱۱ صفحہ ۲۷۵ وجلد ۳ خلاصہ نظائر ۲۷ ۳۷ -

شفیع کو چاہیے کہ اوس زر ثمن کے ادا کرنے کی آمادگی ظاہر کرے جو عدالت کے نزدیک صحیح ثابت ہو[51] اور بعد صدور ڈگری شفیع کو چاہیے کہ زر مجوزہ عدالت مین اندر میعاد جمع کر دے یا مشتری کو ادا کرے (دیکھو دفعہ ۲۱۴ ضابطہ دیوانی)

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر قاضی نے شفیع کے واسطے شفعہ دینے کا حکم دیا یا مشتری نے خود سپرد کر دیا تو ان دونون مین بیع کے احکام ثابت ہونگے - یعنی خیار رویت و خیار عیب اور وقت استحقاق کے ثمن واپس لینا (یعنی اگر جائداد مبیعہ یا اوس کے ایک جزو پر کسی نے اپنا حق ثابت کر کے لے لیا تو شفیع اپنا ثمن واپس کر سکتا ہے) لیکن شفیع تاوان غرور واپس نہین لے سکتا ہے حتی کہ اگر اوس نے اراضی مشفوعہ مین عمارت بنائی پھر وہ اراضی استحقاق ثابت کر کے لے لی اور شفیع کو حکم دیا گیا کہ اپنی عمارت توڑے تو شفیع کو یہ اختیار ہوگا کہ جس سے اوس نے وہ اراضی خریدی ہے اوس سے اپنا ثمن واپس لے اور مشہور روایت کے موافق یہ اختیار نہوگا کہ عمارت کی قیمت واپس لے مگر امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ عمارت کی قیمت بھی لے سکتا ہے - مگر مشتری ایسی صورت مین تاوان غرور لے سکتا ہے - تاتارخانیہ -

واگر اندر میعاد کے ثمن ادا نہ کیا گیا تو حق شفعہ ساقط ہو جائیگا - گو ڈگری مین ایسا کوئی حکم بھی نہ ہو - وبرطبق اپیل عدالت اپیل نے میعاد مین توسیع نہ کی ہو[52] لیکن اگر میعاد معینہ

---

[51] درگاپرشاد بنام نوازش علی الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۹۱ و نوبت سنگھہ بنام کشن سنگھہ الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۳ ۵ ۵ و ننددپرشاد ٹھاکر بنام گوپال ٹھاکر کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰۸ [52] جی کشن بنام بہولا ناتھہ الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۵۲۹ و چیدا بنام امداد حسین و بہولو سنگھہ بنام رحیم کنور ہفتہ وار ۱۸۸۸ء صفحہ ۴ و ۲۲ - نیز دیکھو بہنگن بنان بنام گنگا پرشاد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ - و دیپا سنگھہ بنام جوالا سنگھہ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۶۵ - و کرم خان بنام نتھن خان ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۳ء صفحہ ۴ - و شمار میعاد کی نسبت دیکھو بشیشر ناتھ بنام حبیب الدین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۲۱۷ و دیبی دین رائے بنام محمد علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۰۰ -

عدالت ماتحت قبل دائر ہونے اپیل کے یا دوران اپیل مین منقضی ہوگئی ہے تو عدالت اپیل کو اختیار تمیزی حاصل ہے کہ میعاد کو توسیع کردے[۵۱] اگر شفیع کو ڈگری مین اوسکا خرچہ دلایا گیا ہو تو وہ ثمن سے مجرا لے سکتا ہے اور ایسے خود خواستہ مجرائی سے اوسکا حق شفعہ ساقط نہو گا[۵۲]۔ اگر عدالت اپیل نے ثمن زیادہ کیا تو میعاد معینہ کا شمار عدالت اپیل کے فیصلہ سے ہوگا[۵۳]۔ اور جب میعاد معینہ کے اندر روپیہ جمع ہوجاے تو روپیہ مشتری کا ہوگیا یعنی جسکے لیے جمع کیا گیا ہے اور حقیت شفیع کی[۵۴]۔

اگر کسی شریک کی حقیت خرید کرکے مشتری نے اوس حقیت کی دخل یابی کا دعوی کیا تو مدعا علیہ قابض یہ جوابدہی نہین کرسکتا کہ اوسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے۔ اگر اوسکو حق شفعہ حاصل ہے تو جداگانہ نالش کرے[۵۵]۔

مقدمات شفعہ مین ڈگری | ہر مقدمہ کی ضرورت کے موافق ڈگری اسطرح مرتب ہونی چاہیے جس سے واقعی دادرسی مطلوبہ فریقین عطا ہونی ممکن ہو۔ دعوی شفعہ مین شفیع کو معاملہ سے تجزیہ کرنے کی اجازت نہین دیجاسکتی۔ اسیطرح ڈگری بھی ایسی نہ مرتب ہونی چاہیے جس سے معاملہ کا تجزیہ ہوتا ہو۔ اسلئے جب دو مساوی الحقوق شفیع کے حق مین شفعہ کی ڈگری ہو تو ڈگری مین ایک میعاد مقرر ہونی چاہیے جسکے اندر ہر شفیع کو اپنے حصہ کا زر ثمن ادا کرنا لازم ہو اور اگر دونون مین سے کوئی اپنے حصہ کا روپیہ

---

۵۱ اجلاس کامل کودی سنگھ بنام جنسری سنگھ الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۶ نیز دیکھو وزیر خان بنام کالے خان ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۲ء صفحہ ۳ ۵۲ ایشری بنام گوپال سرن الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۵۱ جسمین کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۷ کی تقلید کی گئی ۵۳ مہیش بنام بدیا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۰۰ ۵۴ حکیم ولایت علی بنام عبد السلام ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۱۳ ۵۵ اجودھیا بخش سنگھ بنام عرب علیخان الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۸۹۔

مابین میعاد نہ ادا کرے تو دوسرا شفیع جو میعاد کے اندر روپیہ ادا کرے اول شفیع کے حصہ کا بقیہ ثمن ادا کرنے پر مستحق ہوگا[۵۱]۔ لیکن جب منجملہ دو شفیعان کے ایک شفیع کا حق مرجح ہے تو کل جائداد مبیعہ کی نسبت اوسکا دعوی شفعہ ڈگری ہوگا مگر دوسرے شفیع کا دعوی قطعی طور پر ڈسمس نہ ہوگا۔ بلکہ اوسکو شرطیہ ڈگری اسطور پر دیجائیگی کہ اگر شفیع مقدم اپنی ڈگری میعاد معین کے اندر نافذ نہ کرائے تو دوسرا شفیع ایک مزید میعاد کے اندر زرثمن ادا کرکے جائداد مبیعہ حاصل کرے[۵۲] کیونکہ اگر اس طور پر ڈگری نہ مرتب ہوئی تو اول الذکر صورت مین ایک شفیع کے ثمن نہ داخل نہ کرتے سے اقل درجہ نصف جائداد مبیعہ مشتری کے پاس رہجائیگی اور صورت ثانی مین اگر شفیع اعلی نے کسی وجہ سے خواہ روپیہ نہ ہونے کے باعث یا مشتری سے سازش کرکے ثمن نہ داخل کیا تو کل جائداد مبیعہ مشتری کے قبضہ مین رہجائیگی جس نے پہلے حق شفعہ کے قانون کے خلاف ورزی کرکے جائداد خریدی تھی لیکن اول الذکر صورت مین اگر ہر دو شفیعان نے اپنے اپنے حصہ کا ثمن میعاد کے اندر نہ داخل کیا تو اونمین سے کوئی مزید میعاد کے اندر دوسرے شفیع کے حصہ کا ثمن ادا کرکے اوسکا حصہ شفعہ کے استحقاق سے نہین لے سکتا[۵۳]۔

تمادی نالشات شفعہ مین حسب مد ۱۰ قانون تمادی ایک سال کی میعاد مقرر ہے مگر میعاد اوس روز سے شروع ہوگی جب مشتری کا قبضہ مبیع پر ہو جائے یا اگر مبیع پر واقعی قبضہ نہ ہوسکتا ہو تو تاریخ رجسٹری بیعنامہ سے محال غیر منقسمہ کا حصہ ناقابل

---

[۵۱] مہابیر پرشاد بنام رام دیال الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۹۱ [۵۲] کاشی ناتھ بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۷۰۔

[۵۳] ارجن سنگھ بنام سرفراز سنگھ الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲۔

قبضہ واقعی سے اسکے تاریخ رجسٹری سے میعاد محسوب ہوگی[۵۱] لیکن معاملات

بیع بالوفا سے ۱۰ ارٹیکل نہین ہے بلکہ ۱۲۰ ارٹیکل ہے جسمین ۶ سال کی میعاد ہے[۵۲]

اور اگر بیع بالوفا تمام ترجائداد ہر ہوتی پر قابض تھا اور بعد بیعیات کے اوسکو نالش

۔۔ اہمیت کرنی پڑی تو تاریخ ڈگری عدالت سے شمار میعاد ہونا چاہیے و مدہ ۱۲۰ ارٹیکل ہوگی[۵۳]

محنتانہ وکیل | نالشات شفعہ مین محنتانہ وکیل اوس ثمن پر محسوب ہوگا جو عدالت نے

صحیح تجویز کیا ہے نہ کہ ثمن مظہرہ مشتری پر یا مالیت جائداد پر جسپر کورٹ فیس ادا ہوا ہے[۵۴]

فصل یازدہم ۔ شفعہ واجب العرض

جو حق شفعہ کہ واجب العرض پر مبنی ہوتا ہے وہ ایسا ضعیف حق نہین ہے کہ مثل شفعہ

شرعی کے تھوڑے سے حیلہ و فرو گذاشت سے باطل ہو سکے بلکہ وہ ایک مستقل

حق ہے جسکا نفاذ اوسی سختی سے کیا جائیگا جیسے قانوناً معاہدون کا نفاذ ہوتا ہے

طلب مواثبت وغیرہ کے متعلق جو شرعی احکام ہین اونکی تعمیل کی ضرورت اون مقدمات

شفعہ مین نہین ہے جو واجب العرض کی بناء پر ہون تا وقتیکہ رواج یا معاہدہ مندرجہ

واجب العرض مین اون شرایط کی تعمیل ضروری نہ قرار دی گئی ہو[۵۵] شفعہ شرعی مین شفیع کو

---

[۵۱] اونکار داس بنام نراین الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ و نیز دیکھو بہوسے بنام رام علی صفحہ ۱۷۹ اجلد مذکور [۵۲] ناتھ پرشاد بنام رام پلٹن رام الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۱۸ و رحیم الہی خان بنام گسیٹا الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۳۷۵ تاریخ بیعیات سے شمار میعاد ہوگی و نیز دیکھو عاشق علی بنام متھرا کاندو الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۷ [۵۳] رتن لال بنام گجراج سنگھ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ [۵۴] دیبی سنگھ بنام بھوپ سنگھ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۷۰۹ [۵۵] رامدیال بنام بیدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۲۳ و محمد رستم علیخان بنام بہادر سنگھ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۱۴

وہ زرِ ثمن ادا کرنا چاہیئے جو مشتری نے ادا کیا ہے بخلاف اسکے اگر شفعہ بربنائے واجب العرض ہے تو اس اصول عام مین خاص معاہدہ یا رواج سے فرق آسکتا ہے

شرایط واجب العرض کس پر واجب التعمیل ہین

جملہ اشخاص جو شریک تحریر واجب العرض ہون یا جنہون نے اپنے فعل یا ایسے سکوت سے جس سے رضامندی مستنبط ہوتی ہو اوس تحریر پر رضامندی ظاہر کی ہو اون سب پر واجب العرض کی تعمیل واجب ہے۔[51] واجب العرض پر گو کسی حصہ دار یا نمبردار نے دستخط نہ کیے ہون اور یہ ظاہر ہو کہ صرف پٹواری نے اوسکو مرتب کرایا ہے تاہم اگر مدت تک کسی حصہ دار نے اوسپر کوئی اعتراض نہین کیا تو وہ واجب العرض جملہ حصہ دارون پر واجب التعمیل ہے[52] گو ایک زمانہ مین یہ راے تھی کہ اگر بایع نے واجب العرض پر دستخط نہ کیے ہون تو وہ اوسپر قابل پابندی نہ ہوگا[53] بمقدمہ الیشر سنگھ بنام گنگا[54] تجویز ہوئی کہ جو واجب العرض موافق قانون کے مرتب و مصدق ہوا ہو وہ بادی النظر ثبوت اوس رواج کا ہے جو اوسمین درج ہے۔ لیکن اوسکی تردید وہ شخص کرسکتا ہے جو رواج مذکور پر معترض ہو جبکہ واجب العرض مین استحقاق شفعہ بذریعہ معاہدہ فیمابین حصہ داران تحریر ہوا ہو تو واجب العرض مذکور اوس معاہدہ کا ثبوت ہے جو جملہ فریق معاہدہ اور اونکے قایمقامون پر واجب التعمیل ہے۔ اور قیاس یہ ہوگا کہ جملہ شرکا اوس معاہدہ پر اور اوسکے اندراج پر راضی تھے۔ اور اس قیاس کی تردید اون شرکا کے ذمہ ہے جو معاہدہ مذکور پر معترض ہین[55] مگر ایک مقدمہ مین[56] واجب العرض کی پابندی بایع پر واجب نہ قرار دیگئی

---

[51] گردہاری لال بنام امراؤ سنگہ ۲- اپریل ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۴۹ [52] رستم علیخان بنام عباسی بیگم الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۷ و مجیدن بی بی بنام شیخ حیاتن ہفتہ وار ۱۸۹۸ء صفحہ ۳ [53] جے کشور بنام ٹھاکر داس ۷- فروری ۱۸۶۹ء صفحہ ۷۵- [54] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۸۷۶ [55] محمد حسن بنام منالال الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۴۳۳ و داودسے رام بنام مولا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۸۹ [56] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۶-

اس مقدمہ مین واجب العرض سنہ ۱۸۶۳ء مین مرتب ہوا تھا - اوس زمانہ مین ما بیع ایک موضع مین موجود نہ تھا اور بیع کرنے سے تھوڑے عرصہ قبل گانون مین آیا تھا اوسکی طرف سے کوئی سکوت یا رضامندی خیال نہین کیجا سکتی تھی - بندوبست کے بعد جو شخص حصہ دار موضع ہوا اوسپر بھی شرط شفعہ کی پابندی لازم ہے[۵۱] - اول ایک محال تھا جسکے تین محال بعدمین قایم کئے گئے اور شفعہ کی شرط پہلے محال کے واجب العرض مین درج تھی - بٹوارہ مکمل کے بعد ایک حصہ دار نے اپنا حصہ شخص اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا کوئی جدید واجب العرض مرتب نہین ہوا تھا - بحث یہ تھی کہ محال سابق کی واجب العرض کی بنا پر شفعہ جایز ہے یا نہین تجویز ہوئی کہ وہی سابق کا واجب العرض واجب التعمیل ہے[۵۲] اسیطرح اگر بندوبست سابق کے واجب العرض مین شرط شفعہ تھی مگر بعد کے بندوبست مین جو واجب العرض مرتب ہوا اوسمین شفعہ کی نسبت کوئی شرط تحریر نہین ہوئی - تو تجویز ہوئی کہ واجب العرض سابق سے رواج شفعہ ثابت ہوسکتا ہے[۵۳] لیکن اگر کسی موضع کی تکمیل بٹوارہ کے وقت جدید واجب العرض مرتب ہوا ہو جسکی روسے ایک محال کے حصہ داران کو دوسرے محال کے آراضی پر استحقاق شفعہ نہ دیا گیا ہو تو ایک محال کے حصہ دار کو دوسرے محال کی اراضی پر شفعہ کا حق نہ حاصل ہوگا -[۵۴]

تعبیر واجب العرض واجب العرض کی تعبیر کرنے مین صرف اوسکے الفاظ پر لحاظ نہ ہونا چاہیے بلکہ اون اشخاص کی نیت پر لحاظ کرنا چاہیے جنکی خواہش کے مطابق

---

۵۱ مال ول سنگھ بنام رام غلام ۱۵ - اپریل سنہ ۱۸۶۴ء صفحہ ۳۲۷ ۵۲ شیام سندر بنام امانت بیگم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۳۴ ۵۳ سادہو ساہو بنام راجارام الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۴۰ ۵۴ گھورسے بنام مان سنگھ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۲۶ -

وہ واجب العرض مرتب ہوا ہے اس امر کے متعلق بعض مقدمات مین حکام نے
اپنی راے اسطرح پر تحریر کی ہے - کہ واجب العرض کے مرتب کرنے مین اکثر بہت
بے ترتیبی ہوتی ہے اوسکی تحریر و تصدیق کم تنخواہ کے افسرون کے متعلق ہوتی ہے
اسلیے صرف واجب العرض کے الفاظ پر لحاظ کرنا جبکہ متعاقدین کی نیت و غرض
اوسکے خلاف ہو مناسب نہین ہے[۵ل] - ایک دوسرے مقدمہ مین[۲ل] حکام تحریر فرماتے
ہین کہ واجب العرض کی تعبیر کرنے مین اون اشخاص کی نیت و غرض کا لحاظ
بطور اصول ہدایتی ہونا چاہیے جنکی خواہش کے مطابق وہ مرتب ہوا ہے - اور
جب کسی واجب العرض کے الفاظ مین ابہام ہو تو اوسکی ایسی تعبیر ہونی چاہیے جو
غرض مذکور کے سب سے زیادہ مطابق ہو - واجب العرض مین شفعہ کی شرط مندرج
کرانے سے شرکا دیہہ کا مقصود سوائے اسکے کچھہ اور نہین ہوتا کہ اشخاص اجنبی
شریک نہ ہوسکین - واجب العرض کے مرتب کرنے مین اوس احتیاط سے کام نہین
لیا جاتا جیسا کہ ہونا چاہیے - اکثر ناخواندہ اشخاص اوسکو مرتب کرتے ہین اور یہی وجہ
ہے کہ اکثر اوسمین ایسے مبہم الفاظ پائے جاتے ہین جنکی صحیح تعبیر کرنی دشوار ہوتی ہے

شفع نیلامی

ہم اوپر لکھہ چکے ہین کہ بیع جبریہ یعنی نیلام وغیرہ مین بموجب شرع محمدی یا واجب العرض
کے شفعہ نہین ہوسکتا کیونکہ ان دو طریقون سے جو شفعہ ہوتا ہے وہ صرف ایسے انتقالات
سے متعلق ہے جو برضامندی باہمی عمل مین آئے ہون - نیلام یعنی جبریہ انتقال مین
شفعہ صرف اوس صورت مین ہوسکتا ہے جب اوس خاص قانون یا ایکٹ مین جسکے

[۵ل] ۳۱ جنوری ۱۸۶۱ع صدر آگرہ [۵۴] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ع صفحہ ۲۱۳ -

بموجب نیلام واقع ہوا ہے استحقاق شفعہ عطا ہوا ہو۔
اس قسم کے شفعہ سے شرع محمدی کے احکام متعلق نہ ہونگے بلکہ اُن قواعد کی پابندی کرنی چاہیے جو اوسکے متعلق اوس خاص قانون یا ایکٹ مین درج ہین۔
عدالت ہاے دیوانی کی ڈگریون مین جو نیلام ہوتے ہین اونمین حق شفعہ بموجب دفعہ ۳۱۰ ضابطہ دیوانی کے ہوسکتا ہے۔ دفعہ مذکور حسب ذیل ہے "اگر وہ جائداد جو بعلت اجراے ڈگری نیلام کیجاوے کوئی حصہ جائداد غیر منقولہ غیر منقسمہ کا ہو اور دو یا کئی اشخاص ہمین ایک حصہ دار اوس جائداد کا ہو اوس نیلام کے وقت کسی بولی مین ایک ہی تعداد کی بولی بولین تو وہ بولی حصہ دار کی سمجھی جائیگی"
اس دفعہ مین گو لفظ شفعہ بالصراحت مذکور نہین ہے مگر اخیر جملہ یعنی "وہ بولی حصہ دار کی سمجھی جائیگی" سے مقصود حق شفعہ ہے اسی دفعہ مین وہ قاعدہ بھی بتلا دیا گیا ہے جسپر شفیع کو عمل کرنا چاہیے یعنی یہ کہ اوسکو چاہیئے کہ وقت نیلام کے وہ اوسی تعداد کی بولی بولے جس تعداد کی بولی اشخاص غیر بولتے ہین ورنہ اوسکو حق شفعہ نہ حاصل ہوگا[۵۱] چنانچہ اسی بنا پر ایک مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ جب شریک جائداد کو بھی نیلام مین ویسے ہی موقع بولی بولنے کا حاصل ہے جیساکہ غیرون کو ہے تو حق شفعہ نہ پیدا ہوگا[۵۲]۔ سابق کے ایکٹ مین یہ الفاظ تھے "دو واسے مدیون ڈگری کے اور کوئی شریک" لیکن یہ الفاظ دفعہ ۳۱۰ ضابطہ دیوانی مین داخل نہین اسلئے مدیون ڈگری بھی مثل شریک کے مستحق خریداری ہے۔

---

[۵۱] تیج سنگھ بنام گوبند سنگھ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۸۵۰ و الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۸۲ و ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۰۹ و بمقدمہ سری کشن بنام دہنی رام ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۰۸ یہ تجویز ہوئی کہ جب شفعہ از روے خاص قانون کے پیدا ہوا ہے تو اوسکی تعبیر سختی سے ہونی چاہیے [۵۲] بنگال لارپورٹ جلد ا صفحہ ۱۰۵۔

دفعہ مذکورہ کے بموجب شفعہ صرف اوس صورت مین پیدا ہوگا جب شخص غیر سے مقابلہ ہو واگر دو شریک نیلام مین بولی بولین تو اونمین سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی گو ایک حصہ دار قریبی ہو و دوسرا حصہ دار بعید - چنانچہ ایکٹ ۲۲ سنہ ۱۸۶۱ع کے بموجب یہ تجویز ہوئی کہ دوسری پٹی کا شریک بمقابلہ اوس شخص کے جو اوسی خاص پٹی مین شریک ہے شخص اجنبی نہین ہے[۵۱]۔

اگر خریدار درحقیقت حصہ دار ہے مگر شخص اجنبی کے نام سے نیلام خریدا تو شفعہ نہین ہے[۵۲] ورنہ اوس صورت مین شفعہ ہے جب صرف حق مرتہنی کا نیلام عمل مین آئے[۵۳] نہ مرتہن دعوی شفعہ کا مجاز ہے[۵۴]۔

دفعہ مذکور محکمہ مال کی اجرائے ڈگری سے متعلق نہین ہے[۵۵] ایکٹ نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۷۳ع کی دفعہ ۱۸۸ کی روسے بھی حق شفعہ دیا گیا ہے۔

اس دفعہ مین جو لفظ پٹی واقع ہوا ہے اوسکی تعبیر مین حکام ہائیکورٹ نے بمقدمہ بیجناتھ بنام سیتل سنگھ[۵۶] اختلاف کیا ہے[۵۷]۔

---

[۵۱] الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۲ و جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ [۵۲] گنگا رام بنام مولا الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ [۵۳] بیسرام داس بنام ہیتی پرشاد الہ آباد جلد ۳ - صفحہ ۱۵ [۵۴] جلد ۷ ممالک مغربی وشمالی صفحہ ۲۸۱ دوار کا پرشاد [۵۵] الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۷ [۵۶] الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۴ [۵۷] نراین سنگھ بنام محمد فرح الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۷ -

سید امیر علی لکھتے ہین کہ قدیم کتابون سے پایا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت مین بھی عرب مین وصیت کا رواج تھا مگر اون کتابون سے یہ نہین پتہ چلتا کہ کن کن صورتون مین وصیت جائز ہوتی تھی اور کس صورت مین نہین ۔ قوم یہود جو عرب مین سکونت رکھتی تھی شرعاً وصیت کے ذریعہ سے کسی وارث کو محروم الارث کرنے یا کسی اجنبی کو اپنا وارث بنانے سے ممنوع تھی ۔ لیکن جب انتقال کے ساتھ ہی قبضہ بھی دیدیا جاتا تھا تو یہودی اسے جائز سمجھتے تھے ۔ وصیت زبانی یا تحریری دونون طرح پر ہوسکتی ہے لیکن زبانی وصیت کو ترجیح دیجاتی تھی[۱] ۔ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۷ وصیت واجب نہین بلکہ مستحب ہے لیکن قیاس چاہتا ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ موصی نے وصیت سے ایسے حالت مین موصی لہٗ کو ایک چیز کا مالک بنایا جب اوسکی ملکیت زائل ہوچکی تھی ۔ حالانکہ اپنے مالک ہونے کی حالت مین اگر موصی زمانہ آیندہ کی طرف مضاف کرے مثلاً کہے کہ مین نے تجھے آیندہ کل کے روز اس چیز کا مالک کیا تو یہ باطل ہوتا ہے پس اپنی ملکیت زائل ہونے کے بعد بدرجہ اولی باطل ہوگا ۔ لیکن ہمنے اس قیاس کو

۱؎ تمیز بیگم بنام فرحت حسین ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۵۵ و متعلق مذہب شیعہ ابن الدولہ بنام روشن علیخان اپیلہائے ہند مور صاحب جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ یہ دونون نظیرین خلاصہ نظائر ۳۲۷ مین ہین ۔

چھوڑ دیا اور وصیت کو استحساناً جائز رکھا کیونکہ لوگون کو اسکی حاجت ہے اسواسطے
کہ انسان اپنی زندگی کی امیدون پر مغرور ہوتا ہے اور نیک اعمال کرنے سے غافل
پھر جب اوسے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے اور وہ موت سے خائف ہوتا ہے تو اوسے
حاجت پڑتی ہے کہ اپنی تقصیر کی تلافی مال سے اسطرح پر کرے کہ اگر اوسکی تلافی
پوری ہوجاے تو اوسکا مقصد اُخروے حاصل ہوجائے اور اگر اوسکو صحت ہوگئی
تو اوس مال کو دنیاوی ضرورتون مین صَرف کرے اور وصیت کے مشروع کرنے
سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے اسیلیے وصیت مشروع ہی۔ اور رہا قیاس کہ ملکیت نہین
رہتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ بعد موت کے بھی بلحاظ ضرورت ملکیت باقی رہتی ہے
جیسے میت کے ترکہ مین بقدر تجہیز و تکفین اور بقدر قرض زوجگی میت کے میت کی
ملکیت باقی رہتی ہے۔ جواز وصیت کی نسبت قرآن مجید بھی ناطق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ "تقسیم ترکہ بعد اجراے وصیت میت و بعد اداے قرضہ میت کے ہے"
اور حدیث بھی اسکی نسبت ناطق ہے جیسا کہ حدیث مین آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے
تمہارا ایک ثلث مال تمہارے آخری حصہ عمر مین تم پر صدقہ کیا تاکہ تمہارے اعمال مین
زیادتی ہو۔ اوسکو تم جہان چاہو اور جیسے پسند کرو صرف کرو" اور جواز وصیت پر امت کا
اجماع ہے پس اجنبی کے واسطے ایک ثلث تک وصیت کرنا بلا اجازت وارثون کے
بدلیل حدیث مذکورہ بالا صحیح ہے۔ لیکن ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت وصیت جائز
نہین ہے جیسا کہ حدیث سعد ابن ابی وقاص سے ظاہر ہوتا ہے[۱]

---

[۱] حدیث یہ ہے۔ سید امیر علی کی کتاب جلد اول صفحہ ۵۸۴ و ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ - سعد ابن ابی وقاص
فرماتے ہین کہ فتح مکہ کی سال جب مین سخت بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہوگیا اور رسولِ خدا میری
عیادت کے لئے تشریف لائے تو مین نے اون سے عرض کی کہ خدا کے فضل سے میرے پاس

فصل دویم - وصیت

فتاوی عالمگیری جلد ۴ - بطور احسان مرنے کے بعد مالک کرنے کو وصیت کہتے ہین
اور جس چیز کا مالک کرنا ہے خواہ وہ عین ہو یا منفعت ہو دونون صحیح ہین -
رکن وصیت کا یون کہنا ہے کہ مین نے اس چیز کی فلان شخص کے واسطے وصیت
کی یا فلان شخص کے لیے اس چیز کی وصیت کی - وصیت مین موصی لۂ کا صریحاً یا دلالتاً
قبول کرنا شرط ہے - دلالتاً قبول کرنے کی یہ صورت ہے کہ موصی لۂ وصیت رد کرنے
سے پہلے مرجائے تو اوسکا مرنا وصیت کا قبول کرنا ہے پس اوسکے وارث اس وصیت
سے میراث پائینگے - قبول وصیت موصی کے مرنے کے بعد ہوتا ہے پس اگر موصی کی
زندگی مین موصی لۂ نے وصیت قبول کی یا رد کی تو یہ باطل ہے اسکا کچھ اعتبار نہین ہے
اور موصی کے مرنے کے بعد اوسکو قبول کرنیکا اختیار حاصل ہوگا - قبول جیسے قول
سے ہوسکتا ہے ویسے ہی فعل سے - مثلاً وصیت کا نافذ کرنا یا قرضہ کا ادا کرنا -
شرط وصیت یہ ہے کہ موصی تملیک یعنی مالک کردینے کی اہلیت رکھتا ہو اور موصی لۂ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷ بہت مال واسباب ہے لیکن ایک لڑکی کے سوا میرا کوئی دوسرا وارث نہین ہے
تو کیا مجھے اجازت ہے کہ مین اپنا کل مال وصیت کردون آپ نے فرمایا نہین - اور جب مین نے دو ثلث
و نصف مال وصیت کرنے کی نسبت دریافت کیا تو پھر نفی مین جواب ملا لیکن جب مین نے کہا کہ ایک ثلث کی
وصیت کرسکتا ہون تو آپ نے فرمایا ”ہان تم ایک ثلث کی وصیت کرسکتے ہو لیکن وصیت کے لیے ایک
ثلث بھی زیادہ ہے اور فرمایا کہ تو اپنے وارثون کو مالدار چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ اونکو مفلس چھوڑے
کہ لوگون کے آگے ہاتھ پھیلاوین“ ۔۔۔۔ا؎ موصی - وصیت کرنیوالا - موصی بہٖ - جو چیز وصیت کی گئی ہے
موصی لۂ - جسکے حق مین وصیت کی گئی ہے - وصی - قایمقام و خلیفہ میت یعنی موصی -

تملک یعنی مالک ہونے کی اہلیت رکھتا ہو اور دوسری یہ کہ موصی بہ ایسا مال ہو جو قابل
تملیک ہو۔ حکم وصیت کا یہ ہے کہ موصی لہٗ کو ملک جدید حاصل ہو جاتا ہے جیسے ہبہ مین۔
ایک ثلث سے کم وصیت کرنا مستحب ہے خواہ اوسکے وارث غنی ہون یا محتاج۔
جسکے پاس قلیل مال ہو تو افضل یہ ہے کہ بالکل وصیت نہ کرے بشرطیکہ اوسکے
وارث ہون۔

موصی لہٗ قبول کرنے سے مالک ہو جاتا ہے پس اگر موصی کے مرنیکے بعد موصی لہٗ نے وصیت
قبول کی تو موصی بہ مین اوسکی ملکیت ثابت ہو جائیگی خواہ اوسپر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اگر موصی لہٗ
نے وصیت رد کی تو رد ہو جائیگی[لہ]۔

[لہ] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۰ مین اس مسئلہ کے متعلق اسطرح لکھا ہے۔ موصی بہ۔ قبول کرنے سے۔ موصی لہٗ۔ کی
ملکیت مین داخل ہوتی ہے۔ بخلاف قول امام زفر کے اور امام شافعی کا بھی دو قولون مین سے ایک قول یہی ہے
زفر فرماتے ہین کہ وصیت مثل میراث کے ہے کیونکہ ان دونون مین سے ہر ایک میت کی جانب سے خلافت ہو
کیونکہ یہ مورث کی ملکیت سے منتقل ہو کر وارث یا موصی لہٗ کی ملکیت مین آتی ہے۔ اور میراث بالاتفاق بغیر قبول
کے ثابت ہوتی ہے پس وصیت بھی بغیر قبول کے ثابت ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک جدید ملکیت
کا اثبات ہے یعنی خلافت نہین ہے۔ اور اسیوجہ سے۔ موصی لہٗ۔ بوجہ عیب کے اوسکو واپس نہین کرسکتا اور نہ بوجہ عیب
کے اوسے واپس دیجا سکتی ہے (۱) اور کوئی شخص دوسرے کی ملکیت ثابت نہین کرسکتا تاوقتیکہ دوسرا قبول نکرے

(۱) واپسی کی یہ صورت ہے کہ مریض نے کوئی چیز خرید کر کے زید کے واسطے وصیت کی اور پھر مر گیا اور زید نے
اوس چیز کو عیب دار پایا تو بایع کو واپس نہین کرسکتا یا مریض نے اپنا کل مال زید کے لئے وصیت کی
پھر اپنی زندگی مین کوئی چیز فروخت کی اور بعدہ مر گیا اگر مشتری اس بیع مین کوئی عیب پاوے تو زید کو واپس
نہین کرسکتا لیکن ورثا ر دونون صورتون مین بجاے میت کے متصور ہونگے اور وہ واپس کرسکتے ہین
اور اونکو واپس دیا جاسکتا ہے۔

اجنبی کے واسطے بلا اجازت وارثون کے وصیت جائز ہوجاتی ہے - لیکن تہائی سے زیادہ کی بابت اوس حالت مین جائز ہوگی جب وارث موصی کی موت کے بعد اجازت دیدین اور وے بالغ ہون - موصی کی زندگی مین وارثون کی اجازت دینے کا کچھہ اعتبار نہین حتی کہ بعد موت موصی کے وے اپنی اجازت سے رجوع کرسکتے ہین یا اوسکو رد کرسکتے ہین[۵۱] -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹ وراثت البتہ خلاف ہے اور اوسمین واپس لینے اور واپس کرنے کے احکام ثابت ہین - اسلیئے وراثت کی ملکیت جبراً بدون قبول کے شرعاً ثابت ہوتی ہے - پس بغیر قبول کے موصی لہٗ کی ملکیت ثابت نہین بجز ایک صورت کے وہ یہ ہے - کہ موصی بعد وصیت کے مرجائے اور قبول کرنے سے پہلے موصی لہٗ مرجاے تو موصی بہ - استحساناً - موصی لہٗ کے وارثون کی ملک مین داخل ہوگی - قیاس یہ چاہتا تہا کہ وصیت باطل ہوجاتی کیونکہ ابہی بیان ہوچکا ہے کہ ملکیت قبول کرنے پر موقوف ہے تو ایسا ہوگا کہ ایجاب بایع کے بعد قبول سے پہلے مشتری مرگیا - لیکن یہ قیاس ترک کرکے استحسان اسوجہہ سے اختیار کیا گیا کہ موصی کی جانب سے وصیت پوری ہوگئی یعنی اوسکی موت سے عقد وصیت اسطرح پر منعقد ہوگیا کہ اب فسخ نہین ہوسکتا - اور توقف صرف موصی لہٗ کے حق کی وجہہ سے رہا تہا - پس جب موصی لہٗ مرگیا تو یہ چیز اوسکی ملکیت مین داخل ہوگئی جیسے اوس بیع مین کہ جس مین مشتری کے واسطے خیار کی شرط ہو کہ جب اجازت سے پہلے مشتری مرجائے تو پوری ہوجائیگی -

۵۱ نصرت علی بنام زین النسا ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۴۶ مدراس ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۳۵ یا خلاصہ نظائر ۲ ص ۳۷ - اجازت کے ثبوت کے لئے وارث کا کوئی ایسا فعل ثابت کرنا چاہیے - جو وقت وصیت یا بعد مین اوس نے کیا ہے اور جس سے وصیت سے رضامندی پائی جاتی ہو - اگر وارث اوس مکان مین رہتا ہے جو وصیت نامہ مین اوسکو دیا گیا ہے تو فقط اس سے اوسکی اجازت مفہوم نہ ہوگی - رام کمار چندر راے بنام فقیر النسا بیگم انڈین جیورسٹ جلد ا صفحہ ۱۱۹ - خلاصہ نظائر ۳ ص ۳۷ - لیکن اگر وارث نے بلاجبر و اکراہ وصیت نامہ پر اپنے دستخط کیے تو اوس سے رضامندی ثابت ہوگی - خلاصہ نظائر ۳ ص ۳۷ -

اگر کسی نے اپنا کل مال وصیت کر دیا اور اوسکا کوئی وارث نہین ہے تو وصیت نافذ ہوگی۔ ہدایہ صفحہ ۶۴۲ - وارث کے واسطے وصیت جایز نہین کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالی نے ہر ذی حق کو اوسکا حق دیدیا۔ خبردار ہو کہ کسی وارث کے واسطے وصیت نہین ہے کیونکہ ایک وارث کے حق مین وصیت کرنے سے دوسرے وارث کو اذیت ہوگی تو اوسکو جائز رکھنے مین قطع رحم لازم آتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ وصیت کا مقصود جیسا کہ اوپر بیان ہوا میت کی تقصیرات کی تلافی کرنی منظور ہوتی ہے۔ اور یہ بات وارث کے حق مین وصیت کرنے سے حاصل نہین ہوسکتی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ میت اونپر صدقہ نہین کریگی۔ ثالثاً یہ کہ حدیث مین آیا ہے کہ وصیت مین حیف یعنی ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے اور وصیت مین حیف کرنے کی تفسیر فقہا نے یہ کی ہے کہ ایک ثلث سے زیادہ وصیت کرے یا وارث کے حق مین وصیت کرے۔

وارث کی اجازت وارث کے واسطے وصیت جائز نہین الا اوس صورت مین جب دیگر ورثا اجازت دین (ہدایہ) کیونکہ وصیت کا جائز نہ ہونا وارثون کے حق کی وجہ سے تھا اس لیے اونکی اجازت سے جائز ہوجائیگی۔ فتاوی عالمگیری - موصی لہٗ کے وارث یا غیر وارث ہونیکا اعتبار موصی کی موت کے وقت ہے نہ وقت وصیت کے۔ مثلاً اگر اپنے بھائی کیواسطے وصیت کی اور وقت وصیت کے وہ وارث تھا پھر موصی کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو بھائی کے واسطے جو وصیت کی ہے وہ صحیح ہوگی۔ و اگر بموجودگی ایک لڑکے کے بھائی کے واسطے وصیت کی پھر موصی کی زندگی مین وہ لڑکا مر گیا تو بھائی کے حق مین جو وصیت ہے وہ باطل ہوجائیگی۔ اور جب وارث کی اجازت سے وصیت جائز ہوئی تو جسکے حق مین وصیت پائی گئی وہ موصی بہ کا مالک ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے ہوگا اور ملکیت بغیر قبضہ کے تمام ہوجائیگی لیکن امام شافعی کے نزدیک اجازت دہندہ وارث کی طرف سے

مالک ہوگا۔ موصی بہ مین شیوع ہونا صحت اجازت کے مانع نہین ہے اور پھر وارث کو اختیار
نہ رہےگا کہ اجازت سے رجوع کرے۔ اگر اجازت دینے والا بالغ ہے مگر مریض ہے
پس اگر اس مرض سے اوسکو صحت ہوگئی تو اجازت صحیح ہوگی یا اگر اس مرض سے مرگیا تو اوس
مریض کا اجازت دینا بمنزلہ ابتدائی وصیت کے ہوگا۔ چنانچہ اگر موصی لہٗ اوسکا وارث ہو
تو اجازت جائز نہ ہوگی الا اوس صورت مین کہ مریض کے وارث اجازت دیدین۔ لیکن اگر
موصی لہٗ وارث نہ ہو بلکہ اجنبی ہو تو جائز ہو جائیگی مگر مریض کے ثلث مال سے معتبر ہوگی۔
اگر بعض وارث نے اجازت دی اور بعض نے نہین تو اجازت دینے والے کے
حصہ کی بہ قدر جائز ہوگی اور اجازت نہ دینے والے کے حصہ مین باطل ہوگی۔
اجازت اوس حالت مین صحیح ہوگی جب اجازت دہندہ بالغ و عاقل و تندرست ہوگا۔

مذہب شیعہ (سید امیر علی) شیعہ مذہب مین اگر موصی نے اپنے کل مال کا ثلث کسی وارث
کو وصیت کی تو بغیر اجازت دوسرے ورثا کے بھی وہ وصیت صحیح ہے[۱]۔ لیکن جب
وصیت ایک ثلث سے زاید کی بابت ہو تو بدون اجازت دیگر ورثا کے صحیح نہ ہوگی۔ وارث
کو اختیار ہے کہ موصی کی موت کے قبل یا بعد اجازت دے۔ بخلاف سنی مذہب کے
جسمین اجازت ہمیشہ موصی کی موت کے بعد ہونی چاہیے۔ شرایع مین لکھا ہے کہ اگر موصی
نے اپنی اولاد مین سے ایک کو میراث سے بالکل محروم کر دیا تو اوسکا یہ فعل ناجائز ہے
اور جملہ وارثون کو اونکا حصہ شرعی میراث مین ملیگا۔ لیکن اگر باب تقسیم یا وصیت کے
ذریعہ سے کسی خاص وارث کو دوسرے وارث سے زیادہ حصہ دے اور دوسرے
ورثا اجازت دیدین تو بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن اگر اجازت نہ دین تو کیا نتیجہ ہوگا مثلاً نمبر ۱
اگر ایک وارث کو اوسکی والدہ کے مہر کی وجہ سے حصہ شرعی سے زیادہ دیا۔ نمبر ۲

[۱] کلثوم بی بی بنام آغا محمد جعفر کلکتہ جلد ۲۵ صفحہ ۹۔

اور دوسرے کو اوسکے اخراجات نکاح کے خیال سے شرعی حصہ سے زیادہ دیا - اور جس وارث کو کم جائداد ملی اوس نے اس تقسیم بالوصیت کی نسبت اعتراض کیا۔ مجتہد نے حسب ذیل فیصلہ کیا۔

دہ مہر قرضہ ہے جو وصیت کے پہلے ادا ہونا چاہئے۔ مدے کے عوض جو وصیت کی گئی ہے وہ صحیح ہے۔ مگر جس لڑکے کو حصہ شرعی سے زیادہ دیا گیا ہے وہ وصیت ہے اور موصی کی جائداد کے ایک ثلث سے معتبر ہوگی - اور بقیہ دو ثلث موصی کی اولاد مین بموجب شرع کے تقسیم ہوگا۔[۵] شیعہ مذہب مین اغراض ذیل کیلئے وصیت صحیح ہے۔

اول۔ موصی کی فاتحہ خوانی کے لیے **دوم** لاش کو کربلا یا کسی متبرک مقام پر لیجانے کے لیے[۵۷] **سوم**۔ موصی کی طرف سے کسی شخص کو حج کرانے کے لیے **چہارم**۔ موصی کی قبر پر یا اماموں کے مقبرہ پر روشنی کرنے کے لیے یا پھول چڑھانے کے لیے **پنجم**۔ کربلا و نجف کے محتاجون کے لیے **ششم**۔ کسی خاص تہوار مین محتاجون کے کھلانے کے لیے **ہفتم**۔ امام باڑہ مین مرثیہ خوانی کے لیے **ہشتم**۔ محرم مین شربت و پانی کی سبیل کے لیے۔ **نہم**۔ موصی اپنی طرف سے عبادت کرانے کے لیے کسی دوسرے کو وصیت کر سکتا ہے مثلاً زید مرض الموت مین عمر سے یہ کہے کہ میری طرف سے تم اون نمازون کو جو مجھسے قضا ہوئی ہین پڑہو اور عمر اس وصیت کو منظور کرے تو یہ وصیت صحیح ہے۔ اور اوسکو چاہیے کہ زید کی قضا سے عمری نمازین پڑھے۔

---

[۵۷] حنفی مذہب مین اس قسم کی وصیت کہ مجھے مرنے کے بعد فلان مقام پر لیجاکر دفن کرنا باطل ہے۔ اگر وصی اوسے اوٹھا کر لیگیا تو جو کچھ صرف پڑے گا اوسکا وہ ضامن ہوگا و اگر وارثون کی اجازت سے ایسا کیا تو ضامن نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ اپنے مکان مین دفن کیا جاے یا کسی شخص کو اوسکے مال سے قرآن پڑھنے کے لیے اس قدر دیا جائے یا اوسکی قبر پر عمارت بنوائی جاے تو یہ سب باطل ہے۔ فتاوی عالمگیری۔

فصل سوم۔ موصی

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصیت فقط ایسے شخص کی طرف سے صحیح ہوتی ہے جسکی طرف سے تبرع واحسان ہوتا ہے۔ پس مجنون یا مکاتب[۵۱] یا ماذون[۵۲] کی وصیت صحیح نہین ہے۔ اس لئے اگر مجنون نے وصیت کی مگر بعد افاقہ جنون کے وہ مرگیا تو صحیح نہین ہے کیونکہ وصیت کرنے کے وقت اوسے اہلیت نہ تھی۔

ایک شخص وصیت کرنے کے بعد مجنون ہوگیا پس اگر جنون مطبق ہے تو قاضی کی راے پر ہے اگر اوس نے اجازت دی تو جائز ہے ورنہ باطل ہے۔

سید امیر علی: کسی شخص کا حالت جنون مین پایا جانا اوسکے وایمی مجنون ہونیکا بادی النظری ثبوت ہے۔ لیکن اسوجہ سے یہ امر ثابت کرنا ممنوع نہ ہوگا کہ جب اوس نے وصیت کی تھی اوسے جنون نہ تھا یعنی جنون سے افاقہ تھا۔ جیساکہ انگریزی قانون مین ہے۔ یعنی یہ کہ افاقہ جنون کی حالت مین جو معاہدہ کیا جائے وہ صحیح ہے۔

اگر مریض ضعف کی وجہ سے بول نہین سکتا اور سر کے اشارہ سے وصیت کی اور اوسکی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا اشارہ سمجھا جائیگا تو وصیت جائز ہے ورنہ نہین۔

مرض الموت: مرض الموت[۵۳] کی وصیت موصی کی صرف تہائی مال سے جائز ہے۔ اگر ایک شخص قید خانہ مین قصاص یا رجم کے واسطے قید ہے تو اوسکا حکم مثل مریض کے نہین ہے۔ لیکن

---

۵۱ مکاتب ایسے غلام کو کہتے ہین جس نے بعوض ایک معین قیمت کے اپنی آزادی حاصل کرنے کا عہد اپنے آقا سے کیا ہو ۵۲ ماذون اوس غلام کو کہتے ہین جس نے بطور خود کام کرنے کی اجازت اپنے آقا سے حاصل کرلی ہو ۵۳ مرض الموت کی تعریف ہبہ کے بیان مین دیکھو صفحہ ۱۷۔

جب قتل کے واسطے قید خانہ سے باہر نکالا گیا تو اوسکا حکم مثل مریض کے ہے۔ اگر کشتی
مین ہو تو اوسکا حکم مثل صحیح کے ہے اور اگر موجین شورش کرین تو مریض کا حکم ہوگا۔ اگر صف
قتال مین ہو تو مثل صحیح کے ہے اور جب لڑائی کے واسطے نکلے تو مثل مریض کے ہے
اگر دوبارہ قید خانہ مین لوٹا لیا گیا یا لڑائی کے میدان سے واپس آگیا یا موجین ٹھہر گئین تو اوسکا
حکم ایسے مریض کی مانند ہے جو مرض سے اچھا ہوگیا ہو اور اوسکے تمام تصرفات اوسکے
پورے مال سے نافذ ہونگے۔

اگر عورت کے دردزہ شروع ہوا تو جو فعل اوس حالت مین کرے اوسکے تہائی مال سے
معتبر ہوگا و اگر اوس سے بچگئی تو اوسکے پورے مال سے جائز ہوگا۔

مذہب شیعہ (سید امیر علی) امامیہ مذہب کے مسائل اس امر مین حنفی مذہب کے مشابہ ہین
صرف چند باتون مین اختلاف ہے۔ جواہر الکلام مین ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی جائداد
مرض الموت مین کسیکو دی تو اوسکی دو قسم ہین اول وہ جسکا نفاذ موصی کی موت کے بعد
موقوف رکھا گیا ہے۔ دویم وہ جو فوراً نفاذ پذیر ہو۔ اسپر اجماع ہے کہ اول الذکر صورت ایک
صحیح تندرست آدمی کی وصیت تصور کیجائیگی۔ دوسری قسم کے افعال مثل محاباۃ[1] کے متصور
ہونگے۔ اور انکا نفاذ بعض کے نزدیک کل ترکہ سے ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک صرف
ایک ثلث سے۔ لیکن اگر موصی کو اوس مرض سے صحت ہوگئی تو اوسکے افعال اوسکے
اور اوسکے ورثا کے مقابلہ مین بالاتفاق جائز ہونگے۔ اور اختلاف صرف اوس صورت مین ہے
جب وہ اوس مرض سے مرگیا ہو۔

مرض الموت اوس مرض کو کہتے ہین جسمین موت کا سخت اندیشہ ہو۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے مرض الموت مین اپنا غلام آزاد کیا یا کچھ مال بطور

---

[1] یعنی قیمت سے کم پر فروخت کیا یا آنکہ اصلی قیمت سے بہت زیادہ پر فروخت کیا۔

محاباۃ فروخت کیا یا کسیکو کچھ ہبہ کیا تو یہ سب بمنزلہ وصیت کے ہے یعنی ان تمام صورتون مین وصیت کے احکام متعلق ہونگے۔ لیکن حقیقی وصیت نہین ہے کیونکہ وصیت تو بعد موت کے ایجاب ہوتی ہے۔ اور صورت ہاے مذکورہ بالا مین بالفعل تصرفات ہین اور موت کے بعد کے جانب مضاف نہین ہین۔ مرض الموت کی حالت کے تصرفات صرف تہائی مال سے جائز ہین کیونکہ مریض کے مال سے وارثون کا حق متعلق ہوچکا ہے۔ اسیطرح ہر تصرف جو مریض نے اپنے اوپر مثل ضمانت وکفالت کے واجب کرلیا ہے تو یہ بھی وصیت کے حکم مین داخل ہے۔ ونیز تمام امور جنکا واقع ہونا بعد موت کے موقوف رکھا گیا ہے اونکا اعتبار تہائی مال سے ہوگا گو اوس شخص نے بحالتِ صحت ان باتون کا کرنا اپنے اوپر واجب کیا ہو۔ کیونکہ حالتِ عقد معتبر نہین ہے بلکہ حالتِ اضافت یعنی وہ وقت کا جسمین اون باتون کا واقع ہونا موقوف رکھا گیا ہے۔ پس جن صورتون مین بالفعل تصرف کرنا مقصود ہے اونمین حالت عقد کا لحاظ کیا جائیگا یعنی اگر وقت عقد کے وہ شخص صحیح وتندرست ہے تو اوسکا تصرف کل مال سے معتبر ہوگا۔ واگر وہ شخص مرض الموت مین مبتلا ہے تو صرف تہائی مال سے اوسکے سب تصرفات نافذ کیے جائینگے۔

مرض الموت مین قرض کا اقرار۔

(فتاوی عالمگیری) مرض الموت مین اپنے ذمہ قرض کے اقرار کرنے وہبہ ووصیت کرنے مین بڑا فرق ہے۔ اگر کسی مریض نے ایک عورت کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا۔ یا اوسکے واسطے وصیت کی۔ یا اوسکو کچھ ہبہ کیا۔ پھر اوس سے نکاح کیا۔ پھر مرگیا۔ تو ہمارے نزدیک اوسکا اقرار جائز ہوگا۔ ووصیت وہبہ باطل۔ اگر مریض نے اپنے کافر بیٹے کے واسطے وصیت کی یا اوسکو کچھ ہبہ کیا۔ یا اوسکے واسطے قرضہ کا اقرار کیا۔ پھر اوسکی موت سے پہلے وہ بیٹا

مسلمان ہوگیا تو یہ سب باطل ہونگے۔[ف]

[ف] ہدایہ مین بھی مسئلہ مذکور بجنسہ درج ہے۔ اوسکی وجہ مصنف ہدایہ نے حسب ذیل لکھی ہے یہ کیونکہ آدمی پر اقرار لازم ہو جاتا ہے۔ اور عورت مذکور بوقت اقرار محض اجنبیہ تھی اور اسی وجہ سے اقرار کا اعتبار تہائی مال سے نہین بلکہ کل مال سے ہوتا ہے اور اقرار مذکور بوجہ دین کے قرضہ کے باطل نہین ہوتا خواہ قرضہ حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ قرضہ صحت قرضہ مرض پر مقدم کیا جائے گا۔ بخلاف وصیت کے کہ وہ بروقت موت کے ایجاب ہے بروقت صدور کے نہین۔ اور موت کے وقت یہ عورت مریض کی وارثہ زوجہ ہے حالانکہ بحکم حدیث کسی وارث کو وصیت نہین۔ رہا ہبہ تو وہ اگرچہ ظاہر انی الحال تمام معلوم ہوتا ہے لیکن از راہ حکم بعد موت کے جانب مضاف ہے۔ کیونکہ ہبہ پورا ہونے کا حکم اوسوقت حاصل ہوگا جب مریض مذکور مر جائے۔ کیا تم نہین دیکھتے کہ اگر مریض مذکور پر قرضہ مستغرق ہو جو اوسکے تمام مال کو محیط ہو تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر قرضہ نہ ہو تو اس ہبہ کا اعتبار صرف تہائی مال سے ہوگا۔ دوسری صورت مین یعنی کافر پسر کے حق مین ہبہ و وصیت بدلیل مذکورہ بالا باطل ہے۔ رہا اقرار قرضہ تو وہ اگرچہ اقرار کرنے والے پر لازم ہوتا ہے لیکن فرزندی جو وارث ہونیکا سبب ہے وہ وقت اقرار کے بھی موجود ہے (گو بوجہ کفر وہ فرزند میراث کی اہلیت نہین رکھتا) تو یہی سبب اس تہمت کے واسطے معتبر ہوگا کہ اوس نے بعض فرزند کو دوسرون پر ترجیح دی۔ خلاف مسئلہ سابق کے۔ کیونکہ مسئلہ سابق مین عورت کے وارث ہونیکا سبب اوسکو زوجیت مین لانا تھا جو بعد مین پیدا ہوا۔ لیکن اگر اقرار کے وقت وہ عورت زوجہ ہوتی اور بوجہ اختلاف مذہب کے (مثلاً اگر وہ نصرانیہ ہوتی) وارث نہ ہوتی پھر عورت مذکور موصی کی موت سے پہلے مسلمان ہو جاتی تو اقرار بھی صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ صدور اقرار کے وقت سبب موجود تھا۔

موصی کا مقروض ہونا ہدایہ - اگر کسی نے کچھہ وصیت کی حالانکہ اوسپر اسقدر قرضہ ہے جو اوسکے تمام مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ قرضہ وصیت پر مقدم ہے شیعہ مذہب مین بھی قرض کو وصیت پر مقدم رکھا ہے -

طفل کی وصیت شیعہ مذہب سید امیر علی لکھتے ہین کہ طفل یعنی نابالغ کی وصیت مین مختلف مذہبون مین بہت اختلاف ہے - شیعہ مذہب مین موصی کا عاقل و آزاد ہونا ضرور ہے - اور مجنون اور دس برس سے کم عمر کے لڑکے کی وصیت صحیح نہین ہے لیکن جب دس برس کا ہو جاے اور نیک کامون کے لیے اپنے اقربا و دوسرے اشخاص کے حق مین وصیت کرے تو مختار یہ ہے کہ وہ سب وصیت صحیح ہین - بشرطیکہ وہ اپنے نفع و ضرر کو بخوبی سمجھہ سکتا تھا -

شافعی و مالکی شافعی و مالکی عام طور پر اس مسئلہ مین شیعون سے اتفاق کرتے ہین - امام شافعی کے نزدیک اگر طفل اپنے فعل کے نتیجہ کو اچھی طرح سے سمجھہ سکتا ہے تو اوسکی وصیت صحیح ہے - امام موصوف نے ایسی سمجھہ کے لیے کوئی خاص عمر کی قید نہین لگائی ہے - امام مالک کے نزدیک بھی نابالغی فی نفسہ وصیت کرنے کی مانع نہین ہے - بخلاف اسکے حنفی مذہب مین کوئی شخص قبل بلوغ وصیت کرنے کا مجاز نہین ہے[۵۱] -

---

۵۱ ہدایہ ۵۲۰ اور طفل کی وصیت صحیح نہین ہے - امام شافعی نے کہا صحیح ہے بشرطیکہ نیک راہ مین ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے ایفاع یا یافع کی وصیت کی اجازت دی - ایفاع وہ بچہ ہے جو قریب بلوغ پہونچا ہو - اور اس دلیل سے کہ جواز وصیت مین طفل مذکور کے لیے بہتری ہے کہ اوس نے مال کو اپنے لیے رضاے الہی کے حاصل کرنے مین صرف کیا حالانکہ اگر وصیت نافذ نہ ہو تو یہ مال دوسرون کے واسطے باقی رہیگا - ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت محض تبرع ہے - اور طفل کو تبرعات کی لیاقت نہین ہے - اور اس دلیل سے کہ بچہ کی بات

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر نابالغ یا مکاتب نے وصیت کی پہر وہ بالغ ہوا یا آزاد کیا گیا
پہر اوس نے اجازت دی تو از سر نو وصیت ہوکر صحیح ہوجائیگی - ابن السبیل یعنی مسافر کی
وصیت جو اپنے مال سے دور ہے جائز ہے -

اقرار قرضہ | چونکہ وصیت صرف تہائی مال سے صحیح ہوتی ہے اسلئے اس قید سے
بچنے کے لیے اکثر موصی یا میت قرضہ کا اقرار کرتا ہے - لیکن جب اقرار مرض الموت مین
کیا جائے تو وہ بہی مثل وصیت کے متصور ہوتا ہے -

اگر ایک شخص نے موت کے وقت وارثون سے کہا کہ فلان شخص کا مجہپر قرضہ ہے اور وارثون
نے اُسکے قول کی تصدیق کی پہر وہ مرگیا تو تہائی مال تک اوسکے قول کی تصدیق کیجائیگی
یعنی اگر قرضخواہ نے تہائی سے زیادہ کا دعویٰ کیا اور وارثون نے تکذیب کی تو تہائی
مال تک قرضخواہ پاسکتا ہے اور یہ استحسان ہے[۵۱] -

اگر اوس نے وصیتین بہی کین ہون تو صاحبان وصیت کے لیے تہائی مال نکال دیا جائیگا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸ - اس قابل نہین ہوتی کہ کوئی چیز لازم کرے - اور اوسکی وصیت کو
نافذ کرنا بمنزلہ لازم کرنے اوسکے قول کے ہے - اور جو اثر (یعنی حدیث) روایت کی ہے وہ
اس امر پر محمول ہے کہ طفل مذکور عنقریب بلوغ کے تہا"

۵۱ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۶۴۷ یعنی ثلث مال تک استحساناً وارثون کی تصدیق سے قرضہ دیا جائیگا - لیکن
قیاس مقتضی ہے کہ تصدیق نہ کیجائے اسواسطے کہ مجہول چیز کا اقرار اگرچہ خود صحیح ہوتا ہے
لیکن ایسے اقرار کے ساتھ حکم نہین ہوسکتا تاوقتیکہ تعداد قرضہ بہی بیان نہ ہو اور بیان ہونے کی
امید منقطع ہے کیونکہ وہ مرگیا تو وارثون کا اقرار بہی ساقط ہوگیا - اور استحسان کی توجیہ
یہ ہے کہ متوفی کا مقصود وارثون پر فلان شخص کو مقدم کرتا ہے اور اسکا پورا کرنا بطریق وصیت
کے ممکن ہے -

اور دو تہائی وارثون کو ملیگا - پھر صاحبان وصیت سے کہا جائیگا کہ تم لوگ جس قدر چاہو میت کی تصدیق کرو اور وارثون سے بھی ایسا ہی کہا جائیگا - بس اگر دونون فریق نے کسی قدر مال کی تصدیق کی تو قرضہ تمام ترکہ کے دو حصہ مین شایع ہوگا یعنی صاحبان وصیت کے تہائی مین سے اونکے اقرار کا ایک ثلث سے لیا جائیگا اور وارثون سے اونکے اقرار کے تعداد کی دو تہائی لیجائیگی -

اگر اجنبی و وارث دونون کے واسطے وصیت کی - تو اصل وصیت اجنبی کو ملیگی اور وارث کی وصیت باطل ہوگی - لیکن جب کسی مال عین یا قرض کا اجنبی و وارث دونون کے واسطے اقرار کیا یعنی وصیت نہ کی تو اس صورت مین اجنبی کے واسطے بھی اقرار صحیح نہ ہوگا -

بیٹے کا اپنے مرض مین اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دینا اور اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کرنا -

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بیٹا اور تین ہزار درم چھوڑ کر مرا اور زید کے لیے دو ہزار درم کی وصیت کی - پھر بیٹے نے اپنے مرض مین اس وصیت کی اجازت دی اور مرگیا اور اوسکا اسکے سواے کچھ مال نہین ہے - تو موصی لہ کو ایک ہزار درم بلا اجازت ملینگے اور دو ہزار درم کی تہائی بھی جو بیٹے کا مال ہے بلا اجازت ملیگی - واگر بیٹے نے یہ بھی اقرار کیا کہ میرے باپ نے عمر کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو دو ہزار درم کی ایک تہائی امام اعظم کے نزدیک زید و عمر دونون مین نصفا نصف تقسیم ہوگی - صاحبین کے نزدیک پانچ حصہ ہو کر اس طرح تقسیم ہوگی کہ زید کو ۳/۵ اور عمرو کو ۲/۵ ملین گے - اگر اپنے اوپر یا اپنے باپ کے ذمہ قرضہ تسلیم کیا تو قرضہ مقدم ہوگا - اسواسطے کہ وارث کا اجازت دینا بمنزلہ وصیت کے ہے اور قرضہ کو وصیت پر ترجیح ہے - اگر وارث نے اپنی صحت مین اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دی تو وہ اقرار قرضہ پر مقدم ہوگا - اسیطرح اگر اوس نے باپ کی وصیت کی اجازت اور باپ کے قرضہ کا اقرار دونون اپنی صحت مین کیا - تو پہلے

وصیت ادا کیجائیگی پہر اگر کچہ باقی رہا تو قرضہ ادا کیا جائیگا۔ پس اگر قرضہ پورا ادا ہو گیا تو خیر۔ ورنہ جس قدر وارث نے اجازت مین ضایع کیا اوسکا وہ ضامن ہوگا۔ لیکن اگر وارث نے اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دی اور اپنے اوپر قرض تسلیم کیا تو قرض مقدم ہوگا۔

فصل چہارم۔ موصی لہٗ

وصیت ہر ایسے شخص یا غرض کے لیے ہوسکتی ہے جو حقیقی یا معنوی وجود رکھتی ہے اور اوسمین مالک ہونے کی اہلیت ہو[۵۱] امام شافعی کے سوا دیگر مذاہب مین ایسی وصیت صحیح ہے جو کسی مسلم نے نامسلم کے حق مین کی ہو۔ فتاوی عالمگیری مین ہے کہ "مسلم نے اگر ذمی کے واسطے وصیت کی یا اِسکے برعکس تو جائز ہے"

قاعدہ مذکور مین چند مستثنیات ہین۔

مستثنیات — اول حربی غیر مستامن کے حق مین وصیت صحیح نہین۔ اگر مسلمان نے کسی حربی کے واسطے جو دار الحرب مین ہے وصیت کی تو باطل ہے اگر وارث اجازت بہی دیدین۔

شیعہ مذہب — شرایع مین کہا ہے حربی کے لیے اگر وصیت کیجاے تو اوسکی صحت مین کچہ شبہ ہے لیکن صحیح روایت کے بموجب وصیت باطل ہے۔

دوم۔ اگر کسی مسلمان نے مرتد کے واسطے وصیت کی تو نہین جائز ہے

سوم۔ قاتل کے واسطے خواہ عمداً قتل کیا ہو یا خطا سے بشرطیکہ وہ خود مباشر قتل ہو یعنی

[۵۱] عبد القادر حاجی محمد بنام سی۔ ای۔ ٹرنر بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۵۸۔

اوسکے ہاتھ سے قتل وقوع مین آیا ہو) وصیت جائز نہین ہے۔ خواہ موصی نے مجروح ہونے سے پہلے وصیت کی ہو یا بعد مین۔ اگر وارثون نے قاتل کے حق مین وصیت کی اجازت دیدی تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک جائز ہو جائیگی۔ ہدایہ۔ مگر امام ابویوسف کے نزدیک کسی صورت مین جائز نہین ہے کیونکہ قاتل کا جرم جو اوسکے حرمان کا سبب تھا اب بھی موجود ہے۔ فتاوی عالمگیری۔ اگر قاتل لڑکا یا مجنون ہو تو اوسکے حق مین وصیت جائز ہو جائیگی گو وارث اجازت نہ دین اور اگر قاتل کے سواے موصی کا کوئی وارث نہین تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اوسکے حق مین وصیت جائز ہے لیکن امام ابویوسف کے نزدیک نہین۔ اگر کسی عورت نے ایک مرد کو زخمی کیا پھر مرد نے اوسکے حق مین وصیت کی پھر اوس سے نکاح کر لیا تو عورت مذکور کو نہ میراث ملیگی نہ وصیت۔

حمل حمل کے واسطے وصیت جائز ہے بشرطیکہ بچہ چھ مہینہ کے اندر پیدا ہو۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو اوسکے واسطے کچھ نہین۔ لیکن اگر زندہ پیدا ہوا اور پھر مر گیا تو وصیت اوس بچہ کے وارثون کو ملیگی۔

شیعہ مذہب شیعہ مذہب مین وصیت کے جواز کے لیے وضع حمل کے واسطے کوئی مدت معین نہین ہے صرف یہ کافی ہے کہ شرعاً زیادہ سے زیادہ جو مدت حمل کی ہے اوسکے اندر بچہ زندہ پیدا ہو اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو اوس صورت مین وہی حکم ہے جیساکہ مذہب حنفی مین وصیت اغراض ذیل کے لیے ہو سکتی ہے۔

اول۔ بیت المقدس یا خانہ کعبہ یا مسجد کے لیے۔ دوم۔ محتاج و مساکین کے لیے۔ سوم فی سبیل اللہ یا وجوہ الخیر والبر کے لیے۔ چہارم۔ غلامون کو آزاد کرنے کے لیے۔ پنجم اپنا قرض ادا کرنے کے لیے۔ ششم۔ کسی حیوان کے کھانے کے لیے۔ ہفتم۔ اپنے کسی وارث کی اولاد و اقربا و پڑوسی و قوم کے لیے۔

فتاوی عالمگیری (۱) اگر بیت المقدس کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو جائز ہے
اور وہ بیت المقدس کی تعمیر و روشنی وغیرہ مین خرچ کیا جائیگا۔ اسیطرح وقف مسجد
سے اوسکی قندیل و چراغ مین خرچ کرنا جائز ہے۔

(۲) ہر مسلمان کو جائز ہے کہ نصرانی فقیرون کے واسطے وصیت کرے اسواسطے
کہ یہ گناہ نہین ہے بخلاف اونکے بیعہ یعنی معبد گاہ طیار کرانے کے لیے کہ اسمین معصیت ہے۔
یہ مسئلہ دیگر مذہب کے مساکین کے لیے بھی صحیح ہے۔ اسلیے اگر محتاج و مساکین کے
لیے بلا قید ملت کے وصیت کی گئی تو مختلف مذہب و ملت کے مساکین کو اوسمین سے
دینا جائز ہے لیکن شیعہ مذہب مین کسی قدر اختلاف ہے۔ کیونکہ شیعہ مذہب کے مطابق
اگر کسی نے فقیرون کے لیے وصیت کی تو اوسکے یعنی موصی کے ہم مذہب فقیرون کو
اوسمین سے ملیگا اسی طرح اگر کسی کافر نے وصیت کی تو اوسکے ہم عقیدہ فقیرون کو اوسمین
سے دیا جائیگا۔ شرایع۔

شیعہ مذہب

(۳) اگر کسی نے وصیت کی کہ تہائی مال اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے امام محمد نے فرمایا کہ
وصیت جائز ہے اور مال نیک کامون مین خرچ کیا جائیگا۔ اگر نیک کامون مین اپنا
تہائی مال صرف کرنے کی وصیت کی تو پل یا مسجد بنانے مین یا طالب علمون پر خرچ کیا جائیگا
ہدایہ۔ اگر کسی شخص نے حقوق اللہ تعالیٰ کے چند وصیتین کین تو ان مین سے فرایض کو
مقدم کیا جائیگا خواہ موصی نے اوسکو مقدم کیا ہو یا موخر۔ جیسے حج و زکواۃ۔
اسواسطے کہ فریضہ نفل سے زیادہ اہم ہے۔ اگر سب حقوق مساوی درجہ کے ہون تو
جنکو موصی نے پہلے بیان کیا ہو وہ مقدم ہوگا جبکہ تہائی مال کل وصیت کے انصرام کے
واسطے کافی نہ ہو اسواسطے کہ بظاہر موصی اہم کو مقدم کرے گا۔
نمبر (۴) و (۵) محتاج تشریح نہین۔

(۶) اگر کسی شخص نے گھوڑے کے واسطے یہ وصیت کی کہ اوسکو ماہواری دس درم نفقہ دیا جایگا تو یہ مالک اسپ کے واسطے وصیت ہے۔ پس اگر گھوڑا مرگیا یا مالک نے اوسے فروخت کرڈالا تو وصیت باطل ہوجائیگی۔

(۷) ہدایہ صفحہ ۶۷۷۔ اگر کسی نے پڑوسیون کے حق مین وصیت کی تو جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پڑوسی وہ لوگ ہین جنکے مکانات اوسکے مکان سے ملصق ہون۔ صاحبین کے نزدیک جو لوگ موصی کے محلہ مین رہتے ہین (فتاوی عالمگیری) اور محلہ کی مسجد اونکا محل اجتماع ہو خواہ وہ مالک ہو یا کرایہ پر رہتا ہو۔ مذکر ہو یا مونث مسلمان ہو یا ذمی۔ صغیر ہو یا کبیر۔ خواہ اوسکے مکانات موصی کے مکان سے ملصق ہون یا نہ ہون۔ امام شافعی کے نزدیک چالیس گھر کے رہنے والے پڑوسی ہین یعنی دس دس گھر چارون طرف شیعہ مذہب مین پڑوسی سے مراد بعض کے نزدیک وہ مکانات ہین جو موصی کے مکان کے چارون طرف چالیس درعہ کے اندر اندر ہین۔ اور بعض کے نزدیک موصی کے مکان کے ہر چہار طرف چالیس مکان (ہدایہ) اگر کسی نے اپنے اقارب کے واسطے وصیت کی تو وصیت مذکور ہر اقرب کے واسطے جو اوسکے ذی رحم محرم سے ہون ثابت ہوگی۔ اور اسمین مان باپ و اولاد داخل ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک موصی کے مسلمان جد اعلی کی تمام اولاد اقربا مین داخل ہے۔ شیعہ مذہب کے بعض متقنان کا بھی یہی قول ہے و امام شافعی کے نزدیک سب سے قریب پدر کی یعنی خود موصی کے پدر کی اولاد اقارب مین داخل ہے۔ مسئلہ مذکورہ بالا فتاوی عالمگیری مین اسطرح لکھا ہے "اقارب کی وصیت مین امام ابوحنیفہ نے چار شرطین قایم کی ہین۔ اول مستحق دو یا زیادہ ہون۔ دوم اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہوگا جیسے میراث مین سوم موصی کا ذی رحم محرم ہو حتی کہ چچا کا لڑکا ایسی

وصیت کا مستحق نہین - چہارم ایسا نہ ہو جو موصی کا وارث ہوسکے اور اوسمین عورتین ومرد سب شامل ہین - صاحبین کے نزدیک اوسکا ہر قرابت دار برادری جو ماں باپ کی طرف سے اوسکی جانب منسوب ہے اس وصیت مین داخل ہوگا اور انتہا اوسکی اوس دادا یا نانا تک ہوگی جو اسلام مین اوسکا جداعلی ہے - وحق وصیت مین اقرب وابعد وواحد وجماعت وکافر ومسلمان سب برابر ہونگے - اگر کسی نے اپنے اقارب کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور اوسکے قرابت دارون مین صرف دو چچا ودو مامون موجود ہین تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک میراث کی طرح یہ وصیت بہی اوسکے دونون چچا کو نصفا نصف ملیگی اور مامون محروم ہونگے - کیونکہ امام موصوف اقرب کا لحاظ کرتے ہین اور صاحبین کے نزدیک چارون کو برابر ملیگا - کیونکہ وہ اقرب کا لحاظ نہین کرتے -

اگر موصی نے ایک چچا ودو مامون چہوڑے تو چچا کے واسطے نصف وصیت ہوگی وکل نہ ہوگی اگرچہ وہ اقرب ہے) وبقیہ نصف اوسکے دو مامون کے درمیان برابر برابر ہوگی اس دلیل سے کہ لفظ اقارب صیغہ جمع ہے - جمع سے میراث ووصیت مین کم سے کم دوعدد مفہوم ہوتا ہے - بخلاف اسکے اگر اپنے قرابتی کے واسطے وصیت کی مثلاً کہا کہ میرا تہائی مال میرے قرابت والے کے واسطے ہے - اسصورت مین کل وصیت چچا کو ملیگی اسواسطے کہ وہی سب سے اقرب ہے - اگر موصی نے ایک چچا اور ایک پہوپی اور ایک مامون اور ایک خالہ کو چہوڑا اور وصیت بہ لفظ اقارب ہے تو کل وصیت اوسکے چچا وپہوپی کے درمیان مساوی یعنی نصف نصف ہوگی کیونکہ چچا وپہوپی قرابت مین برابر ہین اور مامون وخالہ کی قرابت سے قریب تر -

اگر موصی کا کوئی محرم نہ ہو تو وصیت باطل ہوجائیگی کیونکہ وصیت اس وصف کے ساتھ امام اعظم کے نزدیک مقید ہے - اگر کسی نے فلان کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام اعظم

کے نزدیک اہل سے اوس شخص کی زوجہ مراد ہوگی۔ اور صاحبین کے
نزدیک ہر وہ شخص داخل ہے جو اوس کے عیال مین ہو اور جن کا نفقہ
اوس کے ذمہ ہے۔

اگر کسی نے فلان کے فرزندون کے حق مین وصیت کی تو اولاد ذکور واناث دونون
کو برابر ملے گا۔ لیکن اگر موصی نے کہا کہ فلان شخص کے وارثون کے لیے یہ وصیت
ہے تو مرد کو عورت سے دوچند ملیگا۔ (کیونکہ شرع مین میراث کی تخریج اسیطرح پر ہوئی تہی)
اگر کسی نے بنی فلان کے یتیمون ورانڈون واندہون کے واسطے وصیت کی اور یہ
لوگ بغیر حساب کتاب کے شمار مین آتے ہون تو وصیت مین اقسام مذکور کے جملہ
اشخاص خواہ فقیر ہون یا توانگر۔ مرد ہون یا عورت۔ سب داخل ہین۔ کیونکہ اونکے
حق مین حقیقتاً مالک کرنا ممکن ہے اور وصیت کے یہی معنی ہین کہ مالک کیا جائے
و اگر یہ قوم اس قدر کثیر ہے کہ شمار مین نہین آسکتی[۱] (گو حساب کتاب یعنی تحریر سے شمار مین
آجائے) تو وصیت مذکورہ ان مین سے فقرا کے واسطے ہوگی کیونکہ وصیت سے
تقرب الٰہی مقصود ہے اور تقرب کسی محتاج کی پریشانی یا بہوک کے دور کرنے مین ہے
اور یہ نام یعنی اندہے و یتیم وغیرہ صاحب احتیاج کی طرف اشارہ کرتے ہین۔
اسلئے فقرا پر محمول کرنا جائز ہے۔

شیعہ مذہب	(سید امیر علی) شیعہ مذہب مین اپنے اقربا کے لیے وصیت کرنا بہت

[۱] فتاوی عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۶۹۰ شمار کی تعریف امام ابو یوسف سے اسطرح مروی ہے
کہ اگر وہ لوگ بدون حساب تحریر شمار نہ کیے جاوین تو بے شمار ہین امام محمد نے فرمایا کہ اگر وہ سو سے
زیادہ ہین تو بے شمار ہین۔ بعض نے کہا کہ یہ قاضی کی رائے پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔
گو امام محمد کا قول آسان ہے۔ فتوی قاضی خان

مناسب ہے۔ خواہ وے وارث ہون۔ یا نہ ہون۔ اگر کوئی شخص اپنے اقربا کے
حق مین وصیت کرے تو اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہوگا۔ جیسے میراث مین
اقربا مین وہ جملہ اشخاص شامل ہین جو موصی کے نسب سے ہون اور بعض نے کہا کہ اوسکا
ہر قرابت دار جو مان باپ کی طرف سے اوسکی جانب منسوب ہے اس وصیت مین
داخل ہوگا اور انتہا اوسکی اوس دادا یا نانا تک ہوگی جو اسلام مین اوسکا جد اعلی ہے
اگر وصیت کسی قوم کے لیے ہے تو اوسمین وہ کل اشخاص شامل ہونگے جو ایک ہی
زبان بولتے ہین۔ و اگر اپنی اہلبیت پر وصیت کی تو اسمین اوسکی اولاد و باپ و دادا
داخل ہونگے۔

شرایع مین لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص کے
حق مین کی چہارم حصہ کی دوسرے کے لیے و ششم حصہ کی تیسرے کے لیے۔ اور
ورثا وصیت کی اجازت نہین دیتے تو صرف ایک ثلث پہلے موصی لہ کو دیا جائیگا اور
باقی دو وصیتین باطل ہین۔ لیکن اگر کسی نے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص
کے لیے کی اور پہر ایک ثلث کی یعنی اوسی حصہ کی جسکی وصیت کر چکا تہا دوسرے
کے لیے وصیت کی تو یہ پہلی وصیت کو منسوخ کرتا ہے۔ اور اگر یہ شبہہ پیدا ہو کہ موصی
نے درحقیقت کس کے حق مین وصیت کرنی چاہی تہی تو اسکا تصفیہ قرعہ اندازی سے
کیا جائے گا۔ اگر کسی شے کی وصیت دو شخصون کے لیے کی گئی اور اوس شے کی
مالیت ثلث ترکہ سے زیادہ ہے اور ورثا اجازت نہین دیتے تو صرف ایک ثلث
کی مالیت تک وہ شے دونون موصی لہما کی مشترکہ ملکیت ہوگی۔ اگر اوس نے
دو شخصون کے حق مین الگ الگ وصیت کی تو ابتدا اوس شخص سے کیجائیگی جسکے
حق مین اول وصیت کی اور کمی جو کچھ ہوگی وہ دوسرے موصی لہ کے حصہ مین ڈالی جائیگی۔

حنفی مذہب

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے زید کے واسطے اپنے چوتھائی مال کی اور عمرو کے واسطے نصف مال کی وصیت کی اور اوس شخص کے وارثون نے اجازت ویدی تو زید و عمرو دونون کو مطابق وصیت کے ملیگا۔ اگر وارثون نے اجازت نہ دی تو تہائی مال کے سات حصہ کرکے دونون کو اسطرح ملین گے کہ عمرو کو چار حصہ اور زید کو تین حصہ دیے جائینگے۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ صاحبین کے نزدیک تین حصہ ہوکر تقسیم کیا جائیگا جسمین سے دو حصہ عمرو کو اور ایک حصہ زید کو دیا جائیگا (صاحبین نے عمرو کی وصیت کی مقدار پر خیال کرکے جو زید کے وصیت سے دوچند تھی عمرو کو دو حصہ دلایا اور زید کو ایک حصہ) امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زیادہ وصیت کی گئی وہ تہائی سے زیادہ کا شریک نہ کیا جائیگا کیونکہ تہائی سے زیادہ وصیت ہو نہین سکتی اس قاعدہ کی رو سے عمرو جسکے واسطے نصف کی وصیت ہے وہ فقط تہائی کے حساب سے حصہ دار کہا جائیگا اور زید پوری چوتھائی کا[۱۵۱] اگر کسی نے کہا کہ میرا تہائی مال فلان وفلان کے واسطے ہے یعنی ایک

---

[۱۵۱] امام اعظم کے قاعدہ مین تین مستثنیات ہین یعنی وصیت بعتق ومحاباۃ۔ ودراہم مرسلہ۔ وصیت بعتق یعنی غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تفسیر کرنیکی ضرورت نہین ہے کیونکہ غلامی کا قاعدہ اب نہین رہا۔ محاباۃ کی مثال یہ ہے کہ موصی کے پاس دو شے ہین اون مین سے ایک کی قیمت ایکہزار ایکسو درم ہین اور دوسرے کی قیمت چھہ سو درم ہین۔ اور موصی نے وصیت کی کہ ایک شے زید کے ہاتھ سو درم کو وو دوسری عمرو کے ہاتھ سو درم کو فروخت کیجاے۔ تو اسصورت مین ایک مشتری کے واسطے ایکہزار درم کے محاباۃ وو دوسرے کے لیے پانسو درم کی محاباۃ حاصل ہوئی۔ اور یہ دونون محاباۃ وصیت کی گئی ہین۔ پس بحالت نہ اجازت دینے وارثون کے دونون کی محاباۃ بقدر تہائی کے جائز ہوگی۔ اور یہ تہائی دونون مین بقدر ہر ایک کے محاباۃ کے تقسیم ہوگی۔ یعنی ایک مشتری کو دو و دوسرے کو ایک ثلث تہائی محاباۃ سے ملے گا دراہم مرسلہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو ہزار درم کی وو دوسرے کو دو ہزار درم کی وصیت کی مگر موصی کا تہائی مال صرف ہزار درم ہے۔ تو ایک ہزار درم دونون مین تہائی ہو کر دو ثلث ایک کو اور ایک ثلث دوسرے کو دیا جائیگا۔

کے واسطے سو درم ہین اور دوسرے کے واسطے پچاس درم ہین - لیکن موصی کا تہائی مال تین سو درم نکلا تو ہر ایک کے واسطے اوس قدر ہوگا جو بیان کر دیا ہے - اور باقی ڈیڑھ سو درم دونون کو نصفا نصف ملیگا - اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ اوسکا پورا مال زید کو دیا جاوے اور عمر کو تہائی مال دیا جاوے - پس اگر اوسکے وارث نہ ہون یا وارثون نے اجازت دیدی تو امام اعظم کے نزدیک اوسکا مال دونون مین بطریق منازعت کے تقسیم ہوگا - پس تہائی سے جس قدر زیادہ ہے یعنی دو تہائی زید کو بلا منازعت دیا جائیگا - باقی ایک تہائی مین دونون کی منازعت برابر ہے - پس ایک تہائی مین دونون نصفا نصف پائینگے - لیکن صاحبین کے نزدیک بطور عول دونون مین تقسیم ہوگا یعنی ہر ایک اپنی وصیت کے مقدار پر اوسمین شریک کیا جائیگا - پس عمر اپنے تہائی کے مقدار پر جسکا ایک حصہ قرار دیا جائیگا - اور زید اپنی پوری مقدار مال پر جسکے تین حصے قرار دیے جاینگے - یعنی پورا مال دونون مین چار حصہ ہوکر تقسیم ہوگا - اگر صورت مذکورہ بالا مین وارثون نے اجازت نہ دی تو تہائی مال سے وصیت جائز ہوگی - اور وہ مال دونون مین امام اعظم کے نزدیک نصفا نصف تقسیم ہوگا - بدین وجہ کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زاید کی وصیت ہے وہ صرف بقدر تہائی کے شریک کیا جائیگا و صاحبین کے نزدیک تہائی کے چار حصے ہوکر زید کو تین چہارم اور عمر کو ایک چہارم ملے گا -

ہدایہ - اگر کسی نے زید و بکر کے واسطے سَو سَو درم کی وصیت کی - پھر خالد سے کہا کہ مین نے تجھے اِن دونون کے ساتھ شریک کیا تو خالد کو ہر سیکڑہ کی تہائی ملے گی اسواسطے کہ لغت مین شرکت واسطے مساوات کے ہوتی ہے - اور طریقہ مذکور سے ان تینون مین مساوات ثابت ہے - کیونکہ ان مین سے ہر ایک کو ایکسو درم کی دو تہائی

ملکئی۔ بخلاف اِسکے اگر یہ صورت واقع ہو کہ زید کو چار سو درم و بکر کو دو سو درم کی وصیت
کی پہر خالد کو شریک کیا تو ان سب مین برابری ثابت کرنی ممکن نہین کیونکہ دونون تعداو
متفاوت ہین۔ پس ہمنے شریک کرنے کے لفظ کو اس معنی پر محمول کیا کہ تجھے
ان دونون مین سے ہر ایک کے ساتھ اس طرح مساوی کیا کہ ہر ایک اوسکی
مقدار وصیت مین سے نصف لے لے تاکہ جہان تک ممکن ہو لفظ شرکت پر
بقدر امکان عمل ہو۔

اگر کسی نے زید و بکر کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی درحالیکہ بکر مر چکا ہے
تو پوری تہائی زید کے واسطے ہوگی۔ اسواسطے کہ میت اس قابل نہین کہ اوسکے
واسطے کچھ وصیت ہو تو وہ زید کا مزاحم نہ ہوگا جو وصیت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ ایسے
ہی ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے واسطے وصیت کی۔ امام ابو یوسف سے
روایت ہے کہ اگر موصی کو بکر کی موت کا علم نہ ہو تو اس صورت مین زید کے واسطے
تہائی کا نصف ہوگا۔ کیونکہ موصی کے نزدیک بکر کے واسطے وصیت صحیح نہین ہے۔
تو وہ زید کے واسطے صرف تہائی کے آدہے پر راضی ہوا ہے۔ بخلاف اول صورت
کے کہ موصی کو بہی بکر کی موت کا علم ہو کہ اسصورت مین پوری تہائی زید کے واسطے ہوگی
اسواسطے کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو ہے تو موصی خود اس امر پر راضی تھا کہ پوری
تہائی زید کے واسطے ہو۔ اگر موصی نے یون کہا کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے درمیان
ہے حالانکہ بکر مر چکا ہے تو بالاتفاق زید کے واسطے تہائی کا نصف ہوگا۔ کیونکہ الفاظ
"درمیان زید و بکر کے" مقتضی ہے کہ زید اور بکر مین سے ہر ایک کے واسطے
تہائی کا نصف ہو بخلاف پہلی صورت کے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر موصی کے مرنے کے قبل منجملہ چند موصی لہم کے ایک مر گیا۔

تو متوفی موصی لہٗ کا حصہ موصی کی طرف واپس ہو جائیگا۔ مگر شیعہ مذہب مین اسکے برخلاف ہے۔ یعنی موصی لہٗ کے مرنے کے بعد وصیت اوسکے وارثون کو ملیگی و اگر اوس نے کوئی وارث نہ چھوڑا تو موصی کے ورثار کو ملیگی۔ امیر علی صفحہ ۱۵۵۔ ایک عورت اپنا شوہر چھوڑ کر مری اور نصف مال کی وصیت ایک اجنبی کو کی تو جائز ہے شوہر کو ایک تہائی مال ملیگا اور موصی لہٗ کو نصف اور بقیہ چھٹا حصہ بیت المال کا حق ہوگا۔ اسواسطے کہ ایک ثلث تک کی وصیت میراث سے مقدم ہوگی۔ بقیہ دو تہائی مین سے شوہر کو نصف ملیگا وہ کل مال کا تہائی ہوا۔ باقی بچا تہائی مال جسکا کوئی وارث نہین۔ پس اسمین سے بقیہ وصیت نافذ ہوگی۔ اور موصی لہٗ کو نصف پورا کر دینے کے بعد جو چھٹا حصہ باقی رہا اوسمین نہ وصیت ہے نہ کوئی میراث۔ پس یہ چھٹا حصہ بیت المال کا حق ہے۔ اسیطرح اگر مرد نے اپنی بی بی چھوڑی اور کل مال کی وصیت کسی اجنبی کے لیے کی مگر بی بی نے اجازت نہ دی تو عورت کو چھٹا حصہ ملیگا۔ بقیہ پانچ حصے اجنبی کو۔ اسواسطے کہ تہائی مال تو بلا نزاع موصی بہ کو ملیگا بقیہ دو تہائی مین شرکت رہی جسمین عورت کا جو تہائی حصہ ہے اور بقیہ پھر موصی لہٗ کو ملیگا اسواسطے کہ وصیت بیت المال سے مقدم ہے۔

فصل پنجم۔ موصی بہ

ہر شے جو لائق تملیک ہو وصیت کیجا سکتی ہے خواہ عین ہو یا منافع۔ ہدایہ مین ہے کہ اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر کی سکونت کسی شخص کے حق مین ایک معین

زمانہ کے لیے یا ہمیشہ کے لیے وصیت کرنی جائز ہے[۵۱]۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصیت کی تہائی کا اعتبار اوس مال سے ہوگا جو موصی نے وقت وفات کے چھوڑا ہے نہ کہ اوس مال سے جو وصیت کرنے کے روز اُس کے قبضہ مین تہا۔ اگر کسی نے حاصلات باغ وسکونت دار کی وصیت کی اور یہ چیزین اوسکے تہائی مال ہین تو موصی لہٗ کے تمام زندگی کے لیے یہ چیزین اوسکی ہوگئین۔ اگر زید کے لیے اپنے باغ کے پہلون کی وصیت کی تو اسمین دو صورتین ہین یا تو کہا ہمیشہ کے واسطے یا ایسا نہ کہا۔ آخر الذکر صورت مین اگر موصی کی موت کے وقت اوسمین پہل موجود ہون تو موصی لہٗ کو یہ پہل اوسکے تہائی مال سے ملیگا۔ بشرطیکہ باغ اوسکا تہائی مال ہو اور پہر آیندہ کچھ نہ ملے گا۔ واگر موصی کی موت کے وقت پہل موجود نہ ہون تو قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہوجائے لیکن استحساناً یہ حکم ہے کہ بعد موت موصی کے جو پہل موصی لہٗ کی موت تک پیدا ہون سب موصی لہٗ کو ملینگے بشرطیکہ باغ اوسکا تہائی مال ہو۔ واول الذکر صورت مین جو پہل باغ مین بعد موت موصی کے موجود ہون یا جو اوسکے بعد پیدا ہون سب موصی لہٗ کو ملینگے (بشرطیکہ باغ اوسکا تہائی مال ہو) جس شخص کے لیے سکونت مکان یا خدمت غلام کی وصیت ہے اوسکو یہ اختیار نہین ہے کہ اونکو کرایہ پر چلائے۔ اگر زید کے واسطے اپنے باغ کی حاصلات کی وصیت کی اور عمر کے واسطے اوسکے رقبہ کی (یعنی ملکیت باغ) اور باغ اوسکا تہائی

---

[۵۱] اگر زمانہ معین مخصوص ہی ہے مثلاً سنہ ۱۸۹۰ء کے لیے سکونت وغیرہ کی گئی اور موصی سنہ مذکور کے بعد مرا تو وصیت باطل ہے واگر کچھ زمانہ پہلے مرا تو بقیہ حصہ سال کی نسبت جائز ہے۔ جس غلام کی خدمت کی وصیت کی اگر وہ تہائی مال سے زیادہ ہے اور وارث اجازت نہین دیتے تو غلام مذکور تین سال تک ایک روز موصی لہٗ کی خدمت کریگا اور دو دو روز وارثون کی۔ فتاوی عالمگیری۔

مال ہے تو باغ مذکور عمرو کا ہوگا- اور اوسکے حاصلات زید کے لیے اور اوسکی آبپاشی کا صرف و خراج و درستی وغیرہ سب زید پر ہوگا- لیکن اگر باغ سے ہنوز کچھ منفعت نہین ہوئی تو اوسکے سینچنے و پرداخت وغیرہ کا صرف عمرو پر ہوگا پھر جب پہل آنے لگے تو زید پر- موصی بہ مین بعد موت موصی کے و قبل اسکے کہ موصی لہٗ وصیت کو قبول کرے جو زیادتی پیدا ہو- جیسے بچہ یا کرایہ- تو وہ بہی موصی بہ ہو جائیگی- حتی کہ اس کا اعتبار بہی تہائی سے ہوگا- اگر موصی لہٗ کے قبول کرنے کے بعد و تقسیم سے پہلے زیادتی حادث ہوئی تو وہ مطابق قدوری کے موصی بہ نہ ہوگی- مگر ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وہ بہی موصی بہ ہو جائیگی- اور صرف تہائی مال تک معتبر ہوگی- اگر موصی کی موت سے پہلے زیادتی ہوئی تو وہ جزو وصیت نہ سمجھی جائیگی- اگر موصی بہ سے کچھہ مال کمایا تو حسب صراحت بالا اسکے لیے حکم ہوگا- اگر موصی کے ترکہ کے تقسیم کے بعد موصی بہ مین زیادتی پیدا ہوئی تو وہ زیادتی بالاتفاق موصی لہٗ کی ہوگی- اگر مال عین و نوع عین کا ایک تہائی مثلاً بکریون کی ایک تہائی کی وصیت ہوئی- لیکن یہ بکریان موصی کے موت کے قبل تلف ہو گیئن تو وصیت باطل ہو جائیگی- حتی کہ اگر اوسکے بعد موصی نے دوسری بکریان یا مال عین پیدا کیا- تو موصی لہٗ کا حق اوس سے متعلق نہ ہوگا- لیکن اگر وصیت کے وقت بکریان نہ تہین اور بعد مین موصی نے حاصل کین تو وصیت صحیح ہے- اگر کہا کہ میرے مال سے ایک بکری وصیت ہے- حالانکہ موصی کے پاس بکری نہین ہے- تو موصی لہٗ کو ایک بکری کی قیمت دیجائیگی- اور اگر کہا کہ میری بکریون مین سے ایک بکری حالانکہ اوسکی بکری نہین ہین تو وصیت باطل ہوگی- اگر مقدار موصی بہ مجہول ہو مثلاً کوئی اس طرح پر وصیت کرے کہ بعض از مالِ من یا شے از مالِ من- تو مقدار کی وضاحت مین موصی کا بیان مانا جائیگا- اگر وہ زندہ ہے- اور اوسکے مرنے کے بعد اوسکے ورثار کا بیان-

اگر کسی نے اپنے پسر یا دختر کے حصہ کی وصیت کی۔ اور موصی کے بیٹا یا بیٹی موجود ہو تو وصیت صحیح نہ ہوگی۔ اگر بیٹا بیٹی نہین ہے۔ تو صحیح ہوگی۔ اگر اپنے پسر یا دختر کے حصہ کی مثل کی وصیت کی۔ اور موصی کے بیٹا و بیٹی موجود ہین تو جائز ہے۔ کیونکہ مثل کسی چیز کا اوسکا غیر ہوتا ہے۔ عین وہی چیز نہین ہوتی۔ پس ترکہ سے پہلے پسر کا حصہ دیا جائیگا۔ پھر اوسکا مثل موصی لہٗ کو دیا جائیگا۔ اگر وہ تہائی سے زیادہ نہین ہے بحالت زیادہ ہونے کے ورثا کی اجازت کی ضرورت ہوگی اگر کسی نے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی پھر مر گیا اور موصی کا کوئی وارث نہین ہے تو اوسکو نصف ملیگا اسواسطے کہ بیت المال بمنزلہ نصف کے ہے۔ اگر کسی کیواسطے ایک سہم کی وصیت ہو تو موصی لہٗ کو وارثون مین سے جسکا سب سے کم حصہ ہے اوسکی برابر دیا جائیگا۔ یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ لیکن اگر یہ مقدار ششم حصہ سے کم ہے تو پورا چھٹا حصہ دیا جائیگا[1]۔ اگر ایک مکان دو شخصون مین مشترک ہے اور ایک نے ایک مخصوص کمرہ زید کے واسطے وصیت کی تو مکان مذکور تقسیم کیا جائیگا۔ پس اگر وہ کمرہ موصی کے حصہ مین پڑا تو امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک پورا کمرہ موصی لہٗ کو دیا جاویگا۔ و امام محمد کے نزدیک نصف۔ اگر وہ کمرہ دوسرے شریک کے حصہ مین آیا تو اول الذکر امامون کے نزدیک اوس کمرہ کی پیمایش گزون سے کر کے اوسکی برابر موصی کے حصہ مین سے موصی لہٗ کو دیا جاوے گا۔ اور امام محمد کے نزدیک نصف مقدار دیجاویگی۔

تقسیم وصیت کی مثال۔ (۱) امام محمد نے فرمایا کہ کسی شخص نے نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت کی اور مان اور ایک پسر چھوڑ کر فوت ہو گیا تو اوسکے مال کے سترہ سہام کیے جائینگے۔ کیونکہ اگر وصیت

[1] مثلاً عصبہ کو سب سے کم ملا اور کم سے کم چھٹا حصہ مفروض ہے اسواسطے سہم کے لفظ سے چھٹا حصہ سمجھا جائیگا۔

نہ ہوتی تو مسئلہ ۶ سے ہوتا یعنی ماں کو ایک سہم و لڑکے کو پانچ مگر ایک لڑکی کے حصہ
کی یعنی نصف حصہ پسر کی جو ڈہائی سہم ہے وصیت ہے پس مسئلہ مین ڈہائی بڑ ہایا تو ساڑ ہے
آٹھ ہوئے اور کسر کے دور کرنے کے لیے اسے دو چند کرکے سترہ کیا پس ہر ایک
کے سہام بہی دو چند ہو گیے۔

حصہ ماں =	$\frac{1}{6}$	حصہ ماں =	$\frac{2}{12}$
حصہ پسر =	$\frac{5}{6}$	نسب نما = ۱۲ حصہ پسر =	$\frac{10}{12}$
حصہ دختر =	$\frac{5}{12}$	حصہ دختر =	$\frac{5}{12}$
		جسکی وصیت ہوئی	

یہ مسئلہ عائلہ ہے۔ اسلیے منجملہ ۱۷ سہام کے ماں کو دو سہام ملینگے اور پسر کو دس
سہام اور پانچ سہام موصی لہ کو۔

(۲) ایک شخص نے دوسرے کے لیے نصیب پسر کی اگر ہوتا وصیت کی اور ایک
بہائی و بہن چہوڑا اگر دونون نے اجازت دیدی تو موصی لہ کو پورا مال ملیگا (کیونکہ بحالت
ہونے پسر کے بہائی و بہن کو کچہہ نہین ہے) اگر مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کی
تو موصی لہ کو نصف مال ملیگا۔ بشرطیکہ دونون اجازت دیدین۔ (کیونکہ کل مال دو لڑکون
کے درمیان تقسیم ہوتا ایک تو اصلی پسر اور دوسرے موصی لہ جسکو مثل حصہ پسر کے
وصیت کی گئی) اور بقیہ نصف بہائی بہن کے درمیان تین تہائی ہوکر تقسیم ہون گے
اگر دونون نے اجازت نہ دی تو موصی لہ کو ایک تہائی ملیگی اور بقیہ بہائی بہن کو تین
تہائی ہوکر تقسیم ہوگا۔

(۳) اگر دختر و بہن چہوڑا اور ایک شخص کے واسطے نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت کی
تو موصی لہ کو $\frac{1}{3}$ مال ملیگا خواہ دونون اجازت دین یا نہ دین و اگر مثل نصیب دختر کے اگر

ہوتی وصیت کی تو موصی لہ کو چوتہائی مال ملیگا خواہ وارث اجازت دین یا نہ دین -

(۴) اگر ایک شخص اپنے باپ و بیٹے کو چہوڑکر مرا اور دوسرے کے واسطے مثل نصیب دختر کے اگر ہوتی[۱] یا مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کی تو بحالتِ اجازت دینے و نہ اجازت دینے ورثاء کے موصی لہ کو کیا ملیگا اور اوس صورت مین کیا ملیگا جب منجملہ ورثاء کے کسی ایک نے اجازت دی -

بحالت اجازت دینے ورثاء کے

باپ کا حصہ = ۱/۶ - و ایک لڑکا = ۵/۶ ÷ ۲ = ۵/۱۲ و موصی لہ = ایک لڑکا = ۵/۱۲ -

یہ مسئلہ عائلہ ہے

باپ = ۱/۱۱ و لڑکا = ۵/۱۱ و موصی لہ = ۵/۱۱ -

بحالت نہ اجازت دینے ورثاء کے موصی لہ کو ۱/۳ تک ملیگا لہذا

موصی لہ = ۱/۳ = ۳/۹ - و باپ = ۲/۳ کا ۱/۶ = ۱/۹ - لڑکا = ۹/۹ - ۴/۹ = ۵/۹ - اجازت و عدم اجازت کی حالت مین جو حصہ اشخاص مذکورہ بالا کو ملے تہے اونکا نسب نما یکسان کیا تو ۹۹ ہوا -

بحالت اجازت ورثاء کے

باپ = ۹/۹۹ و لڑکا = ۴۵/۹۹ - و موصی لہ = ۴۵/۹۹

---

[۱] مثل نصیب دختر و مثل نصیب پسر مین بحالت ہونے ایک پسر کے کوئی فرق نہین کیونکہ ہر دو صورت مین پسر کے حصہ کو نصف کرنا ہوگا و اگر بجائے مثل نصیب دختر کے نصیب دختر کہتے تو حصہ پسر کی نصف کی برابر موصی لہ کو ملتا جیسا کہ مثال نمبر ۱ مین ہے - مثل نصیب کہنے سے عین نصیب پسر یا دختر مقصود نہین ہوتا پس مثل نصیب دختر کا مقصود ہوا حصہ پسر کا نصف اور جب نصف اوسمین سے موصی لہ کا ہوا تو صرف نصف بچ رہتا ہے جو لڑکے کا حصہ ہوگا -

بحالت عدم اجازت ورثاء کے

باپ = $\frac{11}{99}$ - والڑکا = $\frac{55}{99}$ - موصی لہٗ = $\frac{33}{99}$

عدم اجازت ورثار کی حالت مین موصی لہٗ کو ۳۳ حصہ ہے اور ورثار کی اجازت دینے کی صورت مین ۴۵ - اور دونون مین ۱۲ کا فرق ہے جسمین سے ۲ حصہ تو باپ کے حصہ مین زائد ہوگئے اور باقی ۱۰ لڑکے کے حصہ مین - پس جیسا کہ ذکر کیا گیا اگر لڑکا اجازت دے تو دس حصہ اوسکے حصہ سے خارج کر کے موصی لہٗ کو دینگے جس سے موصی لہٗ کا حصہ ۴۳ ہوگا - اور اگر صرف باپ نے اجازت دی تو دو حصہ موصی لہٗ کو ملیگا یعنی ۳۵ حصہ منجملہ ۹۹ کے -

فصل ششم - وصیت سے رجوع کرنا

موصی کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے - خواہ صریحاً ہو یا دلالتہً - صریحاً یہ کہ مثلاً موصی کہے کہ مین نے رجوع کیا یا اسکی مثل کوئی اور لفظ کہے - ودلالتہً یہ کہ کوئی ایسا فعل کرے جو رجوع کرنے پر دلالت کرتا ہو - پس جو فعل ایسا ہے کہ اگر انسان دوسرے کی ملک کے ساتھ کرے تو ملک سے مالک کا حق منقطع ہو جاے گا - اگر ایسا فعل موصی نے کیا تو اوس سے رجوع کرنا متصور ہوگا -

ہدایہ مین ہے کہ موصی کے لئے جائز ہے کہ اپنی وصیت سے رجوع کرے - اسواسطے کہ وصیت ایک عقد تبرع ہے جو ابھی تمام نہین ہوا - تو ہبہ کی مانند اوس سے رجوع کرنا صحیح ہے اور اس دلیل سے بھی کہ موصی لہٗ کا قبول کرنا موصی کی موت پر موقوف ہے

یعنی موصی کی زندگی مین اوسکی طرف سے صرف ایجاب ہے۔ اور قبول سے پہلے ایجاب کا باطل کرنا صحیح ہوتا ہے۔ جیسے معاملات بیع مین۔ دیکھو قانون معاہدہ۔

جو فعل موصی بہ مین زیادتی کا موجب ہوا اور بدون اس زیادتی کے تسلیم کرنا ممکن نہ ہو تو یہ فعل رجوع کرنے پر دلالت کریگا۔ اسیطرح جو فعل موجب زوال ملک موصی ہو تو وہ رجوع ہے مثلاً اگر کچھ زمین کی وصیت کی مگر بعد کو بہراوسپر عمارت بنائی۔ یا کوئی کپڑا وصیت کیا۔ مگر بہراوسکو قطع کراکر سلوایا تو اس سے رجوع کرنا ثابت ہوگا۔ وصیت یا تو قول و فعل دونون سے فسخ ہوسکتی ہے دوسرے قول سے فسخ ہوسکتی ہے مگر فعل سے نہین تیسرے فعل سے فسخ ہوسکتی ہے مگر قول سے نہین ہوتے۔ قول یا فعل کسی سے نہین فسخ ہوسکتی۔

مثال نمبر اول۔ ایک شخص کے واسطے مال عین کی وصیت کی پس قول سے اوسکا فسخ یہ ہے کہ یہ کہے کہ مین نے وصیت فسخ کردی و فعل سے اس طرح کہ اوسکو فروخت کردے۔

مثال نمبر دوم۔ اپنے تہائی یا چوتہائی مال کی وصیت کی پس اگر اوس سے بقول رجوع کرے تو صحیح ہے و اگر اوسکو اپنی ملک سے خارج کیا تو وصیت باطل نہ ہوگی بلکہ دوسرے ثلث سے نافذ ہوگی۔

مثال نمبر سوم۔ غلام کو مشروط آزادی کی وصیت کرنی یعنی کسی قید کے ساتھ مدبر کرنا۔ پس اگر بقول رجوع کرے تو صحیح نہین ہے و اگر بفعل رجوع کرے یعنی اوسے فروخت کردے تو صحیح ہے۔

مثال نمبر چہارم۔ غلام کو مطلقاً آزاد کرنا جو قول یا فعل کسی سے فسخ نہین ہوسکتا اگر موصی نے وصیت سے انکار کیا یعنی کہا کہ مین نے وصیت ہی نہین کی۔ تو امام محمد کے نزدیک

یہ وصیت سے رجوع کرنا نہ ہوگا - لیکن امام ابویوسف کے نزدیک یہ رجوع ہے[۹۵]

شیعہ مذہب سید امیر علی محقق نے رجوع کے مسئلہ کو اسطرح بیان کیا ہے - وصیت ایک عقد جائز ہے خواہ وہ مال کی ہو یا کسی ولی کے مقرر کرنے کی اور موصی اپنی حیات مین قول یا فعل سے اوس سے رجوع کرسکتا ہے مثلاً اگر موصی نے موصی بہ کو فروخت کردیا یا اوسکے فروخت کیے جانیکی وصیت کی یا ہبہ کر کے موہوب لہٗ کو قابض کرا دیا تو یہ سب رجوع کرنا ہوگا اسیطرح اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے موصی بہ پر اوسکا پہلا نام صادق نہ ہو - تو یہ رجعت ہے مثلاً غلہ کی وصیت کی اور بعد مین اوسکا آٹا پسوایا اور پھر روٹی پکوائی اسی طرح اگر کچھ تیل کی وصیت کی اور پھر اوسکو اوس سے بہتر تیل مین ملا دیا جس سے وہ جدا نہین ہوسکتا تو یہ بمنزلہ رجوع کرنے کے ہے -

اگر کوئی چیز زید کے لیے وصیت کی گئی اور پھر بکر کے لیے تو دوسری وصیت سے پہلی وصیت خواہ مخواہ منسوخ نہین ہوتی - اگر موصی کے بیان سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اوس نے

---

[۹۵] امام ابویوسف کی دلیل یہ ہو کہ رجوع فی الحال نفی ہے - یعنی گویا فی الحال اس عقد وصیت کو کالعدم کردیا اور انکار ایسی چیز ہے جس سے فی الحال اور زمانہ ماضی دونون مین نفی ہے - تو یہ بدرجہ اولیٰ رجوع ہوگا امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ انکار درحقیقت زمانہ ماضی مین نفی ہے - یعنی انکار سے یہ مطلب ہو کہ زمانہ ماضی مین ایسا نہین ہوا تھا - اور فی الحال نفی ہونا ضرورتاً ہے یعنی جب ماضی مین نفی ہے تو فی الحال ضرور نفی ہوگی - جب ایک چیز فی الحال ثابت ہو تو انکار لغو ہوگا اسوجہ سے کہ رجوع کے معنی یہ کہ زمانہ ماضی مین وصیت تو ضرور تھی مگر فی الحال اوس سے رجوع کرکے اوسکی نفی کردی - اور انکار کے یہ معنی ہین کہ ماضی اور حال دونون مین نفی ہے تو یہ درحقیقت رجوع نہین - اسی وجہ سے انکار نکاح سے فرقت نہین ہوتی یعنی اگر نکاح ثابت ہو تو مجرد انکار کرنے سے نکاح فسخ نہوگا - بلکہ طلاق دینے سے فسخ ہوگا -

دونون کو مشترکاً دینا چاہا تو اوسکی نیت کے موافق دونون کو دیجائیگی۔ لیکن اگر موصی کا ارادہ یہ پایا جاے کہ بکر کو دینا منظور تھا تو زید کی وصیت فسخ ہوجائیگی۔ مگر عام قاعدہ یہ ہے کہ اخیر کی وصیت نافذ ہوتی ہے۔

فصل ہفتم۔ وصی اور اوسکے اختیارات

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصی تین طرح کے ہین۔ اول امین جو وصیت کے انصرام کرنے پر قادر ہو۔ ایسے وصی کو قاضی معزول نہین کرسکتا۔ دویم امین جو وصیت کے انصرام مین عاجز ہو۔ تو قاضی اوسکے لیے نائب مقرر کریگا۔ سویم فاسق یا کافر یا غلام۔ ایسے وصی کو معزول کرنا اور بجاے اوسکے دوسرا مقرر کرنا قاضی پر واجب ہے۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ وصی مقرر کرنیکا مقصود یہ ہے کہ موصی کی اولاد کی تعلیم اور اوسکی وصیت کا انصرام کرے۔ اسلیے شرع کسی صورت مین حربی کو وصی مقرر کرنے کی اجازت نہین دیتی اگر کسی نے کسی کافر حربی کو وصی مقرر کیا تو قاضی پر واجب ہے کہ اوسے معزول کردے۔ ذمی کو وصی مقرر کرنا جائز ہے مگر قاضی اوسکو معزول کرسکتا ہے پس ظاہر ہے کہ کسی کافر حربی کا وصی ہونا ابتداہی سے باطل ہے۔ لیکن ذمی کا اوسوقت تک وصی ہونا جب تک قاضی اوسے معزول نہ کرے صحیح ہے۔[۵۱] سنہ ۱۸۲۵ع مین صدر دیوانی نے بمقدمہ محمد امین الدین بنام محمد کبیر الدین[۵۲] قاضیان عدالت سے وصیت

---

[۵۱] جہان خان بنام مندسے بنگال لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۶ یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۵ یا خلاصہ نظائر ۳۶ و ۳۷ [۵۲] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۴۹ لغایتہ ۵۵۔

کے متعلق چند مسائل دریافت کیے۔ مقدمہ مذکور مین ایک مسلمان عورت نے اپنا کل ترکہ ایک اجنبی کے لیے وصیت کی اور ایک ہندو شخص کو وصی مقرر کیا۔ قاضیون کا فتوی یہ تہا (الف) اگر موصی کا کوئی وارث نہ تھا تو کل جائداد کی وصیت کر سکتی تہی (ب) اگر اوسکے وارث تھے تو بلا اونکی اجازت کے ایک ثلث سے زیادہ وصیت ناجائز تہی (ج) گو ایک مسلم ناسلم کو اپنا وصی مقرر کر سکتا ہے لیکن اوسکو معزول کرنا قاضی پر واجب ہے۔ اسی اصول پر مقدمہ سرکار بنام سماۃ ظہور النسا خانم[۵۱] عمل کیا گیا۔ قاضی کو ناسلم وصی کی معزولی کا اختیار اسوجہسے دیا گیا کہ شاید وہ موصی کی نابالغ بچون کی مذہبی تعلیم کی طرف کچھہ توجہ نہ کرے یا کچھہ خرابی پیدا کرے۔ اس زمانہ مین بہی اگر کوئی وصی نابالغ یتیم کے مذہب مین کچھہ خرابی پیدا کرنی چاہے تو عدالت اوسکو معزول کرے گی لیکن اگر یہ وجہہ نہین ہے تو فی زماننا شاید ایک ناسلم وصی معزول نہ کیا جائیگا اور تاوقتیکہ وہ باضابطہ معزول نہ ہو اوسکی تقرری اور تصرف سب جائز ہے عالمگیری مین ہے کہ اگر موصی کی زندگی مین وصی نے سکوت کیا۔ تو موصی کے مرنے کے بعد اوسکو اختیار رہے گا کہ وصی ہونا قبول کرے خواہ رد کرے۔ اگر موصی کے مرنیکے بعد کسی شخص کو اپنے وصی مقرر کیے جانیکا حال معلوم ہوا اور اوس نے کہا کہ مین وصی ہونا نہین قبول کرتا۔ پھر کہا کہ قبول کرتا ہون تو یہ جائز ہے۔ تاوقتیکہ اوسکے قبول کرنے سے پہلے سلطان نے اوسے خارج نہ کیا ہو اگر وصی نے موصی کی زندگی مین وصی ہونا قبول کر لیا تو موصی کی موت کے بعد اوسے لازم ہو جائیگا۔ حتی کہ اگر وہ علحدہ ہونا چاہے تو نہین ہو سکتا۔ بشرطیکہ اسکے خلاف موصی نے وصی کو اختیار نہ دیا ہو۔ اگر موصی کی زندگی مین اوس نے رد کیا اور اوسکا رد کرنا موصی کو معلوم ہو گیا تو صحیح ہے واگر معلوم نہ ہوا تو صحیح نہین ہے۔

---

[۵۱] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۰۱۔

اگر وصی نے موصی کے سامنے انکار کر دیا اور بعد موت موصی کے وصی ہونا قبول کرتا ہے تو قبول صحیح نہین ہے۔ واگر سامنے قبول کر کے موصی کی لاعلمی مین رد کیا تو اوسکا رد کرنا باطل ہے۔

قبول کرنا یا رد کرنا صراحتاً یا دلالۃً ہوسکتا ہے۔ دلالۃً اسطرح پر کہ مثلاً موصی کی موت کے بعد وصی موصی کے لئے کفن خرید لایا یا اور کوئی دوسرا فعل اسی قسم کا کیا امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی طفل وصی نہین ہوسکتا۔ مگر صاحبین کے نزدیک ہوسکتا ہے مگر قاضی کو چاہیے کہ بجائے اسکے دوسرا وصی مقرر کرے اور جب طفل بالغ ہوجائے تو قاضی اپنے مقرر کردہ وصی کو خارج کر دے۔

منجملہ دو وصی کے تنہا ایک وصی کا تصرف

ایک شخص نے دو آدمیون کو وصی مقرر کیا تو امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک دونون مین سے ایک وصی تنہا تصرف نہین کرسکتا واگر تصرف کیا تو بدون اجازت دوسرے کے نافذ نہوگا[۵۱]۔ مگر امام ابویوسف اسکے خلاف فرماتے ہین۔

اگر موصی نے دو وصی مقرر کیے اور کہا کہ ان مین سے ہر ایک پورا وصی ہے تو ہر ایک کو تنہا تصرف کا اختیار ہے۔ اگر کئی وصیون کو مختلف کامون کا الگ الگ وصی مقرر کیا تو امام اعظم وامام ابویوسف کے نزدیک ہر ایک وصی تمام قسم کے کامون کا وصی ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک ہر وصی اوسی خاص کام کا وصی ہوگا جس کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے

۵۱ مگر چند صورتون مین ایک وصی کا تصرف بھی جائز ہے۔ مثلاً تجہیز وتکفین وادائے قرضہ میت بشرطیکہ ترکہ ازجنس قرضہ ہو۔ مال عین کی وصیت نافذ کرنی۔ مال مغصوبہ وامانت کا واپس دینا۔ میت کے حقوق کی نالش کرنی۔ صغیر کی طرف سے اوسکا ہبہ قبول کرنا۔ صغیر کو کسی کام کی اجازت دینی۔ جس مال کے تلف ہونیکا اندیشہ ہو اوسکو فروخت کرنا وغیرہ۔

اگر زید کو اپنے ایک پسر کا وصی مقرر کیا اور عمر کو دوسرے پسر کا۔ پس اگر یہ شرط لگادی ہے کہ ایک وصی کو دوسرے وصی کے کام مین کچھہ اختیار نہین ہے تو بالاتفاق موافق شرط موصی کے حکم ہوگا۔ اگر ایسی شرط نہ لگائی تو مسئلہ مین اختلاف مذکورہ جاری ہوگا۔ فتوی امام اعظم کے قول پر ہے۔

اگر منجملہ دو وصی کے ایک مر گیا تو امام اعظم و امام محمد کے قول کے مطابق زندہ کو تنہا اوسکے مال مین تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔ بلکہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوگا۔ وہ چاہے زندہ کو تنہا وصی کر کے تمام اختیار دیدے۔ خواہ دوسرا وصی اوسکی مدد کے لیے مقرر کردے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جسطرح متوفی وصی کی زندگی مین ایک وصی کو تنہا تصرف کا اختیار تھا اسیطرح اوسکے مرنے کے بعد بھی اختیار رہے۔

ہدایہ مین ہے کہ جب منجملہ دو وصی کے ایک مر گیا تو قاضی کو بالاتفاق دوسرا وصی مقرر کرنا چاہیے۔

وصی کا وصی مقرر کرنا۔ ایک شخص نے زید و عمر کو وصی مقرر کیا۔ پھر زید مر گیا اور اوس نے عمر کو اپنی طرف سے وصی کر دیا تو یہ جائز ہے[۵]۔ اسواسطے کہ اگر تنہا ایک وصی باجازت دوسرے کے اوسکی زندگی مین تصرف کرتا تو جائز تھا۔ اسیطرح بعد موت کے بھی اوسکی اجازت سے تنہا تصرف جائز ہے۔ وصی کو اپنی موت کے وقت اختیار ہے کہ دوسرے کو بجائے اپنے وصی مقرر کرے۔ گو موصی نے اوسے ایسا اختیار نہ دیا ہو۔

اگر کسی شخص نے وصی سے کہا کہ فلان شخص کی آگاہی سے کام کرنا۔ تو وصی کو اختیار ہوگا کہ بدون اوسکی آگاہی کے کام کرے۔ و اگر یہ کہا کہ بدون آگاہی فلان کے کام نکرنا تو وصی کو بدون آگاہی اوسکے کام کرنا روا نہین ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔ اگر موصی نے

[۵] حفیظ الرحمن بنام خادم حسین ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۰۶ ایا خلاصہ نظائر ۳۶/۳۷۔

وصی سے یہ کہا کہ فلان شخص کی راے وحکم سے کام کرنا۔ تو وصی وہی ہے جسکو وصی کیا ہے۔ واگر کہا کہ بدون راے وحکم فلان کے کام نہ کرنا تو دونون وصی ہوجائینگے ہدایہ۔ اگر وصی مرگیا اور مرنے کے وقت اوس نے دوسرے کو وصی کیا تو میت اولی ومیت ثانی دونون کے ترکہ کا وصی ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک وہ صرف میت ثانی کے ترکہ کا وصی ہوگا۔

وصیت کے قبول یا رد کرنے کی بابت جو احکام حنفی مذہب مین ہین وہی شیعہ مذہب کے ہین اگر کوئی وصی اپنے فرایض کے انصرام مین عاجز ہے تو قاضی اوسکا ایک مددگار مقرر کرے گا واگر وہ خائن ثابت ہوا تو قاضی معزول کرکے دوسرا وصی مقرر کریگا۔
جب دو وصی ہون تو ایک وصی کو امامیہ مذہب مین تنہا تصرف کرنیکا اختیار نہین ہے اگر دونون نے الگ الگ تصرف کیا تو اونکے افعال جائز نہین ہین الا اوس صورت مین کہ وہ کام نہایت ضروری تھا مثلاً موصی کے نابالغ بچون کو کھانا و کپڑا دینا۔ ایسی صورتون مین قاضی پر واجب ہے کہ اون دونون وصیون کو مجبور کرے کہ بالاتفاق کام کرین اگر وہ ایسا نہ کرین تو قاضی اون دونون کو معزول کرکے اونکی جگہہ دوسرا وصی مقرر کرے گا اگر ایک وصی بیمار پڑگیا یا کسی اور وجہ سے اپنے فرایض کو انجام نہین دیسکتا تو قاضی ایک دوسرے شخص کو اوسکا مددگار مقرر کریگا۔ لیکن قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنیکا اختیار اس صورت مین نہین ہے جب ایک وصی فوت ہوجاے یا وصیت کے انتظام کرنیکے بالکل ناقابل ہوجاے۔ اگر موصی نے اپنے چند وصیون کو بالاتفاق والگ الگ تصرف کرنیکا اختیار دیا ہو تو اوس صورت مین اونکا تنہا تصرف کرنا جائز ہے اگر موصی نے اپنے وصی کو وصی مقرر کرنیکا اختیار نہ دیا ہو تو موصی کی جائداد اپنے مقرر کیے ہوئے وصی کے انتظام مین نہ دیسکیگا۔ اگر موصی نے اپنی جائداد کے

انتظام کی نسبت کوئی شرط وصیت مین نہین بیان کی تو وصی کے مرنے کے بعد اوسکی جائداد کا انصرام قاضی کریگا۔

اختیارات وصی — شرع مین وصی کے اختیارات کے متعلق قریب قریب ایسے قواعد ہین جیسا کہ انگریزی قانون مین اگر موصی کے ورثا نابالغ ہین تو چند صورتون مین وصی کے اختیارات غیر محدود ہین۔ ضرورت کے وقت اوسے اختیار ہے کہ موصی کی کوئی جائداد فروخت کرڈالے اور نابالغ کی پرورش مین جو صرف ہوا ہے وہ اور موصی کے ذمہ کا قرض ادا کرنے کے بعد اگر کچھہ روپیہ بچ رہا ہے تو اوسکو کسی دوسرے کام مین لگا سکتا ہے۔ بیع کرنے کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ واقعی قیمت پر فروخت کیا جاوے اور وصی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس جائداد کو خود خرید کرے یا کسی اپنے قرابتمند کے نام خریدے۔

اگر وصی نے نابالغ وارثون کا حق موصی لہٗ سے بٹائی کرالیا اور دو تہائی حصہ وارثون کا اپنے پاس رکھا تو جائز ہے۔ حتی کہ وارثون کا مال وصی کے قبضہ مین تلف ہوگیا تو وارث لوگ موصی لہٗ سے کچھہ واپس نہین لے سکتے۔ و نہ اسکا ضمان وصی پر واجب ہوگا۔ اگر وارث سب بالغ ہین یا بعض بالغ ہین اور وہ سب حاضر ہین تو بالغ کی طرف سے وصی کی تقسیم خواہ عقار مین ہو یا منقول مین باطل ہے۔ لیکن اگر حصہ وارث بالغ وصی کے پاس تلف ہوگیا تو اوسپر ضمان واجب نہ ہوگی۔ لیکن موصی لہٗ سے جو اوس نے پایا ہے اوسکا دو تہائی واپس لینگے۔ بشرطیکہ موصی لہٗ کے پاس خود وہ شے موجود ہو۔ و اگر موصی لہٗ نے جو کچھہ پایا ہے وہ بہی تلف ہوگیا تو وارث بالغ کو اختیار ہے چاہے اپنے حصہ کی ضمان وصی سے لے یا موصی لہٗ سے۔ و اگر وارث بالغ ہے مگر غائب۔ اور موصی لہٗ کے ساتھہ وصی نے بٹائی کرلی تو غیر منقول کی تقسیم باطل ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے

و امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ و مال منقول مین اوسکی تقسیم جائز ہے۔ اگر وصی نے وارثون کے واسطے بٹائی کرائی اور ترکہ مین کسی شخص کے لیے وصیت ہے اور موصی لہٗ غائب ہے تو وصی کی تقسیم موصی لہٗ غائب کے حق مین جائز نہ ہوگی۔ اور موصی لہٗ کو اختیار ہوگا کہ وارثون کے ساتھ شریک ہو جائے یعنی ایک تہائی واپس لے لے۔

اختیارات وصی جبکو ماں وغیرہ نے مقرر کیا ہو

ماں یا بھائی یا چچا کے مقرر کیے ہوئے وصی کے اختیارات بہت محدود ہین۔ اوسکو یہ اختیار نہین ہے کہ صغیر نے جو مال اپنے باپ کے ترکہ مین پایا ہے اوسمین سے کچھ فروخت کرے خواہ عقار ہو یا منقول۔ خواہ قرضہ مین محیط ہو یا نہ ہو۔ جو مال صغیر کو ماں کے ترکہ سے ملا ہے۔ اگر وہ ترکہ وصیت سے خالی ہے تو وصی منقول کو فروخت کر سکتا ہے مگر غیر منقول کو نہین۔ لیکن اگر ترکہ قرضہ یا وصیت مین پھنسا ہوا اور قرضہ مین مستغرق ہو تو وصی کو کل ترکہ بشمول غیر منقول کے فروخت کرنے کا اختیار ہے۔ و اگر قرضہ محیط نہ ہو تو بہ قدر قرضہ کے فروخت کر سکتا ہے لیکن اگر صغیر نے مال منقولہ اپنی ماں سے میراث مین پایا ہے تو وصی اوسکو تقسیم کرا سکتا ہے۔ بشرطیکہ باپ یا اوسکا وصی زندہ نہ ہو۔ اگر وصی نے وارثون مین میراث تقسیم کر کے ہر وارث کا حصہ الگ کر دیا تو اوسمین پانچ صورتین ہین۔

اوّل۔ وارثون مین کوئی بالغ نہ ہو تو تقسیم بالکل جائز نہ ہوگی[۵۱]۔

دویم۔ سب وارث بالغ ہین مگر بعض غائب۔ اگر حاضر وارثون کا حصہ وصی نے تقسیم کر دیا تو عروض مین یعنی مال منقول مین تقسیم جائز ہوئی و عقار مین ناجائز۔

---

۵۱ اس صورت خاص مین وصی کے اختیارات باپ سے کم ہین کیونکہ اگر باپ اپنے نابالغ لڑکون کا حصہ الگ کر دے تو جائز ہوتا ہے۔

سویم - وارثون مین بالغ ونابالغ دونون ہین اور بالغ سب غائب ہین تو وصی کی تقسیم سب ناجائز ہوگی

چہارم - اگر وارثون مین صغیر وکبیر دونون ہین - بالغ سب حاضر ہین اور اونکو وصی نے اونکا حصہ دیدیا و وارثان صغیر کا مجموعی حصہ جدا کر لیا مگر ہر ایک صغیر کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو جائز ہے

پنجم - اگر صغیر وکبیر ہر وارث کا حصہ الگ کر دیا تو کل تقسیم فاسد ہے - اگر اوس نے بالغون کو اونکا حصہ دیدیا ونابالغون کا کل حصہ رکہہ لیا اور جدا اونکے بلوغ کے باہم اونکے درمیان تقسیم کر دیا - تو بالغ ونابالغ سب کے حق مین تقسیم صحیح ہوگی -

وصی کا اختیار بیع اگر باپ کے وصی نے موصی کے ترکہ مین سے کوئی چیز فروخت کی تو اوسمین دو صورتین ہین - اول یہ کہ میت پر قرضہ نہ ہو اور نہ اوس نے کچھ وصیت کی ہو دویم - یہ کہ اوسپر قرضہ ہو یا وصیت ہو - پس اول صورت کے واسطے کتاب مین یعنی مختصر قدوری مین لکھا ہے کہ وصی کو اختیار ہے کہ جب وارث لوگ نابالغ ہون تو ترکہ کی متاع وعروض وعقار مین سے ہر چیز فروخت کرے - شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ سلف کا قول ہے ومتاخرین کے نزدیک نابالغ کا مال عقار فروخت کرنا صرف اوس صورت مین جائز ہے جب میت پر اس قدر قرضہ ہو کہ بغیر عقار فروخت کرنے کے وہ نہ ادا ہو سکے یا صغیر کو ایسی ضرورت ہو کہ بغیر فروخت عقار کے رفع نہ ہو - یا مشتری کو اوس عقار کی ایسی ضرورت ہے کہ دوچند قیمت ادا کرنا منظور کرتا ہو - اسی پر فتویٰ ہے - یا ترکہ مین وصیت مرسلہ (یعنی زرنقد کی) جسکے ادا کرنے کے لیے عقار کے ثمن کی ضرورت ہے یا عقار کا فروخت کرنا یتیم کے حق مین بہتر ہو مثلاً اوسکا خراج وخرچ اوسکے حاصلات سے زیادہ ہو - یا عقار ایسا مکان یا دوکان ہے کہ گری پڑتی ہو - تو عقار کو اوسکی برابر قیمت پر

یا خفیف نقصان پر فروخت کرے۔ لیکن اس قدر نقصان کے ساتھ جو عام طور پر لوگ گوارا نہین کر سکتے وصی کو فروخت کرنے کا اختیار نہین ہے۔ اگر وارث سب بالغ وحاضر ہین تو ترکہ مین سے بلا اوسکی اجازت وصی کا کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہین اگر بالغ وارث غائب ہون تو وصی عقار کے علاوہ دوسری چیزین فروخت کر سکتا ہے اور عقار اور غیر عقار سب کو اجارہ پر وصی دیسکتا ہے[۵۱]۔ اگر سب وارث بالغ ہین مگر بعض غائب ہین۔ تو غائب کے حصہ مین سواے عقار کے حفاظت کی غرض سے دوسری چیز کی بیع کا وصی کو اختیار ہے اور اسمین اتفاق ہے۔ اور جب غائب کے حصہ کی بیع بالاتفاق جائز ہے تو امام اعظم کے نزدیک حاضر کے حصہ کی بیع بہی جائز ہے لیکن صاحبین کے نزدیک جائز نہین ہے۔ یہ اوسوقت ہے کہ ترکہ پر قرض نہو لیکن اگر قرضہ تمام ترکہ کو محیط ہے تو ترکہ بالاجماع فروخت کیا جائیگا۔ اگر محیط نہو تو بقدر قرضہ کے و قرضہ سے زائد مین امام اعظم کے نزدیک باقی کو بہی وصی فروخت کر سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک نہین۔ اگر وارثون مین ایک صغیر ہو اور باقی کبیر ہون اور ترکہ پر نہ قرضہ ہے نہ وصیت۔ اور ترکہ مال منقول ہے تو بالاتفاق وصی کو حصہ نابالغ کے بیع کا اختیار ہے اور امام اعظم کے نزدیک بالغ وارثون کے حصہ کی بیع کا اختیار بہی وصی کو ہے مگر صاحبین کے نزدیک نہین۔ مان و بہائی کے وصی کو ایسے اختیارات نہین ہین۔ اگر نابالغ کو مان یا بہائی سے میراث ملی ہے تو اونکے وصی کو اختیار ہے کہ ماسوائے عقار کے اور چیزین فروخت کرے۔ اگر اوس ترکہ پر میت کے قرضہ و وصیت کا بار ہے تو بقدر

---

[۵۱] وجہ یہ ہے کہ غائب کے مال کی حفاظت کا وصی کو اختیار ہے وعروض کا فروخت کرنا داخل حفاظت ہے اور عقارات خود ہی محفوظ ہوتے ہین لیکن اگر عقار کے تلف ہونے کا احتمال ہو تو یہ بہی بمنزلہ عروض کے ہے۔

قرضہ و وصیت کے عقار کو بھی فروخت کر سکتا ہے اور اوس سے زائد فروخت کرنے
مین وہی اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا - کھانا اور کپڑے کے سوا صغیر کے واسطے اور کوئی چیز
نہین خرید سکتا - باپ کے ترکہ سے اگر نابالغ کو کچھ میراث ملی ہے تو ماں کا وصی اوسے
فروخت نہین کر سکتا - اگر کوئی شخص اولاد صغیر و باپ چھوڑ کر فوت ہوا اور کوئی وصی مقرر
نہ کیا تو دادا بمنزلہ وصی کے ہوگا - لیکن اگر میت پر قرضہ کثیر ہے تو اسکا باپ یعنی نابالغ
کا دادا یہ اختیار نہین رکھتا ہے - کہ ادائے قرضہ کے لیئے ترکہ فروخت کرے - امام اعظم
نے وصی میت و پدر میت کے اختیارات مین فرق کیا ہے کہ وصی میت کو اختیار ہے
کہ ادائے قرضہ و تنفیذ وصیت کے لیئے ترکہ فروخت کرے - لیکن پدر میت کو یہ اختیار
نہین ہے[۵۱] -

وصی کو مال یتیم سے یتیم کے نفع کے واسطے تجارت کرنا درست ہے لیکن یہ جائز نہین
ہے کہ وصی یتیم کے یا میت کے مال سے اپنے واسطے تجارت کرے اگر کرے گا اور
نفع حاصل کریگا تو وصی راس المال کا ضامن ہوگا اور نفع کو صدقہ کرنا پڑیگا - یہ امام اعظم
و امام محمد کا قول ہے - اگر وصی یا باپ نے اپنے ذاتی قرضہ مین مال یتیم رہن کیا تو قیاساً

---

۵۱ امام شافعی کے نزدیک باپ کے وصی پر دادا مقدم ہے کیونکہ شرع نے باپ کے ہونے کی
حالت مین دادا کو اوسکا قایمقام کیا ہے حتی کہ دادا اسے میراث لیتا ہے - جامع صغیر مین ہے کہ صغیر کے
مال مین دادا سے باپ کے وصی کا حق زیادہ ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی مقرر کرنے سے باپ کی ولایت
بجانب وصی منتقل ہوئی - باپ کی ولایت ازراہ معنی کے قایم ہے گو بظاہر باپ مرگیا ہے تو وصی کو دادا پر
تقدیم ہوگی جیسے خود باپ کو اوسپر مقدم تھا - اور اس مین نکتہ یہ ہے کہ جب دادا کی موجودگی کے
باوجود موصی نے وصی مقرر کیا تو یہ دلیل ہے کہ وصی کا تصرف اپنی اولاد کے حق مین بہ نسبت اپنے
باپ کے زیادہ بہتر جانتا ہے -

جائز نہین ہے لیکن استحساناً جائز ہے اگر وصی نے اپنا قرضہ یتیم کے مال سے ادا کیا
تو نہین جائز ہے واگر باپ نے ادا کیا تو جائز ہے۔ میت نے اپنی بی بی کو وصی کیا
اور بی بی کا دین مہر اوسکے ذمہ باقی ہے۔ پس اگر میت نے ترکہ مین درم یا دینار یعنی زر نقد
چھوڑا ہے تو بی بی اوس سے اپنا مہر ادا کرے واگر نہین چھوڑا تو جو مال فروخت کرنے کی
لایق ہے اوسے فروخت کر کے وصول کر لے۔ اگر وصی نے نابالغ کے واسطے
کھانا کپڑا اپنے مال سے خرید کیا یا بغیر اجازت وارث کے قرضہ میت اپنے پاس سے
ادا کیا اور گواہ کر لیے تو مال و ترکہ میت سے وصی واپس لے سکتا ہے وصی کو اختیار
ہے کہ بدون حکم وارثان کے میت کا قرضہ ادا کرے اور اوسکو کفن دے اور مال
میت سے اوسکو واپس لے۔

مسلمانون کے عقائد و معاملات باہم اس قدر ملے جلے ہین کہ اگر کوئی شخص اپنے عقائد مذہبی بدلکر کسی دوسرے مذہب کے عقائد کا پابند ہوجائے تو ساتھہ ہی اوسکو اپنی پہلی شرع بھی تبدیل کرنی لازم ہوگی جسکا تعلق صرف معاملات دنیوی سے ہے - یعنی اگر کوئی شیعہ سنّی ہوجائے تو اوسکو سنیون کی شرع کی پابندی کرنی ہوگی - اسیطرح اگر کوئی حنفی شافعی ہوجائے یا اخباری وصولی ہوجائے تو اوسکو شافعی و وصولی کے قواعد کی پابندی کرنی ہوگی نہ صرف عقائد مذہبی مین بلکہ جملہ معاملات دنیوی مین بھی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانون مین ہر شخص کا قانون اوسکا ذاتی قانون ہے - شرع نے موروثی و مکسوبہ جائداد مین کوئی امتیاز نہین رکھا ہے - مالکِ جائداد خواہ وہ اوسکی ذاتی مکسوبہ ہو یا اوسکو وراثتاً ملی ہو اپنی حیات مین اپنی جائداد کا مستقل مالک ہے - اور وہ مختار ہے جس طرح چاہے اوسکا انتظام کرے - بشرطیکہ اوسکی حیات مین اوس انتظام کا نفاذ بھی ہوگیا ہو - مگر وصیت کے ذریعہ سے جائداد کے انتظام کرنے کی بابت موصی کے اختیارات ورثا شرعی کے باعث محدود ہین -

چنانچہ اس اصول کو احکام پریوی کونسل نے بمقدمہ رانی کہجور النسا بنام روشن جہان[۱] صحیح

۵۴ لا رپورٹ اپیلہائے ہند جلد ۲ صفحہ ۱۹۲

تسلیم کیا ہے۔ حکام ممدوح تحریر کرتے ہین کہ "شرع محمدی کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ورثا شرعی کو جسطرح جائداد ملنی چاہیئے اوسمین موصی کو وصیت کے ذریعہ سے دست اندازی کرنے سے باز رکھے۔ اگرچہ موصی ایک معین حصہ یعنی ایک ثلث جائداد کا ایک غیر شخص کو دیسکتا ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مالک جائداد اپنی حیات مین منجملہ چند لڑکون کے ایک لڑکے کو کل جائداد یا کوئی خاص حصہ جائداد کا دیکر شرع کے اس اصول کو توڑ سکتا ہے"

گو عورتون کا حصہ بمقابلہ مردون کے کم ہے مگر مثل مردون کے وہ بھی اپنے شرعی حصہ کی مستقل مالک ہین۔ بخلاف اہل ہنود کے مسلمان بیوہ اوس جائداد کی مستقل مالک ہے جو اوسکو اپنے شوہر سے ملی ہے۔ جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے طریقہ توریث مین کوئی تفریق نہین ہے۔ البتہ شیعون مین لاولد بیوہ کو جسکی اولاد اوسکے شوہر کی وفات کے وقت زندہ نہ ہو جائداد غیر منقولہ مین کوئی حصہ نہین ملتا۔ اوسکو بنسبت جائداد منقولہ ومکانات مین حصہ ملیگا۔

ہندوستان کے چند حصہ مین مسلمانون نے ہندؤن کے خاندان مشترکہ کا اصول اختیار کیا ہے جب کوئی ہندو خاندان نے اسلام قبول کیا اور وہ مثل سابق مشترکہ رہکر اپنی قدیم رسم ورواج پر قایم رہا ہے تو اوس سے ہندو خاندان مشترکہ کے اصول متعلق ہونگے مگر اس امر کا بار ثبوت کہ پورانی رسم ہنوز قایم ہے اوس شخص پر ہوگا جو اوسے بیان کرتا ہے اگر کسی اہل اسلام کے خاندان مین چند اشخاص بالاشتراک رہتے ہین اور اونکی جائداد بھی مشترکہ ہے تو یہ خاندان اون معنون مین مشترکہ نہ کہا جائیگا جن معنون مین یہ لفظ ہندو خاندان کے ساتھہ مستعمل ہوتا ہے اور شرع مین مثل شاستر کے یہ قیاس نہو گا کہ خاندان کے جملہ اشخاص نے جو کچھہ پیدا کیا وہ کل خاندان کے فائدہ کے لیے پیدا

گیا[۵۳]- لیکن اگر کسی اہل اسلام کے خاندان کے چند ممبر شراکت مین رہتے ہون - اور یہ ثابت ہو کہ جو جائداد کو اپنے مورث اعلیٰ سے پہونچی ہے اوسکا منافع مشترکًا سب کے صرف مین آتا ہے تو اس صورت مین منتظم خاندان کل جائداد کا مالک نہین ہوسکتا اور نہ یہ کہہ سکتا کہ دیگر شرکاء خاندان کے حقوق مین تمادی عارض ہے[۵۴] صرف اندراج کاغذات ثبوت قطعی اس امر کا نہین ہے کہ وہ شخص جسکا نام کاغذات سرکار مین درج ہے وہ اوس حقیت کا مالک ہے اور جو شخص مدعی وراثت ہے وہ یہ کہسکتا ہے کہ باوجود اس قسم کے اندراج کے وہ جائداد پر مشترکًا قابض تھا اور اوسپر یہ ثابت کرنا ضروری نہین ہے کہ وہ اپنا منافع برابر پاتا رہا ہے[۵۵] - لیکن جب خاندان کا کوئی شخص اس بیان سے کہ جائداد موروثی ہے اپنا حصہ دلاپانے کا دعویٰ کرے اور مدعا علیہ اوسے اپنی خاص مکسوبہ کہے تو مدعا علیہ کو یہ ثابت کرنا ضروری نہین ہے کہ اوسکے پاس اس قدر سرمایہ تھا جس سے اوس نے وہ حقیت خرید کی بلکہ مدعی کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ حقیت کل اہل خاندان کے فائدہ کے لیئے

---

[۵۳] حکیم خان بنام گل خان کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۸۲۳ و ذاکر علی چودہری بنام رامچندر سین صفحہ ۸۳۱ جلد مذکور و عبد الودود بنام محمد اکمل کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۶۲ چنانچہ اسی اصول کی بنا پر یہ تجویز ہوئی کہ مد ۱۲۷ قانون تمادی ایسے خاندان مشترک سے متعلق ہے جو حسب مفہوم دہرم شاستر اہل ہنود کے مشترکہ ہو اسلئے یہ مد اہل اسلام کے خاندان سے متعلق نہ ہوگی - دیکھو پاچیا بنام محی الدین مدراس جلد ۱۵ صفحہ ۲۶۵ و ۲۰۶ و محمد رحیم بنام ضیاء احمد الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۲ حسین بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۷۰ سے اختلاف کیا گیا[۵۴] ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۴۵ -

اچھنیہ بی بی بنام عزیز النسا بی بی - اسمین یہ تجویز ہوئی کہ اگر کوئی عورت معہ اپنی لڑکیون کے اپنے بہائی کے ساتھہ رہتی تہی اور جائداد موروثی سے کہاتی پیتی تہی تو اس سے صحیح طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ عورت بنام اپنی بہائی و لڑکیون کے اوس جائداد پر قابض تہی اور بہائی مثل منتظم کے کاروبار کرتا تہا[۵۵] حیدر حسین بنام محمد حسین ایلیاسے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۴ صفحہ ۴۰۱ -

خریدی گئی اور سب اوسپر بالاشتراک قابض ہین[۵۱] اگر باپ نے اپنی حیات مین کوئی حقیقت اپنے لڑکے کے نام جو اوسکے شریک رہتا ہے خرید کی تو اس سے مسلمان خاندان مین ایسا کوئی قیاس نہ پیدا ہوگا جیسا کہ اوس حالت مین پیدا ہوتا۔ اگر خریداری کسی ہندو خاندان کی باپ کی ہوتی اور لڑکے پر یہ ثابت کرنا ضرور نہین ہے کہ اوس نے اپنی خاص سرمایہ سے وہ جائداد خرید کی اور اوسکا باپ درحقیقت اوس کا مالک نہ تھا[۵۲]۔
سرمایہ مشترکہ سے منتظم خاندان نے اگر کچھہ پیدا کیا ہے اور وہ بلا کسی امتیاز کے سب مین مشترک ہے تو وہ چیز کل خاندان کی ہوگی[۵۳]۔ لیکن جب یہہ نہ معلوم ہو کہ سرمایہ مشترکہ سے پیدا کیا گیا یا آنکہ پیدا کرنے کے وقت ہی سے جائداد مشترکہ سے وہ بالکل علیحدہ ہے تو دیگر ممبران کو اسمین کوئی حق نہین ہے۔
بمقدمہ جوالابخش بنام دہرم سنگھہ[۵۴] حکام پریوی کونسل نے ایسے خاندان ہنود کے وراثت کے متعلق جو مسلمان ہوگئے تھے چند قواعد بیان کیے ہین۔ حکام ممدوح حسب ذیل تحریر فرماتے ہین۔ "اس مقدمہ کے انفصال کے لیے اب تک یہ امر فرض کر لیا گیا ہے اور اس بات کو مدعیان نے بھی اپنے مقدمہ کا جزو قرار دیا ہے کہ گویہ خاندان مسلمان ہوگیا ہے مگر ہنوز وہ ہندو شاستر و رسم کے تابع ہے اور اس لیے اس مقدمہ کے حقوق متنازعہ کا تصفیہ ہندو شاستر کے بموجب ہونا چاہیے۔ لیکن ہم حکام کے نزدیک یہ حجت صحیح نہین ہے۔" بمقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم[۵۵] سے یہ مقدمہ لائق امتیاز کے ہے۔ مقدمہ مذکور کے فریقین دیسی عیسائی تھے جنکی وراثت کے متعلق کوئی قانون نہ تھا۔ اور بعدم موجودگی

---

۵۱ محمد آفاق بنام کرم علی ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ صفحہ ۳۷۴ ۵۲ غلام مخدوم بنام حفیظ النسا ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۴۸۹ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۶۹ ۵۳ مدراس جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۴ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۶۹ ۵۴ اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۰ صفحہ ۵۳۶ ۵۵ اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۹ صفحہ ۱۹۵۔

کسی قانون کی اس کمیٹی نے اوس قانون پر عمل کیا جسکی اتباع کرنے کی نیت جیسا کہ شہادت سے ثابت ہوتا ہے اس مخصوص خاندان نے کی تہی - لیکن ہندوستان کے تحریری قانون مین بالفاظ وسیع یہ درج ہے کہ معاملات وراثت مین ہنود سے دہرم شاستر متعلق ہوگا اور مسلمانون سے شرع محمدی - اور مقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم مین جو تجویز لارڈ کنگسدون کی ہے اوسمین یہ لکھا ہے کہ وہ یہ اصول صرف پیدایشی ہندو و مسلمان سے متعلق نہین ہے بلکہ ان سے بہی جو مذہباً ہندو یا مسلمان ہین "

وہ میکناٹن صاحب کے اصول دہرم شاستر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ و ۱۳۲ مین دو مقدمون کا ذکر ہے جو ایسے ہندؤن سے متعلق ہے جنہون نے دین اسلام قبول کر لیا تہا اور ان مقدمون مین یہ تجویز ہوئی کہ تبدیل مذہب کے وقت متوفی جس جائداد کا مالک تہا وہ اوسکے وارثون مین بموجب دہرم شاستر کے تقسیم ہوگی - یہی مقدمات اسبات کی سند ہین کہ متوفی نے تبدیل مذہب کے بعد جو کچہہ پیدا کیا اوسمین بموجب شرع محمدی کے میراث جاری ہوگی[۱۵]

اس مقدمہ مین کوئی ثبوت قطعی اس امر کا نہین ہے کہ مورث اعلی نے کب اور کیونکر جائداد حاصل کی اس مقدمہ مین بخلاف مقدمات محولہ بالا کے ہندو و مسلمان وارثون کی وراثت کی بابت نزاع نہ تہی - یہ مسلمہ ہے کہ مورث کے پاس جو کچہہ تہا وہ اوسکی اولاد کو ملا جو مثل اوسکے سب کے سب مسلمان تہے اور یہ امر اصول کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اولاد کے درمیان وراثت سوا سے شرع محمدی کے کسی اور قانون کے تابع کیجائے

---

[۱۵] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۷ - اختلاف ملت جیسا آیندہ آئیگا مانع ارث ہے یعنی مسلمان کسی مشرک کا وارث نہین ہوتا - اس لیے اگر کسی شخص نے کچہہ مال حالت شرک مین کمایا اور کچہہ بعد اسلام قبول کرنے کے اور اوسکے وارثون مین مشرک و مسلمان دونون ہین تو حالت شرک کی کمائی مشرک وارثون کو ملیگی اور مسلمان ہونے کیحالت مین جو کمایا ہے وہ مسلمان وارث کو ملیگی -

یہ سوال کہ ایک ہندو خاندان جس نے دین اسلام قبول کیا ہے کئی نسل تک ہندو رسم و رواج کا پابند رہ سکتا ہے یا نہین اور پابند ہونے کی حالت مین اوس رسم و رواج کی بنا پر کوئی خاص قانون وراثت ابنے لیے قایم کر سکتا ہے یا نہین۔ ایسا سوال ہے جو اسوقت تک ہمارے علم مین طے نہین ہوا ہے۔ مگر اس اپیل کے فیصل کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ سوال مذکور کا جواب بصیغہ نفی دیا جائے اور اسلئے ہم حکام ایسا کرنے سے باز رہتے ہین۔ لیکن حکام ممدوح یہ ضرور کہین گے کہ عام قانون کے محدود کرنے کے لیے بشرطیکہ شرع محمدی اس قسم کی دست اندازی کو جائز بہی رکہے کسی خاص رسم و رواج کے وجود کے متعلق بہت ہی قوی شہادت کی ضرورت ہو گی جو اس مقدمہ مین نہین ہے"

اون پورانی رسم و رواج کی نسبت جو بعض ہندو خاندان نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہی اپنے درمیان جاری رکہا عدالت ہاے ہند ایک حد تک یہ خیال کرتی ہین کہ وے ایسے مستحکم ہین کہ اون مین کسی قسم کا تغیر یا تبدل نہین ہو سکتا۔ لیکن یہ راے فریقین کی ذاتی قانون کے خلاف ہے اور حکام پریوی کونسل کی راے کے تو بالکل مغائر ہے۔ بمقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم[۵۷] حکام ممدوح نے حسب ذیل اپنی راے بیان کی ہے۔

دو میتہیو ابراہام نے اپنی جائداد کا اصل حصہ خود ہی پیدا کیا تہا۔ اپنی مرضی کے مطابق اپنی جائداد کے تصرف کرنے مین اوسے کسی قانون کی کوئی قید نہ تہی۔ یہ بات ثابت نہین ہوئی کہ اوسکے مورثون نے تبدیل مذہب کے بعد اپنی جائداد کو کیونکر استعمال و تصرف کیا یہ واضح ہے کہ اگر اوسکے مورث اپنی جائداد کے استعمال و تصرف مین کسی خود خواستہ اصول کے پابند رہے ہون تو وہ اوسکی اولاد پر جس نے اپنی دولت خود حاصل کی ہے

---

[۵۷] اپیلہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۹ صفحہ ۱۹۵۔

لازمی طور پر واجب التعمیل نہین ہے۔ اگر ہندو خاندان مشترکہ کا ایک ممبر اپنی تنہا پیدا کی ہوئی دولت کو الگ رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ بلاشبہ کر سکتا ہے تو ایک عیسائی بدرجہ اولی ایسا کر سکتا ہے۔

(۵) جائداد کے تصرف کے متعلق کسی خاص رسم و دستور کو (بشرطیکہ وے کسی قانون پر مبنی نہ ہون) جیسے ہر شخص اپنی خوشی سے قبول کرتا ہے ویسی ہی وہ اوسکو تبدیل کر سکتا ہے یا اوسکو قطعاً ترک کر سکتا ہے۔ مسٹر ملوائل نے کیا خوب کہا ہے کہ رواج مین قدامت کا مفہوم داخل ہے۔ اگر کسی خاندان نے جس نے تبدیل مذہب کیا ہے اپنے مورثون کی پورانی رسم ورواج کو ایک حد تک اختیار کیا ہے تو کیا اون کا یہ اختیار ناقابل تبدیل ہے۔ کیا وہ یا اوسکی اولاد ان باتون کو تبدیل نہین کر سکتی جو قدرتی طور پر اس وجہ سے انقلاب پذیر ہین کہ وے انسان کے آنے والی نسلون کے متلون خیالات وجذبات ومختلف ذمہ داریون کے تابع ہین۔

(۶) اگر اس مذہب کی تعلیم نے اپنے نومریدون کے اخلاق کو زیادہ مہذب بنایا اور اونہون نے صدق دل سے اوس رسم ورواج کو ترک کر دیا جسکو اونکے مورثون مین سے اول تبدیل مذہب کرنے والے نے جاری رکھا تھا تو کیا وہ متروک رسم ورواج اب بھی کسی قانونی اصطلاح کی وجہ سے اوس خاندان مین مروج خیال کیا جائیگا؟ یقیناً ایسے امورات مین جو فی نفسہ نہ بھلے ہین نہ برُے ایسی عدالتین جنکو اختیار تمیزی حاصل ہے موجودہ باتون پر عمل کریگی نہ کہ ایسی باتون پر جو کسی زمانہ سابق مین تھین اور اپنے قیاسات قایم کرنے پر اوس شخص کی طرز معاشرت پر خیال کریگی نہ کہ اوسکے مورثون کی طرز معاشرت پر۔ نسب کسی شخص کی خواہش کے تابع نہین ہے مگر رسم ہے۔ جہان تک ہم حکام واقف ہین کوئی قانون کسی نوعیسائی کو اپنا درجہ تبدیل کرنے مین مانع نہین ہے۔

تبدیلی درجے سے جو وقت وراثت مین پیدا ہوتی ہے وہ اوس وقت سے زیادہ نہین ہے جو تبدیلی مرز و بوم سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے وقت کی بنا پر اس تبدیل کے جواز کی نسبت اعتراض کرنا لاحاصل ہے۔ اگر درحقیقت اس قسم کی تبدیلی ہوتی ہے تو قانون اسکو معدوم کیون خیال کرنے لگا؟ ہم حکام کی یہ رائے ہے کہ متھیوا برہام گو وہ پیدائشی و بچپنے مین دیسی عیسائی تھا اور جائداد کے معاملہ مین ہنود کے شاستر و رواج کا پابند تھا اس امر کا مجاز تھا کہ اپنے دیسی عیسائی کے درجہ کو تبدیل کر کے اوس درجہ کا عیسائی ہوجائے جس درجہ کی اوسکی بیوی تھی۔ یہ کوئی آسان امر نہ تھا جسپر بلا سمجھے بوجھے عمل کیا گیا اور بلا سمجھے بوجھے ترک کیا جاسکتا ہے۔ شہادت سے ہمکو ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا مین احتیاط سے کام لیا گیا۔ غور و خوض کے بعد تبدیلی واقع ہوئی۔ پھر علانیہ طور پر اپنی زندگی کے ۲۰ برس یا زیادہ تک اوسپر قایم رہا۔ اوسکا خاندان مثل ایسٹ انڈین خاندان کے رہتا تھا اور اوسی طور پر اوسکا انتظام ہوتا تھا۔ ایسے خاندان مین خاندان مشترکہ کا مفہوم اون معنون مین جیسا اوپر مذکور ہوا بالکل لامعلوم شے ہے۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ مفہوم اوس خاندان پر عائد کیا جائے جسکا میتھیو ابرہام بحیثیت ہونے باپ کے مکھیا تھا۔ رضامندی سے نہین ہوسکتا کیونکہ رضامندی نہین تھی۔ کسی واجب التعمیل قانون کے زور سے نہین کیونکہ کوئی قانون نہ تھا۔ اختیار کرنے کی وجہ سے نہین کیونکہ اونہون نے ہندو رسم و رواج کو اختیار نہین کیا۔ بلکہ برعکس اسکے اونہون نے ترک کردیا۔ ہم حکام کی رائے مین مفہوم مذکورہ صرف اوس صورت مین عائد کیا جاسکتا ہے کہ اس نکاح کی اولاد سے چشم پوشی کر کے اس خاندان کے جملہ ممبرون کو اوس ابتدائی خاندان مین محو کردین جسکے ممبر دونون بھائی تھے اور تمام موجودہ رسم و رواج و طرز معاشرت سے چشم پوشی کیجائے اور خلاف واقع یہ فرض کرلیا جائے کہ رسم ہنود ہنوز جاری ہے جو بعد

غور و خوض کے ترک کر دی گئی ہے۔ اسلئے ہم حکام کی راے ہے کہ خاندان مشترکہ کا جسپر مدعا علیہ نے جوابدہی مین استدلال کیا ہے ایسے معنی مین وجود نہین تہا جو اس مقدمہ کے انفصال مین کسی طور پر اہم ہویا اوس سے کچھہ مدد ملسکے "

بمقدمہ علیم النساخاتون بنام حسن علی[۵۱] کلکتہ ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ اوس صورت مین بہی جب چند مسلمان بالاشتراک رہتے ہون اور کسی خاص ممبر کے فائدہ کے واسطے کچھہ صرف کیا گیا ہے تو اوس صرف کا بار دیگر ممبران خاندان کے ذمہ نہ ڈالا جائیگا۔ اس مقدمہ کے واقعات یہ ہین کہ مدعی و مدعا علیہ کا جو باہم بہائی بہن تہے۔ خور و نوش و کار و بار سنہ ۱۸۷۲ع تک ایکجائی تہا اوسی سال مین وے علیحدہ ہوئے و بروقت علیحدگی یہ اقرار نامہ لکہا گیا " اگر جائداد مشترکہ کی بابتہ کوئی نالش اس بناء پر ہو کہ قرضہ اوس زمانہ کا ہے جب ہم لوگ مشترک تہے تو منمقر الف و منمقر ب اوس قرض کو بحصہ مساوی ادا کرین گے اگر ہم مین سے کوئی نہ ادا کرے اور ایک کو دوسرے کا قرضہ ادا کرنا پڑے تو وہ شخص جس نے ادا کیا ہے فریق ثانی سے وہ روپیہ وصول کر لیگا جو اوس نے فریق ثانی کے حصہ کی بابت ادا کیا ہے " بعد علیحدگی کے الف کے اوپر کپڑے کی قیمت کی بابت ڈگری ہوئی جو اوسکی یعنی الف کی شادی مین جو بحالت اشتراک ہوئی تہی صرف ہوا تہا الف نے کل ڈگری ادا کر کے ب پر نصف زر ڈگری کے دلاپانے کا دعوی کیا۔ تجویز ہوئی کہ چونکہ قرض ایسی ضرورت کے لئے نہین لیا گیا تہا جو خاندان کے قیام کے لیے ضروری تہا بلکہ صرف بہائی کے فائدہ کے واسطے لیا گیا تہا اور چونکہ خاندان اہل اسلام مین صرف وہ شخص جو قرض سے مستفید ہو اوس قرض کا ذمہ دار ہے اس لیے تنہا بہائی قرض کا ذمہ دار تہا۔ اور یہ بہی تجویز ہوئی کہ اقرار نامہ مذکور صرف ایسے قرضہ جات سے

---

[۵۱] کلکتہ لارپورٹ جلد ۸ صفحہ ۳۷۸۔

متعلق ہے جسکی ذمہ داری کل اہل خاندان پر مشترکاً ہو۔
اس امر کے دریافت کرنے کے لیے کہ متوفی کے چند رشتہ دارون مین کونسا رشتہ دار مستحق وراثت ہے ذیل کے قواعد مفید ہین۔

(۱) اگر متوفی نے دو ایسے رشتہ دار چہوڑے کہ ایک کو دوسرے کے توسط سے متوفی کے ساتھ قرابت ہے تو پہلا شخص بحالت حیات اوس شخص کے جسکے توسط سے وہ دعویدار قرابت ہے محروم الارث ہوگا۔ مثلاً اگر متوفی کے لڑکا و پوتا ہے تو بحالت حیات لڑکے کے پوتا محروم الارث ہوگا۔ یہ قاعدہ شیعہ و سنی دونون ایکسان مانتے ہین۔ ایک استثناء ہے وہ یہ ہے کہ مان کی حیات مین بہائی و بہنین محروم الارث نہین ہوتین۔

(۲) رشتہ دار قریبی رشتہ دار بعید کو محروم کرتا ہے۔ یہ قاعدہ درحقیقت قاعدہ نمبر ایک ہے جو دوسرے پیرایہ مین بیان ہوا ہے۔ اور شیعہ و سنی دونون کا اسپر عمل ہے۔ مگر چونکہ دونون مذہبون مین ورثاء شرعی کی ترتیب مین اختلاف ہے اس لیے اس قاعدہ کو عملی طور پر متعلق کرنے مین بہی اختلاف واقع ہوتا ہے مثلاً اہل سنت وجماعت مین اس قاعدہ پر عمل درآمد صرف اوس حالت مین ہوتا ہے جبکہ ترکہ مذکر عصبون مین تقسیم کرنا ہے و اہل شیعہ اس قاعدہ پر ہر حالت مین عمل کرتے ہین بلا خیال تذکیر و تانیث کے۔ مثلاً اگر متوفی کے رشتہ دارون مین متوفی کے بہائی کا لڑکا و متوفی کے بہائی کا پوتہ و خود متوفی کی لڑکی کا لڑکا (نواسہ) ہو تو مطابق شرع اہل سنت وجماعت کے بہائی کے لڑکے یعنی بہتیجہ کو جو بوجہ اسکے کہ مذکر عصبہ بمقابلہ بہائی کے پوتہ کے اقرب ہے وراثت مین ترجیح دیجائیگی۔ برعکس اسکے اہل شیعہ نواسہ کو ترجیح دینگے اور اوسکے ہوتے بہتیجہ و بہائی کے پوتہ کو کچہہ حصہ نہ ملے گا کیونکہ باعتبار خون کے نواسہ کو زیادہ نزدیکی ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف حالات سے رشتہ داروں کے حق وراثت
مین اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ قاعدہ مذکورہ بالا کی وجہ سے چند رشتہ دار تو کلیتہً وراثت
سے محروم ہو جاتے ہین اور بعض حالتین ایسی ہی ہین کہ بوجہ موجودگی دوسرے رشتہ دارون
کے چاہے خود انکا کوئی حق ترکہ مین ہو یا نہ ہو ایک وارث کے حصہ مین کمی
واقع ہوتی ہے۔ لیکن اہل سنت وشیعہ دونون کے نزدیک چند ایسے شرعی
ورثار بھی ہین جو کبھی کلیتہً وراثت سے محروم نہین ہو سکتے گو اونکے حصو نمین کمی بیشی
واقع ہو سکتی ہے۔ اس قسم کے ورثار شرعی یہ ہین۔ باپ۔ مان۔ لڑکا۔ لڑکی۔
شوھر یا زوجہ۔

شیعہ وسنی دونون نے وراثت مین قایمقامی کے اصول کو نہین مانا ہے۔ مثلاً
اگر متوفی نے ایک لڑکا و چند پوتے اپنی وفات پر چھوڑے اور پوتون کا باپ متوفی کی
حیات مین فوت ہو چکا تھا تو اس حالت مین پوتے کلیتہً وراثت سے محروم ہونگے
کیونکہ چچا بقید حیات ہے۔ اسیطرح پر اگر متوفی کے دو پوتے ایک لڑکے سے اور
تین پوتے دوسرے لڑکے سے ہون مگر متوفی کے دونون لڑکے اوسکی حیات مین
فوت ہو چکے ہون تو پانچون پوتون کو برابر برابر حصہ ملیگا۔ یہ نہو گا کہ دو پوتون کو نصف
ملے اور بقیہ نصف دوسرے تین پوتون کو ملے جیسا کہ اوس حالت مین ہوتا جب کہ
متوفی کے دونون لڑکے متوفی کے فوت ہونے کے وقت زندہ ہوتے۔ لیکن قایمقامی
کا اصول کسی قدر ذوی الارحام کے ساتھ متعلق کیا جاتا ہے۔ مثلاً مان کی طرف
کی بہنون یعنی اخیافی بہنون کو مان کا حصہ ملے گا۔ اسی طرح کی چند اور شکلین ہین۔ شیعہ
وشافعی و مالکی بڑے لڑکے کو باپ کا گھوڑا و اسلحہ و قرآن حصہ مین زیادہ دیتے ہین تاکہ
اس سے متوفی کے چند لڑکون مین سے بڑے لڑکے کو ایک قسم کا اعزاز ہو۔ مگر حنفی

اس قاعدہ کو نہین مانتے ہندوستان کے چند خاندانون مین کل جائداد متوفی کے بڑے لڑکے کو ملتی ہے اور اسمعیلیون مین بھی بڑے لڑکے کو کل ترکہ ملتا ہے جب والدین مین سے کوئی ایک مسلمان ہے تو لڑکا بھی مسلم قیاس کیا جائیگا تاوقتیکہ بچہ اپنے عقائد کو اسکے خلاف نہ ظاہر کرے۔ اور وراثت کی تخریج بموجب شرع شریف ہوگی مختلف مذہب کے مسلمان باہم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین مگر تخریج وراثت اوس مذہب کے مطابق ہوگی جسکا متوفی وقت وفات کے پابند تھا۔[۵۱]

وراثت ایک قانونی حق ہے جو وارث کے انکار سے زایل نہین ہوسکتا۔ اس لیے اگر وارث نے اپنا حصہ لینے سے انکار کیا تو اس وارث کا وارث اوس حق سے محروم نہ ہوگا بشرطیکہ وہ اپنا دعویٰ میعاد کے اندر پیش کرے۔ لیکن اگر کسی وارث نے کچھ لیکر اپنے حق وراثت سے دست برداری کی ہے تو پھر اوسے میراث نہ ملیگی (الف)[۵۲]

متوفی کے ترکہ پر اول بار تجہیز و تکفین کا ہے۔ بعدہٗ اوس سے متوفی کے ذمہ کا قرضہ ادا کیا جائیگا پھر بقیہ سے اگر متوفی نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ شرعاً جائز ہو تو اوسکی تعمیل کیجائیگی اور ان سب کے بعد جو بچ رہے گا وہ ورثائے شرعی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

تجہیز و تکفین | اٹیگورلا کلچرس ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۶ لغایتہ ۸۸۔ تجہیز و تکفین مین نہ بیجا صرف

---

۵۱ حیات النسا بنام محمد علیخان الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۰ (فیصلہ پریوی کونسل) اس مقدمہ مین مورثہ سنی المذہب باپ کی لڑکی تھی۔ مگر ایک شیعہ سے بیاہی تھی۔ شوہر کی حیات مین عورت بظاہر شیعہ مذہب کی معتقد تھی۔ مگر بعد وفات اپنے شوہر کے پھر سنی ہوگئی اور اسی مذہب پر مری۔ تجویز ہوئی کہ تخریج وراثت اوس مذہب کے مطابق ہوگی جس پر متوفیہ مری۔

۵۲ (الف) مدراس جلد ۱۹ صفحہ ۱۷۶ و لوز علی بنام امامن ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۴۰ ۔

ہونا چاہیے وبدنکم۔[۵۱] اگر متوفی کے ذمہ زیادہ قرض ہے تو قرضخواہ ورثا سے متوفی کو اس امر سے روک سکتا ہے کہ وے متوفی کو کفنِ سنت نہ دین بلکہ اس تعداد کا کفن دین جس سے متوفی کی ستر پوشی ہو سکے۔ اس قسم کے کفن کو کفن کفایہ کہتے ہین۔ جو نئے یا دھوئے کپڑے سے مرد کے لیے تعداد مین دو ہوتا ہے اور عورت کیلئے تین۔ اگر متوفی نے کوئی ترکہ نہین چھوڑا تو اوسکی تجہیز و تکفین کا بار اوس شخص کے ذمہ ڈالا جائیگا جو قانوناً متوفی کی پرورش کرنے پر مجبور کیا جاتا اگر متوفی زندہ ہوتا۔ اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو یا ہو مگر وہ بھی مفلس ہو تو تجہیز و تکفین کا صرف بیت المال سے ادا کیا جائیگا کفن سنت وہ ہے جو مطابق حدیث کے ہے[۵۲]۔ لیکن اگر مردہ کا کفن لاش کے خراب ہونے سے پہلے ضایع یا بوسیدہ ہو جاسے تو مردہ کو از سرنو اوسکے کل ترکہ سے کفن دیا جائیگا۔ درالمختار۔

---

[۵۱] شریف نے اپنی کتاب شریفیہ کے صفحہ ۲ پر صرف بیجا و کم کے متعلق یہ تحریر کیا ہے۔ صرف بیجا یا تو بخیال تعداد پارچہ کفن کے ہے اس صورت مین اگر مرد کو تین کپڑون سے زیادہ کفن مین دے گیے یا عورت کو پانچ سے زیادہ تو یہ صرف بیجا کہا جائیگا۔ اور اگر تعداد مذکورہ بالا سے کم دے گیے تو ضرورت شرعی سے کم ہونا کہا جائیگا یا صرف بیجا کا اطلاق بخیال قیمت کفن کے ہوگا مثلاً اگر کوئی متوفی اپنی حیات مین دس درم کا قیمتی کپڑہ پہنا کرتا تھا اور اوسکو اس قیمت سے زیادہ یا کم قیمت کا کپڑہ کفن مین دیا گیا تو کہا جائیگا کہ اصراف یا کمی کی گئی۔ لیکن اگر متوفی عیدین مین خاص کپڑا پہنتا تھا اور دوستون سے ملنے جلنے مین دوسری قسم کا اور اپنے مکان مین کم قیمت کا تو اس صورت مین متوفی کو دوسری قسم کے کپڑہ سے کفن دیا جائیگا جو متوسط قیمت کا ہے پہلی قسم مین اصراف بیجا ہوگا اور تیسری قسم مین نہایت کمی

[۵۲] کفن سنت مردون کے لیے تہمند یا ازار و کفنی جسے قمیص یا کرتہ بھی کہتے ہین جو بلا جیب وکلی و آستین کے ہوتی ہے و چادر ہے و عورتون کے لیے تعداد مین پانچ ہے تین تو وہی جو مردون کے لیے اور دو سے سینہ ڈھانکتے ہین جیسے خمار یعنی اوڑھنی و خرقہ یعنی سینہ بند کہتے ہین درالمختار صفحہ ۱۲۹۔

قرضہ مورث | سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۴۴ - اگر کسی میت کے قرض خواہ نے میت کے چند ورثا مین سے صرف ایک کے مقابلہ مین ڈگری حاصل کی جسکا علم دوسرے ورثا کو نہین ہے ورنہ وے اوس نالش مین فریق کیے گیے تو وہ ڈگری اونپر لایق پابندی نہین ہے - مقدمہ عصمت النسا بی بی بنام لچھمی پت سنگھ[۵۱] کے حالات یہ تھے -

بذل الرحیم مورث متوفی مقروض مرا تھا - صدر النسا منجملہ وارثون کے ایک تھی دیگر وارثون پر نالش کرکے اوین نے بذل الرحیم کی حقیت نیلام کرائی تھی بعدہٗ صدر النسا نے اپنے حصہ شرعی کا دعویٰ کیا تجویز کا اہم حصہ حسب ذیل ہے -

"پس بحث نسبت اس امر کے پیدا ہوتی ہے کہ آیا وہ ڈگری جو اسطرح پر حاصل کی گئی تھی صدر النسا پر جس نے اوسکی نسبت رضامندی نہین ظاہر کی تھی موثر تھی یا نہین اور یہ امر میری راے مین بموجب شرع محمدی کے جہان تک کہ قانون مذکور اس معاملہ مین متعلق ہو سکے تجویز ہونا چاہیے -

مسٹر جیکسن نے منجانب اپیلانٹ کے ہمارے روبرو اسبات پر بہت اصرار کیا کہ چونکہ بذل الرحیم کی کل جایداد غیر منقولہ مقدمہ بالا کے مدعاعلیہم کے قبضہ مین تھی لہذا بموجب شرع محمدی کے وہی مدعاعلیہم بذل الرحیم کے کل ترکہ کے قایمقام تھے - اور جو ڈگری اون پر صادر ہوئی اوسکا اثر صدر النسا کے حصہ پر ویسے ہی ہے جیسا خود اونکے حصہ پر ہے - اور بتائید اس حجت کے ہدایہ کے فقرات ذیل پر استدلال کیا -

"کتاب ۲۰ باب ۴ (در باب فرایض قاضی) مین یہ تحریر ہے "متوفی کے وارثون مین سے ہر وارث منجانب دیگر ورثا کے ہر ایسی شے کی بابت جو متوفی کی یافتنی یا اوسکے

---

۵۱ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۶۲۲ - یہ فیصلہ اجلاس کامل کا ہے جسمین متعدد اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے - کل فیصلہ لایق پڑھنے کے ہے - نیز دیکھو امبا شنکر ہر پرشاد بنام علی رسول بمبئی جلد ۱۹ صفحہ ۲۷۳ -

ذمہ ہو خواہ وہ قرضہ ہو یا کوئی اور شئے الخ فریق نالش ہو سکتا ہے" اسکی نسبت یہ اعتراض ہو سکتا ہے "اگر ایک وارث سب کی طرف سے خصم ہو سکتا ہے تو یہ نتیجہ ہوگا کہ ہر داین مستحق ہوگا کہ اپنے قرضہ کا مطالبہ اوسی ایک وارث سے کرے مگر قانوناً ہر شخص صرف اپنا حصہ ادا کرنیکا ذمہ دار ہے۔

جواب "منجملہ چند وارثون کے صرف ایک سے داینیان اوس صورت مین مطالبہ کرنے کے مستحق ہین۔ جب کل مال اوس وارث کے قبضہ مین ہو جامع کبیر مین بھی یہی مسئلہ لکھا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ گو منجملہ چند وارثون کے ایک وارث سب کی طرف سے بحیثیت مدعی عمل کر سکتا ہے لیکن بطور مدعا علیہ کے اون سب کی طرف سے عمل نہین کر سکتا تا وقتیکہ کل مال اوسکے قبضہ مین نہ ہو"

"ولیف رض اس امر کے کہ فقرات مذکور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بموجب شرع محمدی اگر مدیون متوفی کی کل جائداد غیر منقولہ اوسکے وارثون مین صرف ایک وارث کے قبضہ مین ہو تو داین اوس وارث پر بحیثیت قابض کل جائداد کی نالش کر سکتا ہے اور اوس ڈگری کی جو اوسپر حاصل کیجاوے دیگر ورثار پر بھی پابندی ہوگی لیکن ہدایہ کے متن سے یہ واضح نہین ہوتا ہے کہ وہ قاعدہ جو اسطرح پر قایم کیا گیا ہے اوس صورت مین کس قدر متعلق ہوگا جب چند ورثا مین سے دو یا زیادہ پر جو قابض جائداد ہون نالش کی گئی ہو۔ نہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اوس وارث پر جسپر نالش کی گئی ہے صریحاً بطور قابض کل جائداد متوفی کے مواخذہ کرنا چاہیئے یا نہین اور نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آیا وارثان غیر حاضر کا نام کارروائیات مین درج کرنا چاہیئے یا نہین۔

"مگر ہدایہ کے ایک دوسرے فقرہ سے جسپر ہماری توجہ مائل کی گئی ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ غیر حاضر وارث یقیناً اوس ڈگری کا پابند نہ ہوگا جو ایسی نالش مین حاصل کیجاوے

بجز اوس صورت کے کہ کارروائی باضابطہ عمل مین آئی ہو اور مدعی نے اپنا دعوی عدالت عام مین ثابت کیا ہو۔ اور جو ڈگری کہ اوس وارث کی رضامندی سے صادر ہوئی ہے جسپر نالش تھی وہ دیگر ورثا کو پابند نہین کرتی۔ کتاب ۳۹ باب ایک مین جو درباب تقسیم ہے یہ لکھا ہے۔

"مثلاً جب کوئی شخص قرضہ کی نالش ترکہ پر کرے اور ایک وارث یا وصی دعوی سے اقبال کرے تو اوس صورت مین چونکہ وہ اقبال دیگر ورثا کے مضر ہے کافی نہین ہے بلکہ مدعی کو لازم ہے کہ قاضی کے روبرو اپنی نالش مین اوس وارث یا موصی کے مقابلہ مین بھی شہادت پیش کرے ورنہ وہ اپنا دعوی بمقابلہ کل ترکہ کے جس سے دیگر ورثا کی مضرت ہے ثابت نہین کرسکتا"

"مسئلہ مذکور میرے نزدیک اس بات کی صریح سند ہے کہ مدیون متوفی کی ایک وارث کے اقبال سے جو ڈگری صادر ہو وہ دیگر ورثا کو پابند نہین کرتی اور یہ قاعدہ صریحاً انصاف پر مبنی ہے۔ گو بخیال سہولت ایسی کارروائیون سے جو عدالت عام مین باضابطہ عمل مین آتی ہین غیر حاضر وارث کے حصہ پر مواخذہ عائد ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت مین حاکم کی منظوری و موجودگی اور کارروائی کا جلاس عام مین ہونا شخص غیر حاضر کی حفاظت کے ذریعے ہین اور یہ باتین اس امر کی ضامن ہین کہ ڈگری انصافاً و نیک نیتی سے صادر کی گئی ہے لیکن وہ ڈگری جو کسی شخص کے اقبال پر صادر ہوئی ہے اوسکی حالت صریحاً بالکل مختلف ہے کیونکہ اس صورت مین شخص غیر حاضر کے حقوق بالکل اوس فریق مقابل کے اختیار مین ہین اور ڈگری کے صحیح ہونے کے لیے اور غیر حاضر شخص کو کسی فریب یا سازش سے جو اوسکو نقصان پہونچانے کے لیے کیجاے محفوظ رکھنے کا کوئی ذریعہ نہین ہے"

بمقدمہ جعفری بیگم بنام امیر محمد خان[۱] الہ آباد ہائی کورٹ نے اصول مذکورہ بالا کی تقلید کی لیکن

یہ تجویز کی کہ جو وارث فریق نالش نہ تہا وہ ترکہ مورث مین اپنا حصہ صرف اوس حالت مین
پاسکتا ہے جب وہ قرض کا حصہ رسدی ادا کرے - یہ بھی تجویز کی کہ ترکہ فوراً ورثا کی ملکیت
مین آگیا اور میراث کا پہونچنا قرض کی ادائگی پر مشروط نہین ہے - و نہ اوسکے ادا ہوتے
تک معطل رہتا ہے - یعنی اگر داین نے مورث کے قرضہ کی ڈگری اون ورثاء
کے مقابل مین حاصل کی جو کل یا بعض ترکہ پر قابض تہے عام اس سے کہ وہ ڈگری
نزاعی مقدمہ مین صادر ہوئی یا غیر نزاعی مین وہ ڈگری اون ورثا کو پابند نہین کرتی جو بوجہ
غیر حاضری یا اور کسی سبب کے ترکہ پر قابض نہ تہے اور اس قسم کی ڈگری کے اجرا مین
اگر جائداد نیلام ہوگئی ہے تو وہ نیلام اون اشخاص کے حقوق پر موثر نہ ہوگا جو فریق ڈگری
نہین ہین[۵۱] مگر اس امر مین بہی تمام فیصلجات ہمشکل نہین ہین - بمقدمہ موتی جان بنام احمد علی[۵۲]
داین نے متوفی کی بیوہ و ایک دختر پر جو اوسکے ترکہ پر قابض تہین نالش کر کے ڈگری
حاصل کی اور بعلت اوس ڈگری کے کچہ ترکہ نیلام کرایا بعدہٗ متوفی کی دو منکوحہ دختران
نے جو اپنے شوہرون کے ساتہ اپنی مان و بہن سے علحدہ رہتی تہین جائداد نیلام شدہ
مین اپنے حصہ شرعی کا دعوی کیا - کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی کہ جب ترکہ متوفی اوسکے
ذمگی قرضہ مین نیلام ہوا تو نالش مدعیان ڈسمس ہونی چاہیئے کیونکہ جب مدیون متوفی کے
داین نے وارث قابض پر نالش کر کے ترکہ پر ڈگری پائی تو وہ نالش اہتمام ترکہ کی متصور ہونی چاہیئے
اور جو ورثا کہ فریق نالش نہ تہے تا وقتیکہ فریب نہ ثابت کرین اوس سے زیادہ نہین پاسکتے

---

[۵۱] وحید النسا بنام شبراتن بنگال لا رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۵۴ و مظہر علی بنام بدہ سنگہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۹۷
و پنچمن سنگہ بنام پنچمن الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۸۳ و ہمیر سنگہ بنام زکیہ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۷ -

[۵۲] کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۷۰ -

ورثہ نہین ملتا تہا۔ دختر کو اس وجہ سے نہین کہ اوسکی ولادت بدبختی کی علامت خیال کیجاتی تہی اور نیز اس وجہ سے کہ بعد نکاح کے وہ دوسرے خاندان کی ممبر ہو جاتی ہے متوفی کی بیویون کی حیثیت غلام سے زیادہ نہ تہی کیونکہ وے بہی بشمول املاک کے وارثون کو ورثہ مین ملتی تہین۔

و نابالغ کو اس وجہ سے نہین کہ اپنے قبیلہ کے حقوق کی حفاظت کرنے کے ناقابل تہا لیکن رسول عربی نے اس قاعدہ کی اصلاح کر کے بیوہ و مان و بہنون کو مستحق میراث قرار دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتین جو سابق مین ہمیشہ مردون کی دست نگر و محتاج ہوتی تہین مردون کی غلامی سے نکلکر خود اپنے مال و دولت کی مستقل مالک ہوگئین۔ قانون وراثت کلام مجید کے پارہ چہارم کے ذیل کے احکام پر مبنی ہے[۱]۔

(۱) مان و باپ و اور رشتہ دارون کے ترکہ مین تہوڑا ہو یا بہت مردون کا حصہ ہے اور ایسا ہی مان باپ و اور رشتہ دارون کے ترکہ مین عورتون کا بہی حصہ ہے اور یہ حصہ ہمارا ٹہرایا ہوا ہے ...... تمہاری اولاد کے حصون کے بارے مین) اللہ تم سے کہے رکہتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیون کی برابر (حصہ دیا کرو) پہر اگر لڑکیان (دو یا) دو سے بڑہکر ہون تو ترکہ مین اونکا (حصہ) دو تہائی اور اگر اکیلی ہو تو اوسکا ادہا اور میت کے مان باپ کو (یعنی) دونون مین ہر ایک کو ترکے کا چہٹا حصہ اوس صورت مین کہ میت کے اولاد ہو۔ اور اگر اوسکے اولاد نہ ہو اور اوسکے (صرف) مان باپ ہون تو اوسکی مان کا حصہ ایک تہائی (باقی باپ کا) (لیکن) اگر (مان باپ کے علاوہ) میت کے (ایک سے زیادہ) بہائی (یا بہنین) ہون تو مان کا چہٹا حصہ (باقی سب باپ کا اور بہائیون کو کچہ نہین)۔ (مگر یہ حصے) میت کی وصیت (کی تعمیل) اور (ادا ے) قرضہ کے بعد (دیے جائینگے) تم اپنے باپ (دادون یعنی اصول) اور بیٹون (پوتون یعنی فروع) کو نہین جان سکتے کہ نفع رسانی کے اعتبار سے ان مین کونسا تم سے زیادہ قریب ہے (پس تم اپنی راے کو دخل نہ دو اور یون سمجہو کہ)

---

[۱] قرآن صفحہ ۱۲۳ لغایتہ ۱۲۵ مترجمہ شمس العلما مولانا نذیر احمد طبع اول۔

حصون کا قرار دادا اللہ کا ٹھرایا ہوا ہے۔ اللہ بلا شبہ (سب کچھہ) جانتا اور (سب مصلحتون سے) واقف ہے
اور جو ترکہ تمہاری بیبیان چھوڑ مرین اگر اونکی اولاد نہین تو اونکے ترکہ مین تمہارا آدہا ہے اور اگر اونکی اولاد ہے
تو اون کے ترکہ مین تمہارا چوتہائی (مگر) اون کی وصیت (کی تعمیل) اور (ادا) ادائے) قرض کے بعد اور تم
کچھہ ترکہ چھوڑ مرو اور تمہاری کوئی اولاد نہو تو بیبیون کا حصہ چوتہائی اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ مین بیبیون
کا آٹھوان حصہ (اور یہ حصے بہی) تمہاری وصیت (کی تعمیل) اور ادائے قرض کے بعد (دے جائین)
اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اوسکے باپ بیٹا (یعنی اصل و فرع) نہ ہو اور اوسکے بہائی یا بہن ہو تو
بہائی بہنون مین ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہون تو ایک تہائی مین سب شریک (یہ حصے
بہی) میت کی وصیت (کی تعمیل) اور (ادائے) قرض کے بعد دے جائین بشرطیکہ میت نے
کسیکو نقصان نہ پہنچانا چاہا ہو"

احکام مذکورہ بالا کی نسبت مسٹر میگناٹن لکھتے ہین وہ خطر تا جن لوگون سے ہمکو محبت ہوسکتی
ہے اون کے حقوق کی پوری نگہداشت اِن احکام مین موجود ہے اور کسی ایسے دوسرے
قانون کا وجود خیال مین آنا مشکل ہے جسمین ان سے زیادہ عدل و انصاف کے
قاعدے درج ہون"

فصل دوم۔ فرائض[۵۱]

اہل سنت وجماعت مین ورثاے شرعی کی تین قسم ہین۔ اول ذوی الفروض دوم عصبہ
سوم ذوی الارحام۔

[۵۱] فرائض جمع ہے فریضہ کی جو فرض سے ماخوذ ہے۔ لغت مین فرض کے معنی تقدیر و قطع بیان کیے ہین اور شرع مین فرض
وہ ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو اور اس نوع فقہ کو فرائض اسوجہ سے کہتے ہین کہ یہ سہام نص قطعی یعنی قرآن مجید سے ثابت ہین۔ ارث کے
لغوی معنی بقا کے ہین اور شرع مین ایک شخص کے مال کو دوسرے کی طرف بطریق خلافت منتقل کرنے کو ارث کہتے ہین

ذوی الفروض ہر ایسے وارث کو کہتے ہین جسکا حصہ قرآن مجید یا رسول اللہ کی سنت مین یا باجماع امت مقرر ہو۔ ذوی الفروض کو اون کا معین حصہ ملتا ہے۔ بعد اوسکے اگر ترکہ کچھ بچ رہا تو عصبون مین تقسیم ہوتا ہے۔ اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو بقیہ ترکہ ورثائے ذوی الفروض مین تقسیم ہوتا ہے اگر ذوی الفروض و عصبہ نہ ہون تو ترکہ ذوی الارحام کو ملتا ہے۔

ورثائے ذوی الفروض تعداد مین بارہ ہین منجملہ اوسکے چار مذکر ہین و آٹھ مونث۔

ان ذوی الفروض کے حصص مین بوجہ خاص خاص حالتون کے کمی بیشی ہوتی ہے اور بعض صورتون مین بالکل محروم ہو جاتے ہین۔ قسم مذکور مین جو چار ذوی الفروض ہین وہ یہ ہین۔ باپ۔ جد یا دیگر مورث اعلی۔ اخیافی بھائی۔ شوہر۔ مونث ذوی الفروض یہ ہین۔ زوجہ۔ لڑکی۔ لڑکے کی لڑکی یعنی پوتی۔ ماں۔ دادی۔ حقیقی بہن۔ علاتی بہن۔ اخیافی بہن

نمبر ۱۔ باپ۔ اسکی تین حیثیت قرار دی گئی ہے۔ اول محض ذوی الفروض جبکہ متوفی نے کوئی اولاد از قسم ذکور چھوڑی ہے۔ دوم محض عصبہ۔ جبکہ باپ کے ساتھ کوئی اور ذوی الفروض ہو مثل شوہر یا زوجہ یا ماں یا دادی کے۔ اس حالت مین ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد بقیہ ترکہ باپ کو ملیگا۔ سوم۔ ذوی الفروض و عصبہ دونون جیسا اوس حالت مین جب متوفی نے باپ و لڑکی چھوڑی۔ اس صورت مین باپ کو اول اوسکا معین حصہ ملے گا۔ اور بعدہ لڑکی یا لڑکیون کا حصہ دیکر اگر کچھ بچا تو وہ پھر باپ کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔ باپ کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے۔ اگر متوفی نے لڑکا یا لڑکے کا لڑکا چھوڑا۔

نمبر ۲۔ جد صحیح یا بعید درجہ کا بشرطیکہ وہ باپ یا کسی اور قریب مورث کے سبب سے محروم الارث نہ ہو = $\frac{1}{6}$۔

وراثت کے اغراض کے لیے شرع حنفی مین جد کی دو قسم قرار دی گئی ہین صحیح و فاسد جد صحیح وہ ہے جسکے رشتہ قرابت مین کوئی اناث داخل نہ ہو جیسے باپ کا باپ جد صحیح ہے

برعکس اسکے مان کا باپ جد فاسد ہے۔ جدہ صحیحہ وہ ہے جسکا رشتہ قرابت متوفی کے ساتھ بلا توسط جد فاسد کے ہو جیسے مان کی مان یا باپ کی مان یا باپ کے باپ کی مان جدہ صحیحہ ہین برعکس اسکے مان کے باپ کی مان جدہ فاسدہ ہے[۱۵]۔ اس قسم کا کوئی امتیاز شیعہ مذہب مین نہین ہے۔

نمبر ۳- اخیافی بھائی جب ایک ہو (اور متوفی کے کوئی اولاد یا اولاد پسر یا باپ یا جد صحیح نہو) $\frac{1}{6}$

جب ایک سے زیادہ ہون ایضاً $\frac{1}{3}$

---

[۱۵] جدہ فاسدہ وہ ہے جسکے نسب بیان کرنے مین وہ مان کے درمیان باپ آوے جیسے مان کے باپ کی مان - عالمگیری صفحہ ۱۱۴۔ بحالت عدم موجودگی باپ جد صحیح کو بجز چار صورتون کے وراثت مین وہی حقوق حاصل ہوتے ہین جو باپ کو ہین۔ چونکہ جد صحیح کی قرابت متوفی سے بوساطت باپ کے ہے اس لیے بمقابلہ باپ کے وہ رشتہ دار بعید ہے و باپ کی حیات مین اوسکو کچھہ ورثہ نہ ملے گا چار استثنائی حالتین یہ ہین - اول باپ کی مان کو باپ کے ساتھ کچھہ حصہ نہین ملتا- لیکن جد صحیح کے ساتھ ملتا ہے۔ دوم - اگر متوفی نے والدین و زوجہ (و اگر متوفیہ عورت ہے تو شوہر) چھوڑے ہون تو اس حالت مین بعد دینے حصہ زوجہ یا زوج کا جیسے صورت ہو باقی ماندہ کا ایک ثلث مان کو ملے گا لیکن اگر بجاے باپ کے جد صحیح ہو تو مان کو کل ترکہ کا ایک ثلث ملے گا۔ سوم - تمام بھائی بہنون کو بموجودگی باپ کے کچھہ نہ ملے گا (اسپر جملہ علما کا اتفاق ہے) مگر بجاے باپ کے اگر جد صحیح ہو تو وے محروم نہ ہونگے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک جد صحیح کی حالت مین بھی محروم ہونگے اور اسی پر فتوی ہے - چہارم - ابو یوسف کے قول کے مطابق غلامی سے آزاد کرنے والے کا باپ اگر آزاد کنندہ کے لڑکا بھی ہے تو غلام آزاد شدہ کے ترکہ سے $\frac{1}{6}$ پائیگا مگر جد صحیح کی حالت مین یہ بات نہین ہے بلکہ کل ترکہ آزاد کنندہ کے لڑکے کو ملے گا۔ مگر دیگر آئمہ کے نزدیک باپ و جد صحیح مین کوئی فرق نہین رکھا گیا ہے اور دونون مین سے کسیکو کچھہ حصہ ترکہ غلام آزاد شدہ سے نہین ملتا- ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء صفحہ ۹۶ بحوالہ شریفیہ صفحہ ۱۸ -

نوٹ اخیانی یعنی مادری بہائیون کے ساتہہ مادری بہنین ہون تو یہ سب اسی تہائی مین مساوی حقدار ہونگے یعنی ان مین مرد و عورت کا حصہ برابر ہے - ہدایہ صفحہ ۸۷۵ -

نمبر ۴ شوہر (جب متوفی کی اولاد ہو یا پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید ہو) $\frac{1}{4}$

جب کوئی اولاد وغیرہ نہو . . . . $\frac{1}{2}$

نمبر ۵ - زوجہ (جب متوفی کے اولاد ہو یا پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید ہو) $\frac{1}{8}$

جب اولاد یا پسر کی اولاد نہ ہو . . . . $\frac{1}{4}$

نوٹ - اگر شوہر یا زوجہ کے ساتھ متوفی کی دختر کی اولاد ہو تو اس صورت مین اونکو اونکا پورا حصہ ملتا ہے اگر متوفی کے ایک سے زیادہ زوجہ ہون تو سب اوسی حصہ مین شریک ہونگی جو ایک زوجہ کو ملے گا -

نمبر ۶ - دختر - جب ایک ہو وکوئی لڑکا نہ ہو . . . . $\frac{1}{2}$

ایک سے زیادہ ہون وکوئی لڑکا نہ ہو . . . . $\frac{2}{3}$

نمبر ۷ - لڑکے کی لڑکی یا پوتے کی لڑکی یا اور بعید درجہ کی دجبکہ تنہا ہو اور متوفی کی کوئی اولاد یا پوتہ نہو) $\frac{1}{2}$

جب ایک سے زیادہ ہین ایضاً . . . . $\frac{2}{3}$

جب متوفی کی پوتی و ایک لڑکی ہو اور لڑکا یا پوتا نہ ہو تو پوتی = $\frac{2}{3} - \frac{1}{2} = \frac{1}{6}$ ف۱

نمبر ۸ - مان (جبکہ متوفی کے کوئی اولاد ہو یا اوسکے پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید - یا دو یا دو سے زیادہ بہائی بہنین ہون چاہے وہ اخیافی ہون یا علاتی) . . . . $\frac{1}{6}$

ف۱ بحالت نہ ہونے اولاد صلبی کہ دختران پسر مثل دختران صلبی کے ہین پوتی کے حق کی بابتہ ۶ شکلین ہوسکتی ہین اگر خود متوفی کے لڑکی نہین ہے تو ایک پوتی کو نصف ملیگا اور دو اور دو سے زیادہ کو دو ثلث - اگر متوفی کی دو لڑکیان ہین تو پوتی یا پوتیون کو کچہہ نہ ملے گا تا وقتیکہ پوتیون کے مساوی الدرجہ یا بعید کوئی لڑکا نہ ہو جسکی موجودگی مین پوتیان عصبہ ہوجائینگی اور اوس صورت مین مرد کو عورت سے دو چند حصہ باقیماندہ سے ملے گا - اگر متوفی کے کوئی لڑکا ہو تو پوتیان کلیتہً محروم ہوجائینگی - سراجیہ صفحہ ۱۰ -

اور جب یہ صورت نہ ہو . . . . $\frac{1}{3}$

لیکن جب باپ کے ساتھہ ہو گی تو زوجہ یا شوہر متوفی کے حصہ کی منہائی کے بعد بقیہ کا $\frac{1}{3}$ ماں کو ملیگا - اور اگر دادا کے ساتھہ ہو گی تو کل ترکہ کا $\frac{1}{3}$ ماں کو ملے گا -

نمبر ۹ - جدہ صحیحہ خواہ کسی قدر بعید ہو بشرطیکہ وہ کسی اور مورثہ صحیحہ کے باعث محروم الارث نہ ہو گئی ہو $\frac{1}{6}$ اور اگر ایک سے زیادہ جدہ صحیحہ ہین تو اون سبکو وہی $\frac{1}{6}$ ملے گا۔ (۵۱)

(۵۱) ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء دادی و نانی دونوں ماں کے ہوتے محروم الارث ہین - باپ کی طرف سے جو مورثہ از قسم اناث ہو وہ باپ کے باعث بھی محروم ہو جاتی ہین - اور جد صحیح کے باعث بھی مگر باپ کی ماں یعنی دادی چاہے رشتہ مین کتنی ہی بعید ہو بوجہ اسکے کہ اوسکا رشتہ جد کے توسط سے نہین ہے بلکہ دادا کی زوجہ ہونے کی حیثیت سے ہے - اس لیے جد و جدہ دونوں مستحق وراثت ہین جیسے باپ کے ساتھ ماں کو بھی ورثہ ملتا ہے - دادی اوس حالت مین محروم ہوتی ہے جبکہ دادا رشتہ مین ایک درجہ بعید ہو - لیکن جب دادا رشتہ مین دو درجہ بعید ہو جیسے باپ کے باپ کا باپ تو اسصورت مین دو جدی مورثہ کو اوس دادا کے ساتھ ورثہ ملیگا یعنی باپ کے باپ کی ماں کیونکہ زوجہ باپ کے باپ کے باپ کی ہے دوسرے باپ کی ماں کی ماں کو جو کہ دادا کی زوجہ کی ماں ہے -

ذیل کی تشریح سے یہ امر بخوبی ظاہر ہوگا - ۶×۲ = ۱۲

باپ کے باپ کی ماں = ۱	}	باپ کے باپ کا باپ = ۱۰
باپ کی ماں کی ماں . . = ۱		

جیسے جیسے دادا رشتہ مین بعید ہوتا ہے ویسے ہی اون دادیوں کی تعداد جو باپ کی طرف سے ہوں اور دادا کے ساتھ مستحق وراثت ہوں بڑھتی ہے - مثلاً اگر دادا متوفی سے تین درجہ بعید ہو تو باپ کی طرف تین ہی دادیاں جو اوس دادا کے مساوی الدرجہ ہین اوسکے ساتھ مستحق وراثت ہونگی جیساکہ ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہوگا -

۶×۳ = ۱۸

باپ کے باپ کی ماں کی ماں = ۱	}	باپ کی ماں کی ماں کی ماں . . . . = ۱
باپ کے باپ کے باپ کی ماں = ۱		باپ کے باپ کے باپ کا باپ . . . . = ۱۵

نمبر۱ - حقیقی یا عینی بہن (جبکہ تنہا ہو اور کوئی لڑکا یا لڑکے کا لڑکا خواہ کسی قدر بعید ہو یا باپ یا جدہ صحیحہ یا دختر یا لڑکے کی دختر یا بہائی نہو) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ $\frac{1}{2}$
جب دو یا دو سے زیادہ ہون اور کوئی حجب نہ ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ $\frac{2}{3}$ ۹۱

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵ قریب تر جدہ بعید تر جدہ کو چاہے وہ باپ کی طرف سے ہو یا مان کی طرف سے محروم الارث کرتی ہے گو جدہ قریبہ کو ترکہ مین کچہہ حصہ ملے۔ یا آنکہ خود محروم ہو۔ مثلاً باپ کی مان کو بحالت حیات باپ کے ترکہ مین کچہہ نہ ملے گا لیکن اوسکی وجہ سے مان کی مان کی مان محروم الارث ہوجائیگی۔ اسیطرح اوس حالت مین جبکہ متوفی نے باپ و باپ کی مان و مان کی مان کی مان چہوڑی ہو تو کل ترکہ باپ کو ملے گا کیونکہ جدہ بعید قریبی جدہ کی وجہ سے محروم الارث ہے و قریبی جدہ بوجہہ باپ کے اسی طرح متوفی کی بہنون کے باعث مان کا حصہ ایک ثلث سے $\frac{1}{6}$ ہوجاتا ہے گو خود بہنین مان کی وجہ سے محروم الارث ہوجاتی ہین۔ شریفیہ صفحہ ۳۴ و ۳۵۔ اگر منجملہ دو جدہ صحیحہ کے ایک متوفی سے دو رشتہ قرابت رکہتی ہے اور دوسری صرف ایک تو امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک $\frac{1}{6}$ حصہ دونون مین برابر تقسیم ہوگا اور امام محمد دو رشتہ والے جدہ کو ایک حصہ والی سے دو چند دلائین گے امام مالک و شافعی کی بہی وہی رائے ہے جو امام ابوحنیفہ کی ہے۔

۹۱ ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کی موجودگی کے باعث بہی حقیقی و علاتی بہنین محروم الارث ہوجاتی ہین اور امام موصوف ہی کے قول پر فتوی بہی ہے لیکن امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک ایسا نہین ہے چنانچہ اسکے متعلق در المختار مین اس طرح لکہا ہے دو حقیقی بہائی بہنین تین شخصون سے محروم الارث ہوتی ہین یعنی متوفی کے پسر و پسر کے پسر سے چاہے کتنا ہی بعید ہو اور باپ کی وجہ سے باتفاق جملہ علما اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کے باعث بہی۔ اور فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔ فتاوی عالمگیری مین لکہا ہے کہ پسر و پسر کے پسر سے چاہے وہ کتنے ہی بعید ہو اور باپ کے باعث جملہ بہائی بہنین محروم الارث ہو تی ہین اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کے باعث بہی اور باپ کی اولاد یعنی علاتی بہائی بہنین اشخاص

نمبر ۱۱ - علاتی یعنی پدری بہن - جب تنہا ہو اور کوئی شخص منجملہ اشخاص مذکور (یعنی نمبر ۱) نہ ہو و نہ حقیقی بہن ہو . . . . ½

جب دو یا دو سے زیادہ ہون اور کوئی باعث محرومی کا نہ ہو . . . ⅔

اگر عینی بہن ایک ہو تو اوسکو نصف دیکر بقیہ دو تہائی کا یعنی چٹا حصہ علاتی بہن یا بہنون کے واسطے ہوگا - اگر عینی بہنین موجود ہون اور علاتی بہنون کے ساتھ علاتی بہائی ہو تو عینی واحد یا زیادہ کو اون کا فرض دیکر جو بچے اوسکے واسطے علاتی بہائی عصبہ ہے پس وہ اپنی بہنون کو اپنے ساتھ عصبہ کرے گا اور اس صورت مین بہائی کو بہن سے دوچند ملیگا - ہدایہ صفحہ ۶۷۸ [۵۱]

نمبر ۱۲ - اخیافی بہن کو مثل اخیافی بہائی کے حصہ ملتا ہے -

فصل سوم - عصبہ

ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ع - عصبہ لغت مین رگ و پٹھے کو کہتے ہین اور شرع مین اس کے معنی ایسے قرابت دارون کے ہین جنکو میت کا ترکہ بعد دینے حصص ذوی الفروض کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶ - مذکورہ بالا حقیقی بہائی کے باعث بہی محروم الارث ہو جاتی ہین و اخیافی بہائی بہنین متوفی کی اولاد کے باعث گو وہ دختر ہو یا پسر کی اولاد کے باعث و باپ و جد صحیح کے باعث محروم الارث ہوتے ہین -

۵۱ ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ع - حقیقی بہائی و نیز حقیقی بہن در حالیکہ وہ بوجہ موجودگی لڑکی یا پوتی کے عصبہ ہو جائے تو علاتی بہائی و بہن کو محروم الارث کرتے ہین -

وراثتاً ملتا ہے۔ عصبہ ہی درحقیقت اصل وارث شرعی ہین۔ کیونکہ فرع مین عصبہ میت کی اولاد نرینہ ہے۔ اور اصل مین میت کے باپ وجد صحیح جا ہے رشتہ مین کتنے ہی لعید ہون۔ بحالت نہ ہونے کسی ذوی الفروض کے عصبہ کو کل ترکہ ملتا ہے

عصبہ کی دو قسم ہین۔ عصبہ نسبی و عصبہ سببی۔

عصبہ نسبی

عصبہ نسبی کی تین قسم ہین۔ اول عصبہ بنفسہ۔ دوم عصبہ لغیرہ۔ سوم عصبہ معہ غیرہ۔ عصبہ بنفسہ ہر ایسا مذکر ہے جسکا نسب میت کی جانب بیان کرنے مین کوئی مونث بیچ مین نہ آوے۔ فتاوی عالمگیری۔

نوٹ۔ سراجیہ نے مذکر کی قید اسوجہ سے لگائی ہے کہ کوئی مونث عصبہ بنفسہ نہین ہوسکتی۔ بلکہ وہ عصبہ لغیرہ و معہ غیرہ ہوتی ہے۔

عصبہ بنفسہ

عصبہ بنفسہ کی چار قسم ہین۔

اول۔ فرع یا جزو میت جیسے۔ بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا۔ جہان تک نیچے ہو۔ دوم۔ اصل میت جیسے باپ دادا۔ سوم۔ جزو پدر میت جیسے حقیقی یا علاتی بہائی۔ چہارم۔ جزو جد میت جیسے حقیقی یا علاتی چچا یا اونکی اولاد ذکور۔

(سراجیہ کی یہ عبارت ہے وَهُمْ اَرْبَعَةُ اَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ وَاَصْلُهُ وَجُزْءُ اَبِيْهِ وَجُزْءُ جَدِّهٖ)

نمبر ۱۔ ہر صنف بہ ترتیب مذکورہ بالا میراث پاتی ہے یعنی اول فرع میت جب وہ نہ ہون تو اصل میت و جب وہ نہ ہون تو فرع پدر میت و جب وہ بہی نہ ہون تو فرع جد میت۔

نمبر ۲۔ رشتہ دار قریبی رشتہ دار لعید کو محروم کرتا ہے جیسے بحالت موجودگی پسر کے پوتے و پرپوتے محروم ہونگے و باپ کے ہوتے دادا محروم ہوگا و بہائی کے ہوتے بہتیجہ محروم ہوگا و چچا کے ہوتے چچا کی اولاد محروم ہوگی۔

نمبر ۳ - اگر قرابت وار درجہ مین برابر ہون تو حقیقی قرابت کو ایک جہتی قرابت والے پر ترجیح ہے جیسے حقیقی بہائی کو علاتی بہائی پر ترجیح ہے۔

نمبر ۴ - اگر عصبات مین سے ایک جماعت ایک ہی درجہ کی ہے تو ترکہ اونمین باعتبار ابدان کے تقسیم ہوگا یعنی جتنے نفر ہین ہر ایک کو ایک وارث شمار کیا جائیگا اور اون کے اصول کی تعداد پر ترکہ تقسیم نہ ہوگا مثلاً میت کے ایک بہائی کے ایک لڑکا ہے اور دوسرے بہائی کے دس لڑکے ہین تو مال کے دو حصے نہ ہونگے بلکہ مال کے گیارہ حصے کرکے بہتیجون کو دیا جائیگا۔ عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۶

عصبہ بغیرہ عصبہ بغیرہ چار عورتین ہین۔ جنکا حصہ نصف اور دو ثلث قرآن مجید مین مقرر ہے۔ یعنی بیٹی۔ پوتی۔ حقیقی بہین۔ علاتی بہن۔ بیٹی بیٹے کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے و پوتی پوتے کے ساتھ حقیقی بہن حقیقی بہائی کے ساتھ و علاتی بہن علاتی بہائی کے ساتھ۔ بحالت عصبہ ہونے کی اِن عورتون کو اون مردون کے حصے سے نصف ملے گا۔ جن مردون کے باعث وہ عصبہ ہوئی ہین۔ چار عورات مذکورہ بالا کے علاوہ کوئی دوسری عورت عصبہ نہین ہوسکتی یا بالفاظ دیگر جو عورات ذوی الفروض نہین ہین وے اپنے بہائی کے باعث عصبہ نہین ہوسکتین۔ اگرچہ وہ بہائی خود ہی عصبہ ہو۔ مثلاً اگر متوفی نے اپنی بیوہ و چچا و پہوپی چہوڑی چاہے پہوپی حقیقی ہو یا علاتی تو بیوہ کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ کل چچا کو ملے گا کیونکہ پہوپی بہتیجہ کے ورثا ذوی الفروض سے نہین ہے۔

عصبہ معہ غیرہ عصبہ معہ غیرہ وہ عورتین ہین جو اور عورتون کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہین۔ حقیقی بہن متوفی کی لڑکیان یا پوتیون سے عصبہ ہو جاتی ہے اور علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک حقیقی بہین اور چند علاتی بہائی و بہنین چہوڑی ہین تو اس حالت مین حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ نصف علاتی بہائی

بہنون مین اس طرح پر تقسیم ہوگا کہ ہر بہائی کو بہن سے دو چند دیا جائیگا۔ اگر بجائے ایک حقیقی بہن کے چند حقیقی بہنین متوفی نے چہوڑی ہین تو حقیقی بہنون کو دو ثلث ملے گا اور باقی ایک ثلث علاتی بہائی بہنون مین بطریق مذکور تقسیم ہوگا۔

عصبہ بغیرہ و عصبہ معہ غیرہ مین یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ ایسے شخص کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے جو عصبہ بنفسہ ہے اور عصبہ معہ غیرہ کے ساتھ یہ خصوصیت نہین ہے۔

اگر متوفی نے اپنے قرابت دارون مین مختلف قسم کے عصبہ چہوڑے ہین یعنی بعض تو عصبہ بنفسہ ہے و بعض عصبہ بغیرہ و معہ غیرہ تو اس حالت مین اوس عصبہ کو جو متوفی کا قریب ترین رشتہ دار ہے وراثت مین تقدم ہوگا بلا خیال قسم عصبہ کے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک لڑکی و ایک حقیقی بہن و علاتی بہائی کا ایک لڑکا چہوڑا ہے تو نصف ترکہ لڑکی کو ملے گا۔ و بقیہ نصف حقیقی بہن کو اور بہائی کے لڑکے کو کچہہ نہین ملے گا کیونکہ حقیقی بہن لڑکی کے باعث عصبہ معہ غیرہ ہے اور وہ بمقابلہ علاتی بہائی کے لڑکے کے قریب ترین رشتہ دار ہے۔ اسیطرح اگر بہائی کے لڑکے کے ساتھ چچا ہو تو چچا کو کچہہ نہ ملے گا۔ اور اگر بجائے بہائی کے لڑکے کے علاتی بہائی ہو تو علاتی بہائی کو کچہہ نہ ملے گا (فتاوی عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۶۲۹)۔

عصبہ سببی زمانہ سابق مین اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا تو اسکی وجہ سے اوسکو غلام مذکور کے ترکہ مین حق عصوبت حاصل ہوتا تہا جسکو ولاء العتق یا عصبہ سببی کہتے ہین لیکن ولا کا مضمون اب ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے زیادہ دلچسپی نہین رکہتا۔ کیونکہ دفعہ ۳ - ایکٹ ۵ ۱۸۴۳ء کی رو سے عصبہ سببی کا وجود نہین تسلیم کیا گیا اور غلام آزاد شدہ کے ذوی الارحام مستحق وراثت قرار دیے گیے ہین۔ حکام پریوی کونسل نے بمقدمہ سید میر ثناءالدین خان بنام ضیاءالنسا بیگم[۱] یہ قرار دیا ہے کہ ایکٹ مذکور کی رو سے

عصبہ سببی یا ولا کا حق وراثت کالعدم ہوگیا۔

فتاوی عالمگیری۔ ولدالزنا وولد ملاعنہ[51] کے عصبات اوسکی مان کے عصبات ہین اور وہی اپنی مان کا وارث ہوگا[52]۔ پس اگر اوس نے اپنی دختر اور مان چہوڑی اور ملاعن چہوڑا تو دختر کو نصف اور مان کو چہٹا حصہ ملے گا۔ اور باقی پہر اون دونون پر بقدر اونکے حصے کے رد کیا جائیگا۔ اور ملاعن کو کچہہ نہ ملے گا گویا اون کا باپ کوئی نہ تہا۔ اسیطرح اگر ان دو وارثون کے ساتھ شوہر یا زوجہ ہو (یعنی متوفیہ کی زوجہ یا شوہر) تو اوسکا فریضہ حصہ دیکر باقی دختر و مان مین بطریق فرض و رد کے تقسیم ہوگا۔ اگر اوس نے مان چہوڑی اور مان کی طرف سے ایک بہائی چہوڑا اور ملاعن کا بیٹا چہوڑا تو مان کو تہائی اور مان کی طرف سے بہائی کو چہٹا حصہ ملے گا اور باقی پہر اونپر رد کیا جاوے گا اور ملاعن کے بیٹے کو کچہہ نہ ملے گا اسواسطے کہ باپ کی طرف سے اوسکا کوئی بہائی نہین ہے اگر ملاعنہ کے پسر کا فرزند مرگیا تو اوس کے باپ کی توام یعنی بہائی وارث ہونگے اور اوسکے دادا کی توام یعنی چچا اور اونکی اولاد وارث نہ ہونگی یہی حکم ولدالزنا کا ہے لیکن ان دونون مین یہ فرق ہے کہ اگر ولدالزنا کا توام بہائی مرگیا تو ولدالزنا کو اوسکی وراثت مثل اخیافی یعنی مادری بہائی کے ملیگی اور ولد ملاعنہ کا توام بہائی مرگیا تو ولد ملاعنہ مثل حقیقی بہائی کے وارث ہوگا۔

فصل چہارم۔ ذوی الارحام

ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ع۔ ذوی الارحام ہر ایسے نسبی رشتہ دار کو کہتے ہین جس کے لیے

---

[51] اگر بقاعدہ لعان قاضی زن و شو مین تفریق کرائے تو مرد ملاعن کہا جائیگا اور عورت ملاعنہ۔

[52] ولدالزنا وغیرہ صرف مان سے و اخیافی بہائی سے میراث پائین گے باپ سے نہین کیونکہ اوس سے اوسکا نسب ثابت نہین ہے۔ ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ع بحوالہ رمز الحقائق۔

کوئی حصہ فریضہ نہین ہے اور نہ وہ عصبہ ہے وجب کوئی وارث نہ ہو تو سب ترکہ ذوی الارحام کو ملتا ہے۔ مگر شوہر یا زوجہ متوفی سے باوجودیکہ وہ ذوی الفروض سے ہے ذوی الارحام محروم نہین ہوتے۔

ذوی الارحام کی چار صنف ہین

نمبر ۱۔ اولاد دختر (یعنی نواسہ نواسی) یا اولاد دختر پسر (یعنی پوتیون کی اولاد) یعنی فروع منسوب بجانب میت۔

نمبر ۲۔ اجداد فاسدین یا جدات فاسدات مثلاً نانا و نانا کا باپ یا نانا کی مان چاہے جس قدر بعید ہو یعنی جنکی طرف میت منسوب ہے۔

نمبر ۳۔ اولاد ہمشیرہ و دختر برادر (خواہ ہمشیرہ و برادر حقیقی ہون یا علاتی یا اخیافی) و پسران برادر اخیافی یعنی جو میت کی مادر و پدر کی جانب منسوب ہے۔

نمبر ۴۔ متوفی کے دادا و نانا دادی و نانی کی اولاد یعنی باپ کی ہمشیرگان و برادران اخیافی وا ونکی اولاد و متوفی کے ماموں و خالائین وا ونکی اولاد۔ یعنی جو منسوب بجانب جد و جدۂ میت ہو۔ پس ان مین اعلیٰ درجہ صنف اول کا ہے گو وہ میت سے کتنا ہی دور ہو۔ پھر دوسری صنف پھر تیسری صنف پھر چوتھی صنف۔ جیسے کہ عصبات مین ترتیب ہے ویسے ہی ان مین۔

نمبر ۱۔ صنف اول مین مستحق وراثت وہ ہوگا جو متوفی سے رشتہ مین قریب تر ہو مثلاً متوفی نے اگر لڑکی کی لڑکی و لڑکے کی لڑکی کی لڑکی چھوڑی تو لڑکی کی لڑکی کو کل ترکہ ملے گا گو وہ تعداد مین ایک ہی ہو کیونکہ وہ رشتہ مین زیادہ قریب ہے۔

نمبر ۲۔ اگر چند رشتہ دار متوفی سے مساوی درجہ کی قرابت رکھتے ہون تو جو رشتہ دار کہ ذوی الفروض

یا عصبہ کی اولاد سے ہوگا اوسکو ترجیح دیجائیگی جیسے لڑکے کی لڑکی کی لڑکی کو لڑکی کی لڑکی

کے لڑکے کے لڑکے پر ترجیح ہے۔

نمبر۳۔ چند وارثان جو درجہ و جہت کے اعتبار سے مساوی ہوں اور اون میں سے جو اولاد

ذوی الفروض یا عصبہ کی ہوگی اوسکو ترجیح ہے لیکن اگر جہت میں فرق ہے تو جو شخص باپ

کی طرف سے قرابت رکھتا ہے اوسکو دو ثلث اور جو ماں کی طرف سے قرابت رکھتا ہے

اوسکو ایک ثلث حصہ ملیگا۔

نمبر۴۔ جب چند وارثان مساوی درجہ و جنس واحد کی اولاد سے ہوں اور اون میں سے

کوئی اولاد ذوی الفروض یا عصبہ کی نہ ہوں یا ہوں تو سب ہوں تو اوس صورت میں تخریج

وراثت باعتبار جنس و تعداد وارثان کے ہوگی۔ یہان تک امام ابو یوسف و امام محمد متفق الرائے ہیں۔ لیکن اگر

وارثان کے اصول کی جنس مختلف ہو تو ایسی صورت میں وارث کی جنس کا لحاظ نہ ہوگا بلکہ اصول یعنی

مورث کی جنس کا خیال کیا جاوے گا یعنی اولاد مورث ذکور کو ⅔ و اولاد مورث اناث کو ⅓

ملیگا۔ یہ قول امام محمد کا ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک اصول کی جنس پر لحاظ

نہ ہوگا۔ بلکہ وارثان کی جنس پر خیال رکھکر مذکر کو دو ثلث اور مؤنث کو ایک ثلث دیا جائیگا

ہندوستان کے اہل سنت و جماعت میں امام محمد کے قول پر عمل ہوتا ہے مگر مغربی

حصہ ایشیا میں امام ابو یوسف کا قول مانا جاتا ہے ہر اس قدر پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ

امام محمد کا قول ہے۔

دونون اماموں کے قول کی وضاحت ذیل کے شجرہ سے ہوتی ہے

نمبر ۱

متوفی

لڑکی	لڑکی
لڑکی	لڑکا
لڑکی	لڑکی

ایک ثلث = لڑکی   لڑکی = دو ثلث - مطابق قول امام محمد کے

مگر ابو یوسف کے نزدیک دونون وارثون کو نصف نصف ملے گا -

نمبر ۲

پسر	پسر	پسر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر
دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر
پسر	دختر	دختر	پسر	پسر	پسر	پسر	دختر	دختر	دختر	دختر	دختر
دختر	دختر	دختر	پسر	دختر	دختر	پسر	پسر	پسر	دختر	دختر	دختر
دختر	پسر	دختر	دختر	دختر	دختر	پسر	دختر	دختر	پسر	دختر	دختر
دختر ۱ ع۵	دختر ۲ مے	دختر ۳ للعہ	دختر ۴ لعہ	دختر ۵ ے	پسر ۶ سے	دختر ۷ سے	دختر ۸ عصا	پسر ۹ للعہ	دختر ۱۰ مے	پسر ۱۱ عصا	دختر ۱۲ عص

چھٹی پشت میں مختلف جنس مگر مساوی درجے کے بارہ[۱۲] وارث ہین جن مین تین[۳] پسر ہین و نو[۹] دختر - امام ابو یوسف ترکہ کے پندرہ[۱۵] سہام کر کے ایک ایک سہم ہر دختر کو دینگے اور دو دو سہام ہر پسر کو -

مگر امام محمد ترکہ کے ساٹھہ[۶۰] سہام کرینگے - منجملہ اوسکے دختر نمبر ۱ کو بارہ[۱۲] سہام دینگے - دختر نمبر ۲ کو آٹھہ[۸] سہام دختر نمبر ۳ کو چار[۴] سہام دختر نمبر ۴ کو نو[۹] سہام - دختر نمبر ۵ کو تین[۳] سہام - پسر نمبر ۶ کو چھہ سہام - دختر نمبر ۷ کو چھہ[۶] سہام

دختر نمبر ۸ کو دو۲ سہام - پسر نمبر ۹ کو چار۴ سہام - دختر نمبر ۱۰ کو تین۳ سہام - پسر نمبر ۱۱ کو دو۲ سہم - دختر نمبر ۱۲ کو ایک سہام یہ تقسیم ذیل کے قواعد کے مطابق ہو گی -

خانہ اول مین تین مذکر ہین و نو موئنث - ترکہ کے پندرہ سہام کئے جسمین ایک سہم ہر مونث کو ملا اور ۲ دو دو سہام ہر مذکر کو - خانہ دوم مین جس سے بطن ثانی مراد ہے کل موئنث ہین اس لیے اونکا لحاظ نکیا جاویگا خانہ سوم یعنی بطن ثالث مین خانہ اول کے تین مذکر کے تحت مین ایک مذکر ہے و دو۲ موئنث اون تین۳ مذکر کے چھہ۶ سہام کو خانہ نمبر ۳ کے ایک مذکر و دو مونث مین اسطرح تقسیم کیا - کہ مذکر کو مونث سے دوچند دیا اس لیے مذکر کو تین سہام ملے اور دونون مونث کو ڈیڑہ ڈیڑہ سہام -

خانہ اول کے نو۹ مونث کے تحت مین خانہ سوم مین تین مذکر و چھہ موئنث ہین - ہر مذکر کو مونث سے دوچند دینے کے لیے نو۹ کو بارہ۱۲ کیا مگر بارہ۱۲ سہام نو وارثون مین بلا کسر کے تقسیم نہین ہو سکتا - اسلیے نو۹ و بارہ۱۲ کے مقسوم علیہ اعظم یعنی تین۳ سے بارہ۱۲ کو تقسیم کیا اور خارج قسمت یعنی چار کو ابتدائی تعداد سہام یعنی پندرہ۱۵ سے ضرب کیا تو حاصل ضرب ساٹھ۶۰ ہوا - اس لیے بطن اول یعنی خانہ اول کے وارثون مین ساٹھ۶۰ سے مسئلہ کیا تو ہر مذکر کو آٹھہ آٹھہ سہام یعنی کل چوبیس۲۴ سہام ملے و ہر مونث کو چار چار۴ یعنی کل چھتیس۳۶ سہام ملے -

خانہ اول کے تین مذکر کے چوبیس۲۴ سہام کو خانہ تین کے ایک مذکر و دو مونث مین لڑکے کو لڑکی سے دوچند دیکر تقسیم کیا - تو پسر کو بارہ سہام ملے و دخترون کو چھہ۶ چھہ سہام - پسر کے یہ بارہ۱۲ سہام اوسکے چوتھی بطن کی دختر نمبر (۱ا کو ملینگے کیونکہ نیچے کی تین پشتون کے مورثون کی جنس مین اختلاف نہین ہے - اسیطرح خانہ تین کے دو۲ دخترون کے بارہ سہام اونکے اون وارثون مین جنمین جنس کا اختلاف واقع ہوا ہے - یعنی خانہ نمبر پانچ کے پسر و دختر مین مذکر کو موئنث سے دوچند دیکر تقسیم کیا - یعنی آٹھہ سہام پسر کو دیا اور چار سہام دختر کو - اور یہ سہام اون کے ورثا دختر نمبر ۲ کو و دختر نمبر ۳ کو جو خانہ چھہ مین ہین ملین گے -

چھتیس[۳۶] سہام جو خانہ اول کی نو[۹] عورتون کو ملے تھے اونکے تیسرے بطن کے وارثون مین بحساب ایک ودو[۲] کے مؤنث و مذکر مین تقسیم کیا کیونکہ بطن دو کے کل وارث ایک جنس کے ہین۔ اس لیے اٹھارہ سہام تین[۳] مذکر پائینگے اور بقیہ اٹھارہ سہام چھ[۶] مؤنث۔ خانہ چہارم مین تین پسر کے نیچے ایک مذکر و دو مونث ہین۔ اونکے اٹھارہ سہام ان مین تقسیم کیا تو نو[۹] سہام پسر کو ملے۔ اور چونکہ اوس کے اور دختر نمبر چار[۴] مندرجہ خانہ چھہ کے درمیان اختلاف جنس نہین ہوا۔ اس لیے وہی نو سہام دختر نمبر چار[۴] کو ملینگے۔ اور خانہ چار کے دو[۲] مؤنث کے نو[۹] سہام اونکے ورثا خانہ چھہ کے درمیان بحساب ایک ودو[۲] کے مونث و مذکر کو ملینگے۔ اس لیے دختر نمبر پانچ[۵] کو تین سہام ملے اور پسر نمبر ۶ کو ۶ سہام تین پسر کے بارہ سہام اون کے ورثا مین تقسیم کیا۔ مگر اِن کی جنس مین اختلاف ہے اس لیے پسر کو چھ[۶] سہام ملے جو اوسکی دختر نمبر سات کو ملے بقیہ چھ[۶] دو دخترون کو ملے۔ مگر چونکہ آخری پشت مین اونکے جنس مین اختلاف ہے اس لیے چار سہام پسر نمبر نو[۹] کو ملے و بقیہ دو[۲] دختر نمبر آٹھ[۸] کو۔

خانہ اول کی آخری تین مؤنث کے تحت مین خانہ پانچ مین جنس کا اختلاف ہوا۔ اس لیے اون کے چھہ[۶] سہام دو[۲] دختر و ایک پسر مین اس طرح تقسیم کیے کہ تین[۳] پسر کو ملے جو اوسکی دختر نمبر دس[۱۰] کو ملے۔ و بقیہ تین[۳] سہام دو[۲] دخترون کو ملے۔ مگر چونکہ خانہ چھہ[۶] مین اختلاف جنس واقع ہوا اس لیے دو سہام پسر نمبر گیارہ کو دیے اور ایک (۱) سہم دختر نمبر بارہ[۱۲] کو۔

نمبر ۵۔ در مختار جلد ۴ صفحہ ۵۰۱۔ امام محمد کا قول ہے کہ اگر فرع متعدد نہین ہے تو اوسکو اصل کی جنس کا متصور کرکے تخریج سہام کرینگے اور اگر فرع مین تعدد ہے تو اوس تعداد کو اصل کی جنس کے ساتھ جمع کرینگے مثلاً

لڑکی — لڑکی — لڑکی

لڑکا شادی ہوئی لڑکی — لڑکی

لڑکا

دو لڑکیان (الف) — (ب)
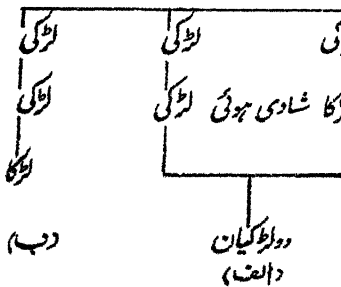
امام محمد کے نزدیک اس صورت مین ترکہ چودہ^(۱۴) سہام پر منقسم ہوگا جسمین سے گیارہ^(۱۱) سہام دو دخترون
(الف) کو ملینگے اور تین سہام لڑکا (ب) کو بموجب قاعدہ مذکورہ بالا کے لڑکیون کی تعداد جو دو ہی
اوسکو اوسکی اصل یعنی باپ کی جنس کا یعنی مذکر خیال کیا تو دو^(۲) لڑکے ہوئے یعنی برابر چار^(۴) لڑکیون
کے - پھر دو لڑکیون کو اونکی مان کے جنس کے ساتھ جمع کیا تو دو^(۲) مونث ہوئین - اور لڑکا (ب) چونکہ
متعدد نہین ہے اس لیے اوسکو اوسکی اصل یعنی مان کی جنس کا یعنی مونث قرار دیا تو ایک لڑکی
ہوئی اس لیے کل سات لڑکیان ہین جنمین سہام تقسیم کیا جائیگا - یعنی چار سہام تو اوس لڑکے کو جو
دوسرے بطن مین ہے یعنی دو لڑکیون (الف) کے باپ کو اور باقی تین سہام اونکی مان کو اور لڑکا
(ب) کی مان کو مساوی دینگے - یعنی ۱/۲ اون مین سے ہر ایک کو ملیگا - اس خیال سے کہ حصہ مین
کسر نہ واقع ہو نسب نما کو سات سے زیادہ کر کے چودہ^(۱۴) کیا جسمین سے آٹھہ سہام جو دو لڑکیون
(الف) کے باپ کا تھا وہ اونکو ملا اور تین سہام جو اونکی مان کا تھا جملہ گیارہ^(۱۱) سہام ملے اور تین سہام
لڑکا (ب) کو ملے -

مگر امام ابو یوسف جو صرف فرع موجودہ مین دو^(۲) یا زیادہ جہتون کی قرابت کا اعتبار کرتے ہین اور اصول
کی حیثیت کا اعتبار نہین کرتے مسئلہ مذکورہ بالا مین ترکہ تین مساوی حصہ مین تقسیم کرینگے کیونکہ دو لڑکیان
جو دو^(۲) حیثیت سے قرابت رکھتی ہین وہ بمنزلہ دو^(۲) لڑکون کے متصور ہونگی اس لیے کل وارث تین لڑکے ہوئے -

دوسری مثال قاعدہ نمبر ۵ -

فرض کرو زید کے دو^(۲) لڑکیان تھین جو اوسکی حیات مین فوت ہوگئین - ایک نے ایک لڑکا
(الف) چھوڑا - دوسری نے ایک دختر (ب) چھوڑی - ان دونون کا نکاح ہوا - جس سے ایک لڑکا
(ج) پیدا ہوا - بعدہٗ (ب) نے اپنے شوہر (الف) کے مرنے کے بعد دوسرے شخص (د) سے
نکاح کیا - اور اس نکاح سے ایک دختر (ہ) پیدا ہوئی - اب زید مر گیا تو اوس کا ترکہ (ج) و (ہ)
مین کس طرح تقسیم ہوگا -
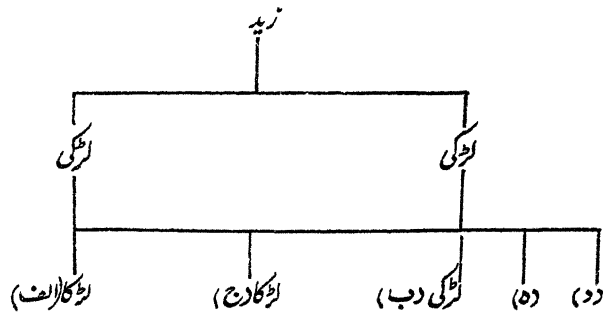
اس مسئلہ مین امام ابو یوسف لڑکا (ج) کو جو دو جہت سے قرابت رکھتا ہے دو لڑکا قرار دینگے جو مساوی چار دختروں کے ہین اور ترکہ کو اونکے ابدان (تعداد) پر تقسیم کرینگے یعنی چار سہام لڑکا (ج) کو اور ایک سہام دختر (ہ) کو دیا جائیگا۔

لیکن امام محمد اصول کے جنس کا خیال کر کے (کیونکہ فرع مین آحاد نہین ہے) (الف) کو ۴/۵ دینگے جو کل اوسکے پسر (ج) کو ملے گا اور بقیہ ۱/۵ (ب) کو دینگے اور چونکہ قاعدہ مذکور کے خیال سے لڑکا (ج) اپنی اصل یعنی مان کی جنس یعنی مؤنث قرار دیا جائیگا۔ اس لیے وہ برابر ایک لڑکی کے ہوا۔ اور (ب) کی ایک دوسری لڑکی (ہ) (د) کے نطفہ سے اور ہے اس لیے اوسکا حصہ ان دونو لڑکیون مین مساوی تقسیم ہوگا۔ اسیطرح پر (ج) کو ۴/۵ + ۱/۱۰ = ۹/۱۰ ملے اور باقی ۱/۱۰ (ہ) کو ملا۔

صنف دوم یعنی اجداد فاسد و جدات فاسدہ۔ ان مین مستحق میراث وہ [illegible] میت سے زیادہ قریب ہے۔ جیسے مان کا باپ اور مان کی مان کا باپ و باپ کی مان کا باپ ہو تو ترکہ اول الذکر کو ملے گا۔[۵۱] پھر جن کے ذریعہ سے میت تک قرابت ہے اگر اونکی جنس مین اختلاف ہو تو جس پشت مین اختلاف ہوا اوسکی صفت لیکر مال تقسیم ہوگا مثلاً جدات مادری و جدات پدری

[۵۱] اگر نزدیکی مین سب برابر ہین تو وارث کے ذریعہ سے تقرب تقدیم کا موجب نہ ہوگا یہی اصح ہے۔ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۸۸۷ و فتاوی عالمگیری۔ مگر ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء مین بحوالہ شریفیہ صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵ مین لکہا ہے کہ جس جد یا جدہ کی قرابت بذریعہ کسی وارث کے ہے اوسکو ترجیح ہوگی۔

مین سے جدات پدری کو دو حصہ اور جدات مادری کو ایک حصہ دیا جائیگا جیسے قسم اول مین تھا۔ پھر جو کچھ جدات مادری کو ملا اگر اس جانب جدو جدہ دونون ہون تو ان مین سے مذکر کو مونث سے دوچند دیا جاسے گا۔ ہدایہ۔

صنف سوم | ہدایہ جلد ۴۔ صنف سوم کی تین قسم ہین۔

قسم اوّل۔ عینی بھائی بہنون کی لڑکیان واونکی اولاد۔

قسم دوم۔ علاتی بھائی بہنون کی لڑکیان واونکی اولاد۔

قسم سوم۔ اخیافی بھائی بہنون کی اولادوا ونکی اولاد۔ کیونکہ قسم سوم مین مذکر و مونث برابر ہین۔

اگر قسم اول یا دوم کے ذوی الارحام ہین تو صنف اول کی طرح مساوات درجہ و قرب امیت و تقرب بوارث مین اعتبار ہوگا۔ پھر اگر وصف اصول مین اختلاف ہوگا تو ابو یوسف اونہین کے ابدان کی شمار پر تقسیم کرینگے و محمد کے نزدیک ابدان کے ساتھ اصول کا وصف لیا جائیگا مثلاً بہن کی لڑکی بہ نسبت بہن کی لڑکی کی لڑکی کے اولی ہے اسواسطے کہ وہ اقرب ہے۔ بھائی کے پسر کی لڑکی بہ نسبت بھائی کی دختر کی لڑکی کے اولی ہے اسواسطے کہ وہ وارث کی لڑکی ہے کیونکہ بھائی کا لڑکا

ا؎ مثلاً کسی شخص نے باپ کے باپ کی مان کے باپ کی مان و مان کے باپ کے باپ کے باپ کی مان چھوڑی تو دو ثلث اول الذکر کو ملے گا کیونکہ وہ جدہ پدری ہے اور ایک ثلث دوسرے جدہ کو کیونکہ وہ جدہ مادری ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اجداد و جدات یا تو مساوی الدرجہ ہونگے یا نہین۔ اگر نہین تو جو قریب تر ہے اوسکو ترجیح دیجائیگی۔ پھر یہ دیکھا جائیگا کہ اونکی جنس مختلف ہے یا واحد۔ اگر مختلف تو دو ثلث وایک ثلث کرکے ترکہ تقسیم ہوگا۔ واگر وے ایک جنس کے ہین اور اونکے مورث کی جنس مین بھی اختلاف نہین ہے تو ترکہ اونکے ابدان پر تقسیم ہوگا واگر اونکے اصل کی جنس مین اختلاف ہے تو ابتداً جس مورث کی جنس مین اختلاف ہوا ہے اسکی صفت لیکر ترکہ تقسیم ہوگا۔ شریفیہ صفحہ ۱۱۶۔

عصبہ ہے۔ اگر میت کی قرابت مین صرف بہن کی لڑکی و بہن کا لڑکا ہے تو مال اِن دونون مین مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

اگر میت کے بھائی کے پسر کی دختر اور بھائی کی دختر کا پسر اور بہن کی دختر کی دختر ہے تو امام ابویوسف کے نزدیک ابدان پر اعتبار ہوگا اور امام محمد کے نزدیک مال کے پانچ سہام کر کے بہن کی نواسی کو ایک سہم دیا جائیگا اور باقی چار سہام مین سے بھائی کی دختر کے پسر کو دو تہائی دیا جائیگا اور ایک تہائی بھائی کے پسر کی دختر کو۔

اگر کسی نے تین مختلف بھتیجون کی لڑکیان چھوڑی ہون یعنی (۱) حقیقی بھائی کے پسر کی لڑکی (۲) علاتی بھائی کے پسر کی لڑکی (۳) اخیافی بھائی کے پسر کی لڑکی۔ اس حالت مین جملہ علما کا اتفاق ہی کہ کل ترکہ وارث نمبر (۱) یعنی حقیقی بھائی کے پسر کی لڑکی کو ملے گا۔ کیونکہ وہ لڑکی عصبہ کی دختر ہے اور نیز اس وجہ سے کہ حقیقی ہونے کے باعث اوسکا رشتہ قرابت بمقابلہ علاتی بھائی کے پسر کی لڑکی سے زیادہ ہے۔ اخیافی بھائی و بہن کی اولاد کو برابر حصہ ملتا ہے کیونکہ ایسے بھائی و بہن کے حصے مین مذکر و مؤنث کے باعث کچھ فرق نہین آتا اس لیے اونکی اولاد کے حصص مین بھی اون کے اصول کی جنس کا اختلاف کچھ فرق نہ ڈالیگا یہ قول امام محمد کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن امام ابویوسف ورثا کی جنس پر لحاظ کر کے مذکر کو دو ثلث و مؤنث کو ایک ثلث دلاتے ہین۔ سراجیہ۔

صنف چہارم منجملہ چند ورثا ذوی الارحام صنف چہارم کے جو شخص قوی ترین قرابت متوفی سے رکھیگا اوسکا حق وراثت مقدم ہوگا چاہے وہ از قسم ذکور ہو یا از قسم اناث جیسے حقیقی پھوپی کو علاتی پھوپی پر ترجیح ہے اور نیز اخیافی پھوپی و چچا پر اس لیے حقیقی پھوپی کو کل ترکہ ملیگا اسیطرح علاتی پھوپی کو اخیافی چچا و پھوپی پر ترجیح دیجائیگی کیونکہ اوسکی قرابت زیادہ قوی ہے ماموں و خالون کے ساتھ بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا جائیگا۔ شریفیہ

نمبر ۲۔ اگر وارثون مین ذکور و اناث دونون جنس کے ہون۔ اور باعتبار قربت دونون برابر

ہون تو مذکر کو دو حصہ و مؤنث کو ایک حصہ ملیگا۔ جیسے اخیافی چچا و پھوپی ہون تو چچا کو
دو حصہ و پھوپی کو ایک حصہ۔ علی ہذا القیاس حقیقی مامون کو دو حصہ و حقیقی خالہ کو
ایک حصہ ملیگا۔ امام ابویوسف و امام محمد دونون صاحب اس امر مین متفق ہین کہ اگر
وارثون کے اصول کی جنس مین فرق نہین ہے تو خود وارثون کی جنس پر جو تقسیم ترکہ کے
وقت موجود ہین لحاظ کیا جاے گا۔ شریفیہ۔

نمبر ۳۔ اگر ورثا مین جہت کے اعتبار سے فرق ہے تو قربت پر خیال نہ ہوگا۔ بلکہ باپ
کی طرف کے وارث کو دو ثلث ملے گا۔ اور مان کی طرف والے کو ایک ثلث۔
مثلاً اگر حقیقی پھوپی و اخیافی خالہ ہو یا حقیقی خالہ و اخیافی پھوپی ہو تو دو ثلث باپ کی طرف
کے قرابت دار کو ملیگا اور ایک ثلث مان کی طرف کے قرابت مند کو۔ پھر جو ہر ایک
فریق کو ملا ہے وہ ان کی اولاد مین تقسیم ہوگا۔ سراجیہ۔

فصل پنجم۔ در بیان عول و رد و مناسخہ

عول بفتح اول و سکون ثانی لغت مین بمعنی جور و غلبہ و رفع و زیادت کے مستعمل ہے
اخیر معنی اصطلاحی معنی کے زیادہ مناسب ہے۔
صاحب درالمختار نے عول کے قاعدہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عول رد کا ضد ہے
عول ایک یا دو سہامون کے زیادہ کرنے کو کہتے ہین جبکہ مخرج کل مجموعی تعداد سہام
سے کم ہوتا ہے تاکہ جملہ ورثا کے حصون مین بمقدار اونکے حصون کے کمی ہو جیسے کہ بحالت کمی
متروکہ کے قرضخواہون کے قرضہ کی تعداد مین بحصہ رسدی کمی کیجاتی ہے حضرت عمرؓ

نے اول اول عول کا قاعدہ جاری کیا - یا بالفاظ دیگر عول ضد ہے رد کا اسواسطے کہ عول سے ذوی الفروض کے سہام گہٹ جاتے ہین اور اصل مسئلہ بڑہ جاتا ہے اور رد سے سہام بڑہجاتے ہین اور اصل مسئلہ گہٹ جاتا ہے یا یون کہئے کہ عول مین سہام ناقص ہوجاتے ہین مخرج پورا اور رد مین مخرج فاضل ہوجاتا ہے سہام پورے۔

مخرج سات ہین - ۲ و ۳ و ۴ و ۶ و ۸ و ۱۲ و ۲۴ - تین آخر الذکر مخرج مین عول کیا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱ - جفت یا طاق عددون کے بڑہانے سے ۶ کے مخرج کو ۱۰ تک بڑہا سکتے ہین - مثلاً اگر وارث شوہر و دو حقیقی بہن ہین تو مخرج کو سات کر دینگے اگر ان وارثون کے ساتھ متوفیہ کی مان بہی ہو تو مخرج کو بڑہا کر ۸ کر دینگے اور اگر ان و اخیافی بہن اون وارثون کے ساتھ ہو تو مخرج کو ۹ تک بڑہائین گے اور اگر ان سب کے ساتھ اخیافی بہائی بہی ہو تو مخرج ۱۰ تک بڑہایا جائیگا - درالمختار صفحہ ۸۶۸

نمبر ۲ - صرف طاق عددون کے بڑہانے سے ۱۲ کے مخرج کو ۱۷ تک بڑہا سکتے ہین - مثلاً اگر کسی شخص نے زوجہ و دو حقیقی بہنین و مان کو وارث چہوڑا تو اوس صورت مین ۱۲ مخرج کو ۱۳ کر دین گے اور اگر اشخاص مذکورہ بالا کے ساتھ ایک اخیافی بہائی بہی ہے تو مخرج کو بڑہا کر ۱۵ کر دینگے اور اگر بجاے ایک اخیافی بہائی کے دو اخیافی بہائی یا ایک اخیافی بہائی و ایک اخیافی بہن ہو تو مخرج کو بڑہا کر ۱۷ کر دیتے - درالمختار صفحہ ۸۶۸ -

قاعدہ نمبر ۳ - مخرج ۲۴ کو ۲۷ کر دیتے ہین ۲۷ سے زیادہ یا کم نکرینگے - مثلاً اگر کسی شخص نے زوجہ و ۲ لڑکیان و والدین کو وارث چہوڑا۔[۱]

رد

رد عول کا عکس ہے - اگر ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد ترکہ کچہہ بچ رہے

---

[۱] اس مسئلہ کو ممبریہ کہتے ہین - ممبریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ کی مسجد مین ممبر پر خطبہ پڑہ رہے تہے تو ایک شخص نے اسی شکل کو پیش کیا حضرت علی علیہ السلام نے فی البدیہ جواب دیا - اس پر سائل نے کہا کہ کیا زوجہ کا ۱/۸ فرض نہین ہے اسپر یہ جواب دیا کہ اس شکل خاص مین ۱/۸ کو ضرورتاً ۱/۹ کو دیا گیا اور یہ کہکر خطبہ مین پہر مشغول ہوئے حاضرین مسجد کو حضرت علی علیہ السلام کی تبحر پر بڑا استعجاب ہوا - شریفیہ صفحہ ۵۸ -

اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو بقیہ ترکہ اون ذوی الفروض کو بمقدار اون کے حصہ اصلی کے ملے گا باستثنا زوجین کے جو اشخاص کہ مستحق رد کے ہین اونکی تعداد ۸ ہے۔

(۱) مان (۲) دادی (۳) لڑکی (۴) لڑکے کی لڑکی (۵) حقیقی بہن (۶) علاتی بہن (۷) اخیافی بھائی (۸) اخیافی بہن اگر اخیافی بھائی و بہن کو ایک شمار کرین تو تعداد ۷ ہوتی ہے اور رد ایک یا دو یا تین وارثین کو ملسکتا ہے اوس سے زیادہ کو نہین۔

زید بن ثابت کا قول ہے کہ ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے تو بیت المال مین دیا جاوے گا امام مالک و شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

سید امیر علی۔ تعداد مذکورہ بالا چند اصحاب رسول و تابعین کی قرار دی ہوئی ہے اور نیز اون ائمہ کی جو اون کے بعد ایسے زمانہ مین ہوئے جب بیت المال منتظم حالت مین تھا۔ لیکن موخر زمانہ کے عالمون نے یہ دیکھکر کہ بیت المال کا روپیہ بادشاہ وقت یا اونکے عمّال کی بے انصافی سے اصلی مقصد مین نہین صرف کیا جاتا یہ فتویٰ دیا کہ زوجین پر بھی رد کیا جاوے۔ ان موخر علماء مین مولانا زین العابدین و ابراہیم بن نجوم بھی ہین۔ ابراہیم بن نجوم نے اپنی کتاب اشباہ و نظائر کے باب وراثت مین زیلعی کا ایک قول نقل کیا ہے جسکا وہ جز و جو رد سے متعلق ہے یہ ہے۔

"زوجین مین سے ایک کو اوسکا حصہ مفروضہ دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے وہ شوہر یا زوجہ کو رد کے قاعدہ سے ملے گا۔ طحطاوی مین بھی مندرج ہے کہ حضرت عثمان علیہ السلام کے قول کے مطابق رد شوہر یا زوجہ کو بھی ملتا ہے۔ ذخیرہ مین بھی یہ درج ہے کہ زوجین کو اون کا حصہ دینے کے بعد جو بچ رہے وہ بیت المال مین نہ دیا جائیگا۔ بلکہ زوج یا زوجہ کو دیا جائیگا۔ کیونکہ بوجہ ہونے ذوی الفروض سببیہ کے وہ دوسرون پر مقدم ہین"

امام عبد الواحد شہید نے بھی اپنی کتاب وراثت مین تحریر کیا ہے کہ شوہر یا زوجہ کو حصہ دینے کے بعد جو بچ رہے وہ بیت المال مین نہ دیا جاوے گا بلکہ شوہر یا زوجہ کو ملے گا۔ حمیدیہ مین

بھی یہ قول تحریر ہے[۵۱]۔

اب فی زمانہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جب کوئی ذوی الفروض نسبی نہ ہو تو شوہر یا زوجہ کو بھی رد ملتا ہے[۵۲]۔

نمبر ۱۔ اگر وارث ایک لڑکی و ماں ہین۔ اونکے حصہ شرعی $\frac{۱}{۲}$ و $\frac{۱}{۶}$ ہین۔ بقیہ $\frac{۲}{۶}$ اون کے درمیان اونکے حصص شرعی کے تناسب سے تقسیم ہوگا یعنی $\frac{۳}{۱۲}$ لڑکی کو و $\frac{۱}{۱۲}$ ماں کو بطور رد کے ملینگے یعنی $\frac{۱}{۲} + \frac{۳}{۱۲} = \frac{۶+۳}{۱۲} = \frac{۳}{۴}$ حصہ لڑکی کو و $\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۱۲} = \frac{۲+۱}{۱۲} = \frac{۱}{۴}$ حصہ ماں کو۔

طریقہ مذکورہ بالا سے ذیل کا قاعدہ مختصر اور سہل ہے۔

ماں : لڑکی $= \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۲} = ۱ : ۳$ یعنی اگر مخرج کو ۴ قرار دین تو لڑکی کو تین ملینگے اور ماں کو ایک۔

نمبر ۲۔ اگر وارث ۲ زوجہ و ایک ماں و ۳ لڑکیاں ہین۔

زوجون کو $\frac{۱}{۸}$ حصہ ملیگا اور باقی $\frac{۷}{۸}$ ماں و لڑکیون کو حصہ شرعی و رد مین ملیگا۔

ماں : لڑکیون $= \frac{۱}{۶} : \frac{۲}{۳}$ یعنی $۱ : ۴$ یعنی اگر مخرج ۵ قرار دین تو ماں کو $\frac{۱}{۵}$ ملیگا اور لڑکیون کو $\frac{۴}{۵}$۔

$\therefore$ ماں کا حصہ . . . . $= \frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۱}{۵} = \frac{۷}{۴۰}$

---

[۵۱] اوپر کی عبارت مولوی کبیر الدین کی کتاب سراجیہ و شریفیہ مین ابو القاسم عبد الحلیم کی [illegible] کے خلاصہ سے ماخوذ ہے۔ [۵۲] دیکھو فیصلہ پریوی کونسل بمقدمہ رحمت النسا بیگم بنام امۃ النسا خانم ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۱۰۸ و محمد ارشد چودہری بنام ساجدہ بانو کلکتہ جلد ۳ صفحہ ۷۰۲ ان ہر دو مقدمات مین تجویز ہوئی کہ بحالت نہ ہونے ذوی الفروض نسبی کے زوجہ کا استحقاق رد مین بیت المال سے مقدم ہے لیکن جب دوسرے وارث موجود ہون تو زوجہ کو رد مین حق نہین ہے۔ دیکھو کناری بی بی بنام دلم بی بی کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۔

۳ لڑکیوں کا حصہ = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۷}{۱۰}$ ہر لڑکی کا حصہ = $\frac{۷}{۱۰}$ ÷ ۳ = $\frac{۷}{۳۰}$

نسب نما . . . . = ۲۴۰

ایک زوجہ کا حصہ = ۱۵ و ۲ زوجون کا = ۳۰

ماں . . . . = ۴۲

ہر لڑکی = ۵۶ و ۳ لڑکیاں . . . . = $\frac{۱۶۸}{۲۴۰}$

نمبر ۳ - وارث زوجہ و ۴ دادیان و ۶ - اخیافی بہنین ہین -

زوجہ = $\frac{۱}{۴}$

دادی : اخیافی بہنون = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۱}{۳}$ = ۱:۲

۴ دادیان = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۴}$

ایک دادی = $\frac{۱}{۴}$ ÷ ۴ = $\frac{۱}{۱۶}$

۶ - اخیافی بہن = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۲}$

ایک بہن = $\frac{۱}{۲}$ ÷ ۶ = $\frac{۱}{۱۲}$

نسب نما = ۴۸

زوجہ . . . . . . = ۱۲

ایک دادی = ۳ و ۴ دادیان = ۱۲

ایک اخیافی بہن = ۴ و ۶ بہنین = ۲۴

۴۸

نمبر ۴ - ۴ زوجہ و ۹ لڑکیاں و ۶ دادیان ہین -

۴ زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ ایک زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ ÷ ۴ = $\frac{۱}{۳۲}$

دادی : لڑکیاں = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۲}{۳}$ = ۱:۴

۶ دادیان = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۷}{۴۰}$

ایک دادی = $\frac{۷}{۴۰}$ ÷ ۶ = $\frac{۷}{۲۴۰}$

۹ لڑکیاں = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۷}{۱۰}$

ایک لڑکی = $\frac{۷}{۱۰}$ ÷ ۹ = $\frac{۷}{۹۰}$

نسب نما - ۱۴۴۰

ایک زوجہ = ۴۵ و ۴ زوجہ = ۱۸۰

ایک دادی = ۴۲ و ۶ دادیان = ۲۵۲

ایک لڑکی = ۱۱۲ و ۹ لڑکیاں = ۱۰۰۸

۱۴۴۰

مناسخہ یعنی نقل و تحویل ورثہ | درالمختار جلد چہارم صفحہ ۵۰۳ مناسخہ کے لغوی معنی ازالہ و تغیر اور

نقل و تحویل ہے جب کسی شخص کے مرنے پر اوسکا متروکہ اسکے وارثون کے درمیان ہنوز تقسیم نہ ہوا تہا کہ وارثون میں سے بہی کوئی مرگیا تو اوسکے حصہ کو اوسکے وارث کی طرف نقل کرینگے اور اسی کو مناسخہ کہتے ہین۔

مثلاً نمبر ۱ - ایک عورات اپنے شوہر ولڑکی و مان کو چہوڑکر مری۔

نمبر ۲ - بعد کو شوہر ایک زوجہ و باپ و مان چہوڑ کر مرا۔

نمبر ۳ - بعدہ لڑکی نے دو لڑکے و ایک لڑکی اور نانی یعنی میت اول کی مان کو اپنی وفات پر چہوڑا۔

نمبر ۴ - بعدہ نانی نے شوہر و دو بہائیون کو مرنے کے بعد چہوڑا۔

مسئلہ اول - وارث شوہر و ایک لڑکی و مان۔

شوہر کا حصہ = $\frac{1}{4}$ جسکا حصہ دینے کے بعد $\frac{3}{4}$ بچا جو لڑکی و مان کو ملے گا۔

لڑکی : مان = $\frac{1}{2}$: $\frac{1}{6}$ = ۳ : ۱ یعنی اگر مخرج ۴ قرار دیا جائے تو لڑکی کو $\frac{3}{4}$ ملیگا و مانکو $\frac{1}{4}$

∴ لڑکی کا حصہ = $\frac{3}{4}$ کا $\frac{3}{4}$ = $\frac{9}{16}$

مان کا حصہ = $\frac{3}{4}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{3}{16}$

نسب نما = ۱۶

شوہر = ۴
لڑکی = ۹
مان = ۳
۱۶

مسئلہ دوم - دہ شوہر جسکو $\frac{4}{16}$ سہام اوپر ملے ستہے فوت ہوگیا اور ایک زوجہ ووالدین کو وارث چہوڑا۔ زوجہ = $\frac{4}{16}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{1}{16}$ = ۱

بعد منہائی حصہ زوجہ کے مان = $\frac{3}{16}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{1}{16}$ = ۱

باپ = $\frac{3}{16}$ کا $\frac{2}{3}$ = $\frac{2}{16}$ = ۲ منجملہ ۴ کے جو شوہر کو ابتداءً ملے ستہے

چونکہ نسب نما برابر رہے لہذا نسب نما یکسان کرنے کی ضرورت نہین رہی۔

مسئلہ سوم۔ لڑکی نے دو لڑکے و ایک لڑکی و نانی کو وارث چہوڑا۔ لڑکی کو مسئلہ اول سے منجملہ ۱۶ کے ۹ سہام ملے تہے جو اوسکے وارثونمین تقسیم ہوگا

پسران و دختر عصبہ ہین و نانی ذوی الفروض۔

نانی $= \frac{۹}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۶} = \frac{۳}{۳۲}$ بقیہ حصہ یعنی $\frac{۹}{۱۶} - \frac{۳}{۳۲} = \frac{۱۸-۳}{۳۲} = \frac{۱۵}{۳۲}$

مابین عصبہ تقسیم ہوگا۔

دو لڑکے و ایک لڑکی برابر ہین پانچ لڑکیون کے۔

$\therefore$ ایک لڑکی $= \frac{۱۵}{۳۲}$ کا $\frac{۱}{۵} = \frac{۳}{۳۲}$

لڑکا $= \frac{۱۵}{۳۲}$ کا $\frac{۲}{۵} = \frac{۶}{۳۲}$

لڑکا $= \frac{۱۵}{۳۲}$ کا $\frac{۲}{۵} = \frac{۶}{۳۲}$

نانی $= \frac{۹}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۶} = \frac{۳}{۳۲}$ و $\frac{۳}{۱۶}$ سہام نانی کو

مسئلہ اول سے ملے $\therefore$ مجموعی حصہ نانی $= \frac{۳}{۳۲} + \frac{۳}{۱۶} = \frac{۹}{۳۲}$

مسئلہ چہارم۔ نانی نے شوہر و دو بہائی چہوڑے۔ مجموعی سہام نانی کے $\frac{۹}{۳۲}$ ہین جو اوسکے شوہر و دو بہائی کو ملینگے۔

شوہر $= \frac{۹}{۳۲}$ کا $\frac{۱}{۲} = \frac{۹}{۶۴}$ بقیہ $\frac{۹}{۶۴}$ دو بہائیون کو۔

$\therefore$ ایک بہائی $= \frac{۹}{۶۴} \div ۲ = \frac{۹}{۱۲۸}$

دوسرا بہائی $= \frac{۹}{۶۴} \div ۲ = \frac{۹}{۱۲۸}$

جملہ وارثان حی القایم کے سہام کا نسب نما یکسان کیا۔ واضح ہو کہ مسئلہ اول کے کل وارث فوت ہو گئے ہین و مسئلہ دوم کے کل وارث حیات ہین و مسئلہ سوم کے وارثون مین نانی یعنی مسئلہ اول کی مان کے علاوہ بقیہ حیات ہین و مسئلہ چہارم کے کل وارث حیات ہین۔ اونکو جو اوپر حصے ملے ہین وہ حسب ذیل ہین۔

۱/۱۶ و ۱/۱۶ و ۲/۱۶ و ۳/۳۲ و ۶/۳۲ و ۶/۳۲ و ۹/۶۴ و ۹/۱۲۸ و ۹/۱۲۸ — نسب نما . . . . . = ۱۲۸

∴ زوجہ میت اول یعنی مسئلہ ثانی کا ۱/۱۶ نئے نسب نما کے مطابق = ۸

ماں ایضاً . . . . = ۸

باپ ایضاً . . . . = ۱۶

لڑکی میت ثانی یعنی مسئلہ سوم کو ۳/۳۲ نئے نسب نما کے مطابق = ۱۲

لڑکا ایضاً . . . . = ۲۴

لڑکا ایضاً . . . . = ۲۴

شوہر مسئلہ چہارم . . . . = ۱۸

بہائی مسئلہ چہارم . . . . = ۹

بہائی ایضاً . . . . = ۹/۱۲۸

اگر وارثوں میں سے کوئی وارث ترکہ سے کوئی خاص چیز لیکر اپنے حق وراثت سے دست بردار ہو جائے تو اوس وارث کے سہام کو خارج کر کے باقی ترکہ دوسرے وارثوں کو ملیگا مثلاً اگر کسی عورت نے شوہر و ماں و چچا کو وارث چھوڑا۔ فرض کرو کہ شوہر نے اپنے ذمگی دین مہر کے عوض حق وراثت سے دست برداری کی تو دین مہر کو ترکہ سے خارج کر کے بقیہ متروکہ ماں و چچا کے درمیان اونکے حصہ شرعی کے مطابق تقسیم کرینگے۔ شکل مفروضہ میں اگر شوہر اپنے حق وراثت سے دست بردار نہ ہوتا تو مسئلہ ۶ سے ہوتا جو وارثوں میں مستقیم ہے جسمیں سے تین شوہر کو ملتے اور دو ماں کو اور بقیہ ایک چچا کو بحیثیت عصبہ۔ مگر چونکہ شوہر نے دین مہر کے عوض وراثت سے دست برداری کر لی تو اوسکے سہام کو تصحیح سے خارج کر دینگے اور باقی ترکہ سوائے دین مہر کے ماں و چچا میں تین تہائی کر کے یعنی قبل تخارج کے جو اونکے سہام کی تعداد تہی اوسکے مطابق بقیہ ترکہ کو تقسیم

کر کے دو ثلث مان اور ایک ثلث چچا کو دینگے ۔ تقسیم ترکہ کے وقت شوہر کو وارثون مین نہ شمار کرنے سے دیگر وارثون کی تعداد حصص مین کمی بیشی ہو جائیگی ۔ مثلاً فرض کرو کہ عورت نے چھہ لاکھہ روپیہ کا اثاثہ چھوڑا جسمین سے دو لاکھہ لیکر شوہر نے وراثت سے دست برداری کر لی ۔ اگر شوہر کا شمار تقسیم ترکہ کے وقت نہ کیا گیا تو مان کو ۱/۳ چار لاکھہ کا ملے گا اور اگر شوہر کو شامل کر کے تقسیم کیا جائیگا تو مان کو ۱/۳ چھہ لاکھہ کا ملے گا اور باقی چچا کو بحیثیت عصبہ ملیگا ۔

قاعدہ تقسیم ترکہ مابین دائنان

ہر داین کے دین کو بمنزل سہام وارث و سب دیون کو بمنزلہ مسئلہ قرار دو مثلاً ایک شخص نے نو روپیہ کا ترکہ چھوڑا اور اوسکے ذمہ دس روپیہ ایک شخص کے اور پانچ روپیہ دوسرے کے قرض ہین

دس روپیہ کے داین کا حصہ = ۹ کا ۱۰/۱۵ = ۳۰/۵ = چھہ روپیہ

پانچ روپیہ والے داین کا حصہ = ۹ کا ۵/۱۵ = ۱۵/۵ = تین روپیہ

فصل ششم ۔ دربیان میراث حمل یا جنین و مفقود و اسیر و غرقی و حرقی

مذہب حنفی مین سب سے زیادہ مدت حمل دو سال کی قرار دی گئی ہے اور سب سے تھوڑی چھہ مہینہ کی ۔ امام شافعی و امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک چار سال ۔ جو بچہ پیٹ مین ہے وہ وارث ہوتا ہے ۔ اور اوسکا حصہ رکھہ چھوڑا جائیگا اسپر صحابہ رضی اللہ عنہم کا

اجماع ہے۔

لیکن حمل دو حال سے خالی نہین یا تو وارثان موجودہ کو بہ حجب حرمان یا بہ حجب نقصان محجوب کریگا یا ایسا نہ کریگا اور دیگر وارثون کے ساتھ حصہ مین شریک ہوگا پس اگر وارثان موجودہ کو بہ حجب حرمان محروم کرنا معلوم ہو جیسے وارثان موجودہ اگر بھائی و بہن و چچا و اولاد چچا ہون تو تمام ترکہ وضع حمل تک موقوف رکھا جائیگا کیونکہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو وہ سب وارثان موجودہ کو وراثت سے محروم کرے گا اور اگر فقط بعض کو محروم کرتا ہو مثلاً وارثان موجودہ بھائی و دادی ہون تو دادی کو چھٹا حصہ دیکر باقی موقوف رکھین گے۔ اور اگر بہ حجب نقصان محروم کرتا ہو مثلاً اگر وارث شوہر یا زوجہ ہو تو اوس وارث کو سب سے کمتر حصہ جسکا وہ مستحق ہے دیکر باقی موقوف رکھینگے اگر حمل سے کوئی وارث موجودہ مین سے محروم نہوتا ہو جیسے اگر وارث دادا و دادی ہین تو اونکا حصہ دے دیا جائیگا اور باقی کو رکھہ چھوڑین گے اور اگر وارثان موجودہ کو محجوب نکرتا ہو بلکہ اونکے ساتھ شریک ہوتا ہو تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جنین کے واسطے ایک لڑکا یا ایک لڑکی کا حصہ جو دونون مین زیادہ ہو محفوظ رکھا جائیگا اور اوسکی ضمانت وارثان سے لیجائیگی اسی قول پر فتوی ہے اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو وہ وارث نہ ہوگا[۵۱] ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء فتاوی عالمگیری

[۵۱] بچہ کا زندہ پیدا ہونا اس طرح پر معلوم ہوگا کہ وہ پیدا ہوتے ہی سانس لے یا چھینکے یا رو دے یا اوسکے کسی عضو کو حرکت ہو۔ اگر نصف سے زیادہ جسم بچہ کا زندہ باہر نکلا اور پھر وہ مر گیا تو اس صورت مین وہ وارث ہوگا اور اگر نصف سے کم زندہ باہر نکلا تو وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر پر حکم ہوتا ہے اگر بچہ سیدھا سینہ تک زندہ نکل آیا تو وارث ہوگا اور اگر اولٹا نکلا تو ناف تک نکلنے کی شرط ہے۔ اور پھر بچہ کے مرنے کے بعد اوسکے وارثون کو میراث ملیگی۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ مین کس نے ضرب پہونچایا اور اسوجہ سے اسقاط حمل ہو تو جنین کو وراثت پہونچیگی اسواسطے کہ شرع نے صدمہ پہونچانیوالے پر غرہ دیت واجب کی ہے اور دیت اوسی صورت مین واجب ہوتی ہے جب زندہ کو صدمہ پہونچا کر ہلاک کیا جائے۔ مردہ کو صدمہ پہونچانے سے دیت لازم نہین آتی۔

مفقود | مفقود وہ ہے جو کہین چلا گیا ہو اور باوجود تلاش کے اوسکا پتہ نہ معلوم ہو اور نہ اوسکے زندہ یا مردہ ہونے کی بابت کچھہ ظاہر ہو یا آنکہ وہ دشمن کی اسیری مین آگیا اور اوسکے زندہ یا مردہ ہونے کی بابت کچھہ نہ معلوم ہو۔

مفقود کی حیات کی بابتہ مختلف قول ہین۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہین کہ تاریخ پیدایش مفقود سے جب تک ۱۲۰ سال نہ گذر لین وہ زندہ متصور ہوگا و امام محمد کے نزدیک ۱۱۰ سال تاریخ پیدایش سے زندہ خیال کیا جائیگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایکسو پانچ (۱۰۵) سال تاریخ پیدایش سے۔ لیکن امام محمد و امام ابو یوسف کا قول کسی کتب مستند مین نہین پایا جاتا۔ شریفیہ صفحہ ۱۴۴۔

بعض علما کا یہ قول ہے کہ جب تک شخص مفقود کے سب ہم عمر جو اوسی موضع یا قصبہ مین رہتے ہین فوت نہ ہو جائین اوسوقت تک وہ زندہ خیال کیا جائیگا۔ ہدایہ کے بموجب تاریخ پیدایش سے نوے (۹۰) برس کی عمر تک مفقود زندہ متصور ہوگا[۵۱] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔

لیکن امام مالک کے قول پر اب حنفیون کا عمل ہے یعنی اگر چار سال تک مفقود کا کچھہ حال نہ معلوم ہو تو وہ مردہ متصور ہوگا مگر شافعی مذہب مین سات سال کی قید ہے۔ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۷۳۔

مفقود کے بارہ مین یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے مال کے حق مین زندہ متصور ہوگا یعنی کسیکو اوسکے مال سے وراثت نہ ملیگی اور دوسرے کے مال کے حق مین مردہ اعتبار کیا جاتا ہے۔

---

[۵۱] مساۃ مانی بی بی بنام مساۃ صاحبزادی صدر دیوانی عدالت رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۰۸ و مقدمہ نمبری ۱۳ باب اول نظائر شرع محمدی میگناٹن صاحب مین بھی تاریخ پیدایش سے نوے سال کے گذرنے پر مفقود مردہ تجویز کیا گیا۔ شامان جرات سرکار صفحہ ۱۸۹۔

یعنی وہ دوسرے سے وراثت نہ پائیگا بلکہ اوسکا حصہ اوس وقت تک محفوظ رکھا جائیگا جب تک اوسکی موت یقینی طور پر دریافت نکر لیجائے یا اوسکی موت کی نسبت قیاس شرعی نہ پیدا ہو[1]۔ قیاس شرعی وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ بعد گذر جانے اوس مدت کے وہ اپنے مال کے حق مین مردہ سمجھا جائیگا یعنی اوسکے ورثا اوسکا مال آپس مین تقسیم کرینگے اور غیر کے مال کے حق مین اس طرح پر مردہ متصور ہوگا کہ گویا وہ اوسی دن مرگیا جس روز گم ہوا تھا۔ مثلاً اگر زمانہ مفقودی مین کوئی شخص مرا جسکا کہ مفقود بھی وارث ہے تو مفقود کا حصہ رکھہ چھوڑا جائیگا جب تک کہ اوسکی موت کی بابت حکم دیا جائے بعدہٗ اوسکا سب مال اوسکے وارثان موجود کے درمیان تقسیم کیا جائیگا اور ترکہ غیر سے جو مفقود کا حصہ رکھہ چھوڑا گیا ہے وہ اوس غیر کے وارثون کو واپس دیا جاویگا اور یہ خیال کیا جاویگا کہ مفقود کا وجود ہی نہ تھا۔

غرقی وحرقی جب ایک جماعت ڈوب کر یا جلکر مرگئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلے کون مرا تو سمجھا جائیگا کہ وہ سب ساتھ مرے۔ اس لیے ہر ایک کا مال اوسکے وارثون کو ملے گا اور اس جماعت سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان مین موت کی ترتیب معلوم ہو تو پہلے مرنے والے کا وارث پچھلا مرنے والا ہوگا۔

دربیان حجب

حجب دو طرح کا ہوتا ہے۔ حجب نقصان و حجب حرمان۔ حجب نقصان یہ ہے کہ زاید حصہ سے محجوب ہو کر کم حصہ وارث کو ملے اور حجب حرمان سے مراد کلیتہً محرومی ہے۔ حجب حرمان چھہ شخصون کے ساتھ نہین ہے یعنی باپ۔ بیٹا۔ شوہر۔ زوجہ۔ ماں۔ بیٹی

[1] گردہاری لال بنام لڈو بیگم ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۰۵۔

ان کے سوا جو وارث ہین اونمین - اول - میت سے زیادہ قربت والا بعید کو محروم کرتا ہے جیسے لڑکا پوتے کو محروم کرتا ہے - دوم - جو شخص کسی دوسرے شخص کے ذریعے سے قرابت رکھتا ہے وہ اوس دوسرے شخص کی موجودگی مین وارث نہین ہوتا سواے اولاد مان کے جو موجودگی مان کے بہی وارث ہین جو شخص خود محروم ہوتا ہے وہ کسیکو محجوب نہین کرتا ہے جیسے قاتل و کافر کہ وہ بہ حجب حرمان و بہ حجب نقصان کسی وارث کو محجوب نہین کرتے -

لیکن جو وارث محجوب ہوا وہ دوسرے کو بالاتفاق محجوب کر سکتا ہے جیسے کہ دو بہائی یا دو بہنین خواہ کسی جہت سے ہون باپ کے ہوتے محجوب ہونگے و لیکن میت کی مان کو حجب نقصان محجوب کرینگے کیونکہ بجائے ⅓ کے ⅙ مان کو حصہ ملیگا -

فصل ہفتم - تقسیم ترکہ کی چند مثالین

اگر وارث صرف باپ ہے تو کل ترکہ اوسکو ملے گا و اگر تنہا مان ہے تو کل ترکہ اوسکو ملیگا - ایک ثلث بحیثیت ذو فرض کے و بقیہ بطور رد کے اگر باپ و مان دونون ہین تو مان کو ایک ثلث و بقیہ باپ کو -

اگر وارث باپ و مان و دو بہائی (یا ایک بہائی دو بہنین یا چار بہنین) ہین تو مان کو ⅙ ملیگا و بقیہ کل باپ کو و بہائیون کو کچہہ نہ ملے گا -

اگر باپ و مان کے ساتھ متوفی کی اولاد بہی ہو تو باپ و مان دونون کو ایک ایک سدس (⅙) ملے گا -

اگر وارث صرف ایک لڑکی ہے و کوئی عصبہ نہین ہے تو نصف ترکہ اوسکو حصہ شرعی مین

ملے گا وبقیہ نصف بطور رد کے۔ واگر دو یا زیادہ لڑکیان ہین وکوئی دوسرا وارث نہین ہے تو کل ترکہ ان لڑکیون کو بحصہ مساوی ملے گا یعنی دو ثلث اونکا حصہ مفروضہ ہوگا و ایک ثلث بطور رد کے۔

اگر وارث والدین ہین یا اونمین سے کوئی ایک و متوفی کی اولاد۔ تو والدین مین سے ہر ایک کو ایک ایک سدس (۱/۶) و دیگر بقیہ ترکہ اولاد کو اگر سب از قسم ذکور ہین بحصہ مساوی دیا جائیگا و اگر اولاد مین مؤنث بھی ہون تو دو مؤنث کا حصہ ایک مذکر کو دیا جائیگا واگر وارث والدین و صرف ایک دختر ہین تو والدین کو ایک ایک سدس (۱/۶) و دختر کو ۱/۲ دیگر بقیہ ترکہ باپ کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔ اسیطرح اگر متوفیہ کے وارث اوسکے شوہر و والدین ہین تو شوہر کو نصف ترکہ ملے گا و مان کو بقیہ کا ایک ثلث اور پھر جو باقی رہے وہ کل باپ کو ملے گا۔

اگر متوفی نے ایک دختر و ایک لڑکے کا لڑکا چھوڑا تو دختر کو ۱/۲ ملیگا و بقیہ نصف پوتا بحیثیت عصبہ پائیگا۔ لیکن اگر بجاے پوتے کے پوتیان ہین تو پوتیون کو ۱/۶ ملے گا لیکن اگر متوفی نے دو یا زیادہ لڑکیان چھوڑی ہین تو پوتیون کو کچھ نہ ملے گا واگر پوتیون کے ساتھ ایک پوتا بھی ہے تو لڑکیون کو دو ثلث دیگر بقیہ ایک ثلث پوتا و پوتیون مین اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دوچند دینگے۔ واگر متوفی نے ایک لڑکا و پوتا و پوتیان چھوڑی ہین تو لڑکے کے باعث پوتا و پوتیان محجوب ہونگی۔ اگر وارث صرف ایک حقیقی بھائی ہے تو کل ترکہ اوسکو ملے گا اگر حقیقی بھائی کے ساتھ بہن بھی ہے تو بھائی کو دو حصہ و بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

واگر حقیقی بھائیون و بہنون کے ساتھ چند اخیافی بھائی بہن ہین تو اخیافی بھائیون یا بہنون کو ایک ثلث ملیگا جو اونمین بحصہ مساوی بلا خیال جنس کے تقسیم ہوگا اور بقیہ دو ثلث حقیقی

بہائیون وبہنون کو بطریق مذکورہ بالا یعنی مذکر کو مؤنث سے دوچند دینگے - اگر حقیقی بہائی وبہن نہین ہین تو علاتی بہائی وبہن کو حقیقی بہائی وبہن کے حقوق حاصل ہونگے -

اگر وارث صرف دادا یا نانا یا نانی ہے تو کل ترکہ اوسیکو ملیگا - واگر وارثون مین باپ و مان دونون طرف کے مورث ہین تو باپ کی طرف کے مورث کو (خواہ مذکر ہو یا مؤنث) کُل ترکہ ملے گا -

اگر وارث ایک اخیافی بہائی وحقیقی بہائی کا ایک لڑکا ہے تو اخیافی بہائی کو $\frac{1}{6}$ ملےگا وبقیہ بہتیجہ کو ملے گا -

اگر وارثون مین بہائی وبہن دونون کی اولاد ہین تو بہن کی اولاد کو کچہہ نہ ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام ہین جو بموجودگی عصبہ کے محروم ہوتے ہین

اگر وارث چچا وپہوپیان ہین تو کل ترکہ چچا کو ملے گا - حقیقی چچا کے ہوتے علاتی واخیافی چچا محروم ہونگے - وعلاتی چچا اخیافی چچا کو محروم کرتا ہے -

سوتیلی مان وسوتیلی دختر کو وراثت مین کچہہ حق نہین ہے -

اگر وارث ایک علاتی چچا و مان ودادی ہین تو ایک ثلث مان کو ملے گا اور دو ثلث علاتی چچا کو ودادی محجوب ہوگی - واگر بجاے ایک کے چند علاتی چچا ہین تو دو ثلث اون سبکو ملیگا -

نمبر ۱ - وارث دو لڑکیان ایک پوتا وایک پوتی -

حصہ شرعی $\frac{2}{3}$ بقیہ $\frac{1}{3}$ = بحیثیت عصبہ پوتا وپوتی کو -

∴ پوتا = $\frac{1}{3}$ کا $\frac{2}{3}$ = $\frac{2}{9}$

پوتی = $\frac{1}{3}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{1}{9}$

نمبر ۲ - وارث مان - زوجہ - تین بہنین - ایک بہائی

حصہ شرعی $\frac{1}{6}$ و $\frac{1}{4}$ وبقیہ $\frac{7}{12}$ = بہنین وبہائی بحیثیت عصبہ -

بھائی = ۲ بہن = $\frac{2}{5}$ کا $\frac{7}{12}$ = $\frac{7}{30}$

ایک بہن = $\frac{1}{5}$ کا $\frac{7}{12}$ = $\frac{7}{60}$ و ۳ بہن = $\frac{21}{60}$

نمبر ۳ - وارث ایک زوجہ - ۴ لڑکیاں - ایک بھائی - دو بہنیں -

$\frac{1}{8}$ و $\frac{2}{3}$ وبقیہ $\frac{5}{24}$ = بھائی و بہنیں بحیثیت عصبہ -

بھائی = ۲ بہن = $\frac{2}{4}$ کا $\frac{5}{24}$ = $\frac{5}{48}$

ایک بہن = $\frac{1}{4}$ کا $\frac{5}{24}$ = $\frac{5}{96}$

نسب نما . . . . . = ۹۶

زوجہ . . . . = ۱۲

۴ لڑکیاں . . . . = ۶۴

بھائی . . . . = ۱۰

ایک بہن = ۵ و دو بہن . . . = ۱۰

۹۶

نمبر ۴ - وارث ایک دختر و ماں و باپ و شوہر -

شوہر = $\frac{1}{4}$ = $\frac{3}{13}$ یہ مسئلہ عائلہ ہے -

ماں = $\frac{1}{6}$ = $\frac{2}{13}$

دختر = $\frac{1}{2}$ = $\frac{6}{13}$

باپ = $\frac{1}{6}$ = $\frac{2}{13}$

نمبر ۵ - وارث ایک اخیافی بہن و ایک علاتی بہن -

اخیافی بہن = $\frac{1}{6}$ وبقیہ $\frac{1}{3}$ مطابق حصہ رسد دونوں کو بطور رد کے ملیگا یعنی $\frac{1}{4}$ و $\frac{3}{4}$ دونوں کا حصہ ہوا - علاتی بہن = $\frac{1}{2}$

مختصر طریقہ علاتی بہن : اخیافی بہن = ۳ : ۱

یعنی اگر مخرج کو ۴ قرار دیں تو علاتی بہن کو ۳ سہام ملینگے و اخیافی کو (۱)

نمبر ۶ - وارث ایک زوجہ - ماں - ایک پسر و ایک بھائی -

حصہ شرعی $\frac{1}{8}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{17}{24}$ = بقیہ بحیثیت عصبہ پسر کو۔ و بہائی محجوب۔

اگر پسر مر گیا تو میراث حسب ذیل تقسیم ہوگی۔

مان (یعنی زوجہ متوفی اول) = $\frac{1}{3}$ کا $\frac{17}{24}$ = $\frac{17}{72}$

چچا (یعنی بہائی متوفی اول جو محجوب تہا) بحیثیت عصبہ بقیہ = $\frac{17}{24}$ - $\frac{17}{72}$ = $\frac{34}{72}$

و متوفی اول کی مان یعنی متوفی ثانی کی دادی محروم ہوگی۔

∴ زوجہ متوفی اول = $\frac{1}{8}$ + $\frac{17}{72}$ = $\frac{26}{72}$

مان . . . . = $\frac{12}{72}$

بہائی متوفی اول . . . . . = $\frac{34}{72}$

نمبر ۷۔ وارث ۔ شوہر ۔ ایک دختر ۔ ایک بہائی ۔ ۳ بہنین۔

حصہ شرعی $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{2}$ بقیہ $\frac{1}{4}$ = بہائی و بہنین بحیثیت عصبہ۔

۳ بہنین = $\frac{3}{5}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{3}{20}$

بہائی = $\frac{2}{5}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{2}{20}$

نمبر ۸۔ وارث ۔ ایک زوجہ ۔ مان ۔ ۳ حقیقی بہن و ایک اخیافی بہائی و ۲ ۔ اخیافی بہن

حصہ شرعی $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{2}{3}$ اخیافی بہائی و بہن محجوب

یہ مسئلہ عائلہ ہے۔

∴ زوجہ = $\frac{3}{13}$ و مان = $\frac{2}{13}$ و ۳ حقیقی بہن = $\frac{8}{13}$

مگر ۸ سہام تین بہنون مین بلا کسر کے تقسیم نہوگا اس لیے نسب نما کو ۳ سے ضرب دیکر ۳۹ کیا

∴ زوجہ = $\frac{9}{39}$ و مان = $\frac{6}{39}$ و ۳ بہنین = $\frac{24}{39}$ و ایک بہن $\frac{8}{39}$

نمبر ۹۔ وارث ۴ زوجہ و ۱۸ ۔ لڑکیان و ۱۵ جدات و ۶ چچا۔

حصہ شرعی $\frac{1}{8}$ و $\frac{2}{3}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{1}{24}$ بقیہ بحیثیت عصبہ

∴ حصہ ایک زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ ÷ ۴ = $\frac{۱}{۳۲}$

حصہ ایک لڑکی = $\frac{۲}{۳}$ ÷ ۱۸ = $\frac{۱}{۲۷}$

حصہ ایک جدہ = $\frac{۱}{۶}$ ÷ ۱۵ = $\frac{۱}{۹۰}$

حصہ ایک چچا = $\frac{۱}{۲۴}$ ÷ ۶ = $\frac{۱}{۱۴۴}$

نسب نما = ۴۳۲۰

∴ حصہ ایک زوجہ = ۱۳۵ او ۴ زوجون کا = ۵۴۰

حصہ ایک لڑکی = ۱۶۰ و ۱۸ لڑکیون کا = ۲۸۸۰

حصہ ایک جدہ = ۴۸ و ۱۵ جدات کا = ۷۲۰

حصہ ایک چچا = ۳۰ و ۶ چچا کا = ۱۸۰

۴۳۲۰

فصل ہشتم۔ وراثت اہل شیعہ

شیعہ و سنیون کے قانون وراثت مین اہم اختلاف عصبہ کے متعلق ہے۔ شیعہ حق عصوبت کو نہین مانتے اسیلیے پدری اقربا از قسم ذکور کو جسکو سنّی عصبہ کہتے ہین۔ شیعہ کی شرع مین اون اقربا پر ترجیح نہین ہے جو میت سے بذریعہ کسی مونث کے قرابت رکھتے ہین مثلاً شیعہ مذہب مین دختر کی اولاد کو بھائی کی اولاد پر ترجیح ہے۔

شیعون مین دو وجہ سے حق وراثت حاصل ہوتا ہے اول نسب۔ دوم سبب۔

ورثاء نسبی کی تین قسم ہین۔ اور پھر ان تینون کی دو دو قسم ہین۔

قسم اول کی دو قسم یہ ہین - اول والدین میت - دوم اولاد میت چاہے کتنی ہی نیچی ہو
قسم دویم ایضاً - اول مورث میت چاہے کتنے ہی اونچے ہون - دوم
بھائی بہن واونکی اولاد -
قسم سوم کی دو قسم یہ ہین - اول پھوپی وچچا اونکی اولاد - دویم ماموں وخالہ واونکی اولاد -
اگر قسم اول کا ایک ہی شخص ہوگا تو دوسرے وتیسرے قسم کے کل وارث
میراث سے محروم ہونگے - اسیطرح بحالت موجودگی دوسری قسم کے وارث
کے تیسرے درجہ کے وارث محروم ہونگے - لیکن ایک قسم کے دونون درجہ کے
وارث ساتھ ہی وراثت پائینگے جیسے والدین میت کو میت کی اولاد کے ساتھ میراث
پہونچیگی وداداکو بھائی وبہن کے ساتھ - بھائی وبہن واونکی اولاد کو میت کی اولاد واولاد
کی اولاد کلیتہً محروم کرتی ہے - اگر ایک سنّی سلمان ایک نواسی وایک بھتیجہ چھوڑکر مرا تو
بھتیجہ بوجہ ہونے عصبہ کے کل ترکہ پائیگا - اور نواسی کو کچھہ نہ ملے گا بخلاف اسکے شیعون
مین نواسی کو کل ترکہ ملیگا اور بھتیجہ کو کچھہ نہین - اسیطرح اگر کسی سنّی نے ایک لڑکی و
بھائی چھوڑا تو لڑکی کو نصف ملیگا اور بقیہ نصف بھائی کو بحیثیت عصبہ ملے گا - برعکس
اسکے شیعون مین لڑکی کو ایک نصف اوسکا حصہ مفروضہ ملے گا اور دوسرا نصف
اوسپر رد کیا جائیگا اور بھائی کو کچھہ نہ ملے گا -
جس سبب کے ذریعہ سے حق وراثت ملتا ہے وہ دو قسم کا ہے - اول سبب
زوجیت - دوسرے سبب ولا - زوجیت کے سبب سے جس شخص کو
میراث پہونچتی ہے وہ ہر حالت مین اپنا حصہ پاوے گا اس لئے شوہر یا زوجہ کبھی
میراث سے محروم نہین ہوتی -
سبب ولا کی تین قسم ہین - اول ولاء العتق یعنی غلام کے آزاد کرنے والے کو غلام کے

ترکہ سے میراث پہونچتی ہے۔ دوم ولا ضامن الجریرہ[۵۱] یعنی بسبب اسکے کہ میت کا زنگی تاوان ادا کیا ہو۔ سوم ولا الامامت[۵۲] یعنی امامت کے سبب سے جو ترکہ پہونچا۔ حصہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ حصہ کی قسم کے لحاظ سے وارث تین قسم کے ہوتے ہین۔

[۵۱] امیر علی جلد اصفحہ ۱۰۱۔ ولاء ضامن قریب قریب حنفی ولاء الموالات کے مشابہ ہے جو قاعدہ دوراانضمان کا شیعہ مذہب مین جاری ہے اوس سے ابتدائی زمانہ کے اسلامی سوسائٹی کے عادات و اطوار پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ کسی زمانہ مین یہ قاعدہ تہا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی غیر ملک مین جاتا تو اپنی خوش چلنی کی اوسے ضمانت دینی پڑتی تہی۔ ازمنہ متوسطہ مین یہی قاعدہ یورپ کے اکثر خود مختار شہرون مین بہی رائج تہا اور اسمین شک نہین ہے کہ ممالک مشرقی مین اسی رواج پر ضامن کا حق وراثت مبنی ہے۔ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین اس رواج نے بہت امتیاز پایا۔ کیونکہ خلفاے مذکور ہمیشہ اون اشخاص سے جو خراسان سے بغداد مین آتے تہے ضمانت طلب کرتے تہے جو لوگ ضامن ہوتے تہے وہ سرکار مین اون اشخاص کے افعال کے ذمہ دار ہوتے تہے جنکی اونہون نے ضمانت کی تہی اور اسکے صلہ مین ضامن اون اشخاص کے مرنے پر وارث ہوتے تہے اگر اونہون نے کوئی وارث نہ چہوڑا ہو۔ لیکن یہ حق وراثت ضامن کے ترکہ مین اوس شخص کو حاصل نہ تہا جسکی ضمانت کی گئی تہی و نہ یہ حق ضامن کے علاوہ اوسکے ورثا کو پہونچتا تہا خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ مین امام علی ابن موسی رضا اپنی جماعت کے لوگون کے اکثر ضامن ہوا کرتے تہے اس وجہ سے اونکو امام ضامن کا لقب دیا گیا۔ جب کسی شخص کو لمبا سفر درپیش ہوا تو اوسکے بازو پر اشرفی یا روپیہ باندہکر امام ضامن کے سپرد کرنا اوسی زمانہ کی یادگار ہے [۵۲] امام کو جو ترکہ پہونچتا ہے وہ بحیثیت سلطان کے نہین بلکہ بحیثیت مذہبی پیشوا کے پہونچتا ہے۔ اس لیے امام کے حق وراثت مین بہی قانون تمادی ویسے ہی متعلق ہے جیسا عام وراثت سے۔ ہندوستان مین اگر کوئی شیعہ لاوارث فوت ہو تو اوس کا مال اوس مجتہد کو ملے گا جو متوفی کے مسکن کے قریب رہتا ہے اگر کسی مجتہد نے ۱۲ سال تک وراثت کا دعوی نہین کیا تو پہر اوسمین تمادی عارض ہو جائیگی۔

اول - وہ جنکا حصہ قرآن مجید مین مقرر ہے جنکو ذو فرض کہتے ہین -
دوم - وہ جو بعض حالت مین بحیثیت ذو فرض و بعض حالت مین بوجہ قرابت میت کے وارث ہوتے ہین -
سوم - وہ جو صرف بوجہ قرابت کے وارث ہوتے ہین اور جنکو ذو قرابت کہتے ہین
اشخاص ذیل ذو فرض ہین -
(۱) ایک یا چند لڑکیان جبکہ اوسکے ساتھ متوفی کا باپ یا لڑکا نہو (۲) حقیقی و علاتی بہن یا بہنین جبکہ اونکے ساتھ دادا اور مساوی الدرجہ کے ایک یا چند بہائی نہ ہون (۳) باپ جب میت کی اولاد کے ساتھ ہو - (۴) مان (۵) شوہر (۶) زوجہ (۷) وہ اشخاص جو مان کی جہت سے قرابت رکھتے ہین -
جب ایک ہی وارث ہو چاہے ذو فرض یا ذو قرابت یا وارث سببی تو اوس ایک وارث کو کُل ترکہ ملیگا - مثلاً ایک لڑکی ہو تو نصف بحیثیت ذو فرض کے اور نصف بحیثیت رد کے اوسکو ملے گا - ایک لڑکا ہو تو کُل ترکہ بحیثیت ذو قرابت اوسکو ملے گا کیونکہ قرآن شریف مین اوسکا کوئی خاص حصہ مقرر نہین ہے - اگر وارث صرف شوہر ہے تو کُل ترکہ اوسکو زوجیت و رد کے ذریعے سے ملیگا -
اگر وارثون مین ذکور و اناث ہم درجہ و مساوی القرابت ہون تو مرد کو عورت سے دو چند ملے گا - مگر جو وارث مان کی جہت سے قرابت رکھتے ہین مثلاً اخیافی بہائی و بہن تو مذکر و مؤنث دونون کو مساوی حصہ ملیگا -
جب منجملہ وارثون کے چند باپ کی جہت سے قرابت رکھتے ہین و چند مان کی جہت سے تو ہر فریق اوس شخص کا حصہ پائیگا جسکے ذریعے سے وہ قرابت رکھتا ہے مثلاً اگر وارث چچا و پہوپی و ماموں و خالہ ہین تو باپ کی جہت کے وارثون کو دو ثلث ملیگا اور ایک

ثلث ماں کی جہت کے وارثون کو۔ اور جب وارثون مین اختلاف جنس ہو تو جو حصہ ایک فریق کے کل وارثون کو ملا ہے وہ اون وارثون مین باعتبار جنس کے ہر وارث پر تقسیم ہوگا۔ مثلاً مثال مذکور مین کل چچا و پھوپی کو دو ثلث ترکہ ملیگا۔ لیکن اوس دو ثلث مین سے ہر چچا کو ہر پھوپی کے حصہ سے دوچند ملیگا۔ اسیطرح اگر کسی شخص نے اپنے لڑکے کی اولاد چھوڑی و لڑکی کی اولاد بھی اور ان مین سے کوئی فریق محجوب الارث نہین ہے تو لڑکے کی اولاد کو دو ثلث ملیگا جسکو مذکر و مؤنث وارثونمین بحساب دو و ایک کی تقسیم کرینگے و لڑکی کی اولاد کو جو ایک ثلث ملا ہے اوسکو بھی اسیطرح تقسیم کرینگے۔

اگر وارث ذو فرض اور ذو قرابت دونون قسم کے ہین تو پہلے ذو فرض کو اونکا حصہ مفروضہ دینگے۔ اگر وارثون مین چند حقیقی و علاتی و اخیافی قرابت دار ہین تو ماں کی جہت کے قرابت دارون کو ایک ثلث دینگے جو باہم اونکے درمیان بلا خیال جنس ورثاء کے برابر تقسیم کیا جائیگا اور باقی ترکہ حقیقی قرابت دارون مین بخیال جنس وارث کے یعنی ہر مرد کو ہر عورت کے حصہ سے دوچند ویکر تقسیم کرینگے اور باپ کے جہت سے جو قرابت دار ہین وہ بالکل محروم کیے جائین گے۔ مثلاً اگر متوفی نے چند حقیقی و چند علاتی و چند اخیافی بھائی بہنین چھوڑین تو اخیافی بھائی بہنون کو ایک ثلث ملیگا جو اونکے درمیان بلا خیال جنس کے تقسیم ہوگا۔ اگر ایک ہی اخیافی بھائی یا بہن ہو تو صرف ⅓ ترکہ کا اوسکو دین گے۔ اور باقی ترکہ حقیقی بھائی و بہن مین مذکر کو مؤنث کے حصہ کا دوچند دیکر تقسیم کرینگے اور علاتی بھائی بہن محروم ہوجائینگے۔

علاتی بھائی بہن کو صرف اوس حالت مین ترکہ ملیگا جب حقیقی بھائی بہن نہ ہون۔

اگلے زمانہ مین شوہر یا زوجہ پر رد نہین کیا جاتا تھا مگر اب یہ امر طے شدہ ہے کہ بحالت نہ ہونے کسی وارث کے اونپر بھی رد کیا جاتا ہے۔

جب ایک رشتہ دار صرف باپ کی جہت سے قرابت رکھتا ہے اور دوسرا ماں کی جہت سے

اور دونون باعتبار قربت مساوی الدرجہ ہین تو ہر فریق اپنا اپنا حصہ پائیگا اور جو کچھ بچ رہیگا وہ اونکے درمیان اونکے حصص کے تناسب سے تقسیم ہوگا مثلاً وارثون مین ایک علاتی اور ایک اخیافی بہن ہے تو علاتی بہن کو نصف اور اخیافی بہن کو $\frac{1}{6}$ حصہ دینگے و باقی $\frac{1}{3}$ اونکے درمیان اسطرح پر تقسیم کرینگے کہ علاتی بہن کو تین حصہ اور اخیافی بہن کو ایک حصہ دینگے۔

حصے شمار مین چھہ ہین۔ $\frac{1}{2}$ و $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{8}$ و $\frac{1}{3}$ و $\frac{2}{3}$ و $\frac{1}{6}$ ۔ اور چونکہ قرآن مجید مین ان حصونکا اور اون اشخاص کا جو اونکے پانے کے مستحق ہین صاف طور پر ذکر آیا ہے اس لئے سنی و شیعہ مذہب مین انکے متعلق کچھہ اختلاف نہین ہے۔

اہل شیعہ مین ایک لاولد بیوہ کو یا ایسی بیوہ کو جسکے کوئی اولاد وقت وفات شوہر موجود نہ ہو جائداد غیر منقولہ مین کچھہ حصہ نہین ملتا[51]۔ لیکن جائداد منقولہ و مکانات مین حصہ ملیگا و نیز جملہ مکانات مین اوسکو حصہ ملے گا[52]۔
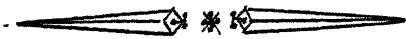
فصل نہم - موانع ارث
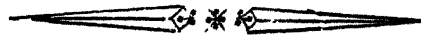
سنی و شیعہ مذہب مین موانع ارث کے تین ہین۔ رق یعنی غلامی۔ قتل۔ اختلاف دین چوتھا مانع ارث سید امیر علی نے غیر صحیح النسبی لکھا ہے۔ سنی مذہب مین اختلاف وانہ

---

۵۱ حسین خان بنام امیدی بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۹۲۔ جسمین رام پرشاد بنام عبد الکریم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۵۱۳ سے فرق دکھلایا گیا ۵۲ عمر دراز علی خان بنام ولایت علیخان الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۹ و آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی کلکتہ جلد ۲۵ صفحہ ۹۔

یعنی ملک بھی مانع ارث قرار دیا گیا ہے مگر یہ مسلمانون سے متعلق نہین ہے جیسا آیندہ معلوم ہوگا۔ رق مانع ارث ہے یعنی اگر کسی طرح کی مملوکیت وارث مین ہے تو اوسکو مورث کی میراث نہین ملیگی۔

قتل اگر کسی نے بلا وجہ دوسرے کو قتل کیا ہو تو اوسکو مقتول کی میراث سے کچھ نہ ملیگا خواہ اوس نے عمداً قتل کیا ہو یا خطا سے۔ جیسے کوئی شخص سونے کی حالت مین اپنے مورث پر گر پڑا جسکے صدمہ سے مورث مر گیا تو یہ اوسکا وارث نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر چھت سے اپنے مورث پر گر پڑا اور وہ مر گیا یا اگر وارث گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑے نے مورث کو کچل ڈالا تو وہ وارث نہ ہوگا۔ اگر نابالغ و مجنون قتل کرین تو وہ وراثت سے محروم نہ ہونگے کیونکہ وراثت سے محروم کیا جانا جزائے قتل حرام ہے اور ان لوگون کے افعال مین یہ بات نہین۔ کیونکہ وہ مکلف نہین ہین۔ اگر کسی شخص نے قتل کے اسباب پیدا کئے ہین تو وہ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے کنوان کھودا اور اوسکا مورث اوسمین گر کر مر گیا یا اوس نے راہ مین پتھر ڈال دیا جس سے ٹھوکر کھا کر مورث مر گیا۔ پس ایسا قتل جسکی وجہ سے قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو اوس سے محرومی ارث لازم آتی ہے اور جس سے قصاص و کفارہ واجب نہ ہو وہ باعث حرمان نہ ہوگا۔ جیسے سبب ہلاکت کے بانی ہونے سے قصاص و کفارہ لازم نہین آتا۔ اگر باپ اپنے لڑکے کو عمداً قتل کرے تو باپ پر قصاص واجب نہین ہے مگر وہ وراثت سے محروم کیا جائیگا اس استثنا کی بابت سید شریف یہ کہتے ہین کہ گو قتل عمد سے قصاص لازم ہوتا ہے مگر پیغمبر صاحب کے اس حکم کے باعث کہ "باپ کو لڑکے کے اور آقا کو غلام کے قتل سے قصاص واجب نہین ہے" باپ قصاص سے بری کیا گیا۔ اگر باپ نے اپنے لڑکے کا ختنہ کیا جسکے باعث لڑکا مر گیا یا تادیباً

مارا ومر گیا تو باپ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ مگر شیعون مین جو قتل کہ عمداً و بغیر حق کے ہو وہ مانع ارث ہے۔

اختلاف دین — اختلاف دین مانع ارث ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دونون مین اسلام وکفر کا اختلاف ہو اور کفر کی مختلف ملتون کے اختلاف سے مراد نہین ہے۔ جیسے کوئی مسلمان کافر کا وارث نہین ہو سکتا نہ کوئی کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے لیکن اگر وارث مجوسی ہو اور مورث یہودی تو اوسکو ورثہ ملے گا۔

مرتد — مرتد کے لغوی معنی ایسے شخص کے ہین جو کسی چیز سے پھر جاتا ہے اور شرع مین دین اسلام سے پھر جانے والے کو کہتے ہین۔ ارتداد یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی شخص دین اسلام کے خلاف کوئی بات کہے۔ جو شخص مرتد ہو گیا وہ مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور نہ دوسرا مرتد کا وارث ہوگا۔ مرتد اگر حالت ارتداد مین قتل کیا گیا یا مر گیا یا دار الحرب مین جا ملا پس جو کچھ اوس نے حالتِ اسلام مین حاصل کیا تھا وہ اوسکے مسلمان وارثون کی میراث ہوگی۔

سید امیر علی۔ کفر کے معنی خدا کی وحدانیت ومحمد صاحب کی رسالت سے انکار کرنا ہے یہی وہ دو اصول ہین جن پر دین اسلام کی بنا ہے جو شخص ان دو اصولون کو مانتا ہے وہ دائرۂ اسلام کے اندر داخل اور جو شخص اِن اصولون کا معتقد نہین ہے وہ اسلام کے فوائد سے محروم ہے۔ اسیوجہ سے وہ شخص جو روز پیدایش سے اِن اصولون کا معتقد نہین یا آئندہ بعد مین مرتد ہوا ہو اپنے مسلم باپ سے وراثت کا مستحق نہین ہے۔

ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء نے مسلمانون کے قانون وراثت مین ایک اہم تبدیلی پیدا کر دی ہے جس بنا پر کہ کافر وراثت سے محروم کئے جاتے تھے وہ بدرجہ مساوی مرتد وایسے اشخاص سے متعلق تھا جو دوسرے دین مین پیدا ہوئے تھے یعنی مرتد اور ایک

ایسا شخص جو ابتدا ہی سے مسلمان نہ تھا دونون اس قاعدہ کے اندر آجاتے تھے۔
مثلاً ایک مسلمان متوفی نے تین وارث چھوڑے ایک جو شروع ہی سے مسلمان
نہ تھا دوسرا مرتد ہوگیا اور تیسرا جو مسلمان ہے۔ دو اوّل الذکر وارث شرع محمدی کے
بموجب وراثت سے محروم ہونگے اور کل ترکہ تیسرے وارث کو ملیگا۔ چاہے باعتبار قرابت وہ متوفی سے کتنے ہی بعید کیون
نہ ہو۔ ایکٹ مذکورہ بالا کی رو سے جو تبدیلی واقع ہوئی وہ بہت اہم ہے۔ اس ایکٹ مین صرف ایک ہی دفعہ ہے[۱]
اس ایکٹ کا یہ اثر ہوا کہ شرع محمدی کے۔ اوس قاعدہ پر جسکی رو سے مرتد وراثت سے محروم کئے
جاتے تھے اب عمل درآمد نہین کیا جاسکتا لیکن اس ایکٹ کا اثر اوس قاعدہ پر کچھ
نہین ہے جس سے وہ شخص جو ابتدا ہی سے مسلم نہ تھا محروم الارث ہوتا ہے۔
جیسے اگر کسی مرتد نے ایسی اولاد چھوڑی جسکو اوس نے اپنے عقائد کی تعلیم دی ہے
تو وہ اولاد اپنے مسلمان اقارب کی وارث نہ ہوگی۔ گو اگر مرتد خود ہی زندہ ہوتا تو ایکٹ
مذکورہ بالا کے بموجب اون مسلمان قرابت دارون کا وارث ہوسکتا تھا۔ اگر والدین مین
سے ایک بھی مسلمان ہے تو شرعاً اولاد اوسوقت تک مسلم خیال کیجائیگی جب تک
بچہ اپنا عقیدہ بیان کرنے کے قابل ہے اور میراث بموجب شرع کے جاری ہوگی
امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرتد کی وہ جائداد جو ارتداد سے پہلے حاصل کی گئی ہے اوسکے

---

[۱] ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے تحت حکومت جو ملک ہے اوسمین کسی قانون یا دستور نافذ الوقت کا وہ جزو
جسکے باعث کوئی شخص اس وجہ سے کہ اوس نے اپنا دین ترک کر دیا یا آنکہ وہ اپنے دین وذات سے خارج
کر دیا گیا ہے اپنے حقوق یا جائداد سے محروم کیا جاسکے یا آنکہ اوسکا اثر یہ ہو کہ اوس شخص کے حق مین
وراثت کو کسیطرح پر نقصان پہونچائے یا کلیتاً محروم کرے تو ایسے قانون یا دستور کا جزو مذکور کمپنی بہادر
کی عدالت ہائے دیوانی یا ایسی عدالتون مین جو بذریعہ رایل چارٹر کے کمپنی بہادر کے ملک مین قایم کی گئی
ہین مثل قانون کے نفاذ پذیر نہین ہوسکتا۔

مسلمان وارثون مین تقسیم ہوگی اور بعد ارتداد جو پیدا کی ہے وہ بیت المال کا حق ہوگا۔ مگر امام ابویوسف و محمد کا قول ہے کہ کل ترکہ مسلمان وارثون کو ملے گا۔ امام اعظم کے قول پر فتویٰ ہے۔ لیکن مرتدہ عورت کی کل جائداد خواہ وہ قبل ارتداد کے حاصل کی گئی یا بعد مین بالاتفاق مسلمان وارثون کو ملیگی۔

اختلاف دار — فتاوی عالمگیری۔ اختلاف دار بھی مانع ارث ہے۔ یعنی اگر دار الکفر مین ایک شخص ہو اور دار الاسلام مین دوسرا تو باہم اونکے میراث جاری نہ ہوگی۔ لیکن یہ حکم نامسلمونکے حق مین ہے۔ مسلمانون کے حق مین نہین مثلاً اگر کوئی مسلمان دار الحرب مین مرا تو اوسکا لڑکا جو دار الاسلام مین ہے اوس کا وارث ہوگا۔

جن ممالک مین شرع محمدی رائج نہین ہے وہان مسلمانون کے حقوق کا تصفیہ کس قانون کے بموجب ہوگا۔ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ کفایہ مین لکھا ہے کہ ”ہر مسلمان شرع محمدی کا تابع ہے خواہ اوسکی سکونت کسی مقام پر ہو“ یا بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیے کہ شرع محمدی ہر مسلمان کا ذاتی قانون ہے۔ یعنی اسکی پابندی اوسپر ہر حالت مین لازم ہے جبتک کہ وہ سلطنت اسلامی کی ایک وفادار رعیت ہے خواہ اوسکی سکونت کا مقام کہین واقع ہو (یہ حال صرف پیدائشی مسلمانون کا نہین ہے بلکہ ہر شخص جو اپنا دین آبائی چھوڑکر اسلام قبول کرتا ہے اوسکے ساتھہ بھی شرعی حقوق و ذمہ داریان اوسیطرح پر متعلق ہوتی ہین گویا وہ پیدائشی مسلمان ہے) اس سے واضح ہے کہ صرف ترک وطن سے تاوقتیکہ تبدیل مذہب نہ کیجائے کسی مسلمان کے شرعی حقوق مین کچھہ فرق نہین آتا یہ خصوصیت کچھہ اسلام ہی کی نہین ہے بلکہ چند مغربی ملکون مین بھی یہی اصول پایا جاتا ہے اگر کوئی شخص مذہب اسلام کا پابند ہے تو شرع مین یہ قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطنت اسلامی کی رعیت ہے ملک اطالیہ و فرانس مین بھی یہی قانون ہے یعنی اگر ان دو سلطنتون کی کوئی رعایا اپنے بادشاہ سے منحرف نہین ہوئی ہے تو چاہے وہ کسی جگہہ اپنی سکونت اختیار کرے وہ اپنے بادشاہ کی رعیت متصور ہوگی اور اون کے

حقوق وذمہ داریون کا تصفیہ اوس ملک کے قانون کے بموجب ہوگا جسکی وہ رعیت ہین - اس لئے
انگریزی قانون وشرع محمدی مین اختلاف واقع ہونے کی وجہ سے جو دقتین پیش آسکتی ہین وہ
اطالیہ وفرانس مین واقع نہ ہونگی - اگر کوئی ترک فرانس مین سکونت اختیار کرے مگر اپنے بادشاہ
سے منحرف نہ ہو تو اوسکے حقوق ومیراث کا تصفیہ اوس ملک کے قانون کے بموجب ہوگا جسکی وہ
رعایا ہے - لیکن اگر وہ اپنے بادشاہ سے منحرف ہوکر اوس بادشاہ کی رعیت ہونی منظور کرے
جسکے ملک مین اوس نے سکونت اختیار کی ہے مگر دین اسلام کا پابند ہے تو اوسکے حقوق وذمہ
داریون کا تصفیہ کس قانون کے بموجب ہوگا؟ کیا اپنے بادشاہ سابق سے انحراف کرنا بمنزلہ
ترک کرنے دین اسلام کے خیال کیا جائیگا؟
ان سوالون کا جواب شرعاً یہ ہے کہ وہ شخص شرع محمدی ہی کا تابع رہیگا - لیکن فرانس واطالیہ کی
بموجب ایسا شخص شرع محمدی کے تابع نہ رہے گا - قدیم زمانہ مین چونکہ مسلمانون کو مشرق ومغرب
کی دیگر اقوام سے لڑائی قایم رکھنی پڑتی تھی اسلیے مسلمانون نے تمام مہذب دنیا کو دو بڑے حصون مین
تقسیم کرکے اونکو دار الحرب ودار الاسلام کا خطاب دیا - ان دونون حصون کی نسبت یہ خیال تھا
کہ باہم ان کی عصمت جان ومال منقطع ہے اور ایک دوسرے کا جانی دشمن ہے - اوس زمانہ مین
کوئی مسلمان دار الاسلام کی سکونت ترک کرکے دار الحرب مین سکونت اختیار کرنیکا مجاز نہ تھا - اور اگر
اوس نے ایسا کیا تو پھر وہ مرتد تصور کیا جاتا تھا - اور شرع کی نظرون مین اوسکے دنیاوی حقوق مردہ ہوجاتے
تھے - لیکن کچھہ دنون بعد جب سلاطین اسلام ویورپ کے عیسائی دول مین معاہدے ہوگئے اور
عیسائی سلطنتون نے اپنے پورانے تعصب کو چھوڑکر مسلمانون کو بھی اون حقوق کا کسی قدر مستحق
قرار دیا جو معاہدہ کے ذریعہ سے دیگر اقوام کو حاصل ہوسکتے ہین اوسکے بعد سے اس مسئلہ مین جو ایک
قسم کی سختی تھی وہ بہت کچھہ رفع ہوگئی ہے اسلیے اب مسلمان دار الاسلام کی سکونت ترک کرنے کے
بعد بھی مسلمان رہ سکتا ہے - اس زمانہ مین جب لکھہ کہا وکروڑ ہا مسلمان غیر مسلم سلطنتون کی رعایا ہین -

اور بشن مستامن کے اونکے حقوق کی نگہداشت کیجاتی ہے تو شرع کے قدیم فقہی مسائل پر ملکی ضروریات کا بہت کچھ اثر پڑے گا۔ فی زمانہ جبکہ ملکی معاملات مین اہم تبدیلیان واقع ہوگئی ہین کوئی مسلمان کسی سلطنت کے ایک حصہ سے جہان شرع محمدی نافذ ہے اپنی سکونت ترک کرکے اوسی سلطنت کے کسی دوسرے حصہ مین جہان شرع محمدی برائے نام رائج ہے مستقل سکونت اختیار کرسکتا ہے اور اس سے اوسکے دین مین کچھ فرق نہین آسکتا۔ مثلاً کوئی مسلمان ہندوستان چھوڑکر گریٹ برٹین یا آئرلینڈ مین سکونت اختیار کرے تاہم وہ مسلمان ہی رہیگا۔ کیونکہ اس صورت مین سکونت کی تبدیلی سے سلطان کی تبدیلی لازم نہین آتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم فقہار نے بھی ان صورتون کو مدنظر رکھا ہے۔ تاتارخانیہ مین لکھا ہے "کہ گو کوئی مسلمان قطعاً اپنی اصلی سکونت کو ترک نہین کرسکتا مگر ہر مسلمان ایک ہی سلطان کے ایک حصہ ملک سے نقل مکان کرکے دوسرے حصہ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے" انگریزی قانون کے بموجب بادی النظر مین انسان کے حقوق اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہین جسکو قانون ڈومیسل کہتے ہین۔ ایک انگریزی مقنن ڈیسی کا قول ہے کہ وہ انسان کے حقوق (متعلق نکاح وطلاق وجائداد منقولہ) پر قانون متعلق سکونت کا بہت کچھ اثر ہے گو کلیتہً اوسکے تابع نہین ہین"۔ اسلیئے ایک مسلمان جو عارضی طور پر ولایت مین مقیم ہے اوسکے حقوق شرع محمدی کے تابع ہین بشرطیکہ شرع محمدی کے احکام انگریزی قانون یا عام قاعدہ انصاف کے خلاف نہ ہون۔ شخص مذکور کے قانونی حقوق اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہونگے شرع محمدی کے بموجب ہندوستان دارالاسلام کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ قانون بست دیکم جارج نمبر (۳) باب (۱) کے بموجب ہندوستان مین مسلمانون کے معاملات سے شرع محمدی متعلق کیگئی ہے اسلیئے یہ تصور کرنا چاہیئے کہ مسلمانون کا قانون ڈومیسل اونکی شرع ہے جب تک کہ کوئی مسلمان اپنا اصلی وطن ترک نہین کرتا اوسکے قانونی حقوق کا تصفیہ شرع محمدی کے بموجب ہوگا۔ لیکن جب اوس نے اپنی اصلی سکونت ترک کردی یا دوسرے سکونت (دارالاسلام کے سوا کسی دوسری

جگہ) اختیار کی تو بہر وہ اپنی قومی قانون کے تابع نہین رہتا۔ مثلاً جب کسی مسلمان نے ولایت
مین مستقل سکونت اختیار کر لی یا آنکہ اپنے کسی فعل سے صاف طور پر یہ ثابت ہونے دیا کہ ولایت
مین اوسکا قیام عارضی طور پر نہین ہے تو اوسکے بعد اوسکی وراثت اور دیگر ذاتی حقوق انگریزی قانون
کے تابع ہونگے وا وسکے معاملات کا تعلق شرع محمدی سے بالکل منقطع ہو جائیگا۔ مگر مذہبی و
اخلاقی امورات مین شرع محمدی کی پابندی اوسپر بہی لازم رہیگی مگر ملک اٹلی وغالباً فرانس کے
قانون کے بموجب وہ شرع محمدی کا تابع رہیگا گو اوس نے سکونت تبدیل کر دی ہے۔ بشرطیکہ اوس نے
اپنے قدیم بادشاہ کی رعیت ہونے سے انکار نہ کیا ہو۔ چونکہ جائداد غیر منقولہ کے جملہ نزاعات کا
تصفیہ ملکی قانون کے بموجب ہوتا ہے اسلئے اگر کسی مسلمان نے ولایت مین کوئی جائداد غیر منقولہ
پیدا کی تو اوس جائداد کی وراثت کے متعلق اوس ملک کے قانون پر عمل ہو گا جس ملک مین وہ جائداد
واقع ہے۔ عام اس سے کہ مالکِ جائداد مستقل طور پر اوس ملک مین سکونت پذیر ہے یا عارضی
طور پر۔ اگر جائداد غیر منقولہ وقف یا ہبہ کی گئی ہے تو اوس جائداد سے بہی ملکی قانون متعلق ہو گا۔ اس
صورت مین بہی شرع محمدی وانگریزی قانون مین اختلاف ہوتا ہے۔ شرع محمدی کے بموجب کوئی
شخص اپنی کل املاک کو بہ محرومی ورثار کے ہبہ نہین کر سکتا۔ مگر انگریزی قانون کے بموجب
کر سکتا ہے۔ اسیلے ایک مسلمان جس نے ولایت مین عارضی یا مستقل سکونت اختیار کر لی ہے
اپنی کل جائداد غیر منقولہ کو بہ محرومی اپنے ورثار کے وصیت کے ذریعہ سے منتقل کر سکتا ہے۔
اگر جائداد منقولہ ہے اور موصی نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار نہین کی ہے تو اوسکی وصیت سے
شرع محمدی متعلق ہو گی۔ اسیطرح اگر جائداد غیر منقولہ ولایت مین واقع ہے تو اوسکی وراثت سے
انگریزی قانون متعلق ہو گا۔ خواہ مالکِ جائداد نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار کی ہے یا نہین
مثلاً اگر کسی مسلمان کی جائداد غیر منقولہ ولایت مین ہے اور اوس نے دو لڑکے چھوڑے مگر بڑا لڑکا
مسلمان نہین ہے تو جائداد اوسی بڑے لڑکے کو ملیگی اور چھوٹا لڑکا کلیتہً محروم رہیگا گو شرعاً اختلاف

مذہب اوسکے یے مانع ارث ہی۔

انگریزی قانون کے بموجب جائداد غیر منقولہ "وارث" کو ملیگی اور وارث ہونے کے لیے صرف یہی ضرور نہین ہے کہ وہ شخص اپنے باپ کا سب سے بڑا زندہ و صحیح النسب لڑکا ہو بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ انگریزی قانون کے مفہوم کے بموجب وہ اولاد جائز نکاح سے ہو۔ مثلاً ایک مسلمان کے جو عارضی طور پر ولایت مین رہتا ہے دو بیبیون سے دو اولاد ہین یعنی پہلی بی بی سے لڑکی ہے اور دوسری بی بی سے ایک لڑکا ہے اور اوس شخص کی کچھ جائداد غیر منقولہ ولایت مین واقع ہے۔ وارث ہونے کے لیے پہلی شرایط انگریزی قانون کے مطابق لڑکے مین پائی جاتی ہین۔ یعنی یہ کہ وہ سب سے بڑا زندہ و صحیح النسب لڑکا اپنے باپ کا ہے اوسکی صحیح النسبی پر انگریزی قانون کا کچھ اثر نہین ہوسکتا۔ بلکہ چونکہ وہ لڑکا اپنے باپ کے قومی قانون کے بموجب صحیح النسب ہے اسلیے انگریزی قانون کے بموجب بھی صحیح النسب متصور ہوگا۔ مگر چونکہ انگریزی قانون مین دو عورتون سے ایک وقت مین نکاح ناجائز ہے اس لیے وہ لڑکا صحیح نکاح کی اولاد متصور نہ ہوگا لہذا وہ جائداد غیر منقولہ واقع ولایت کا وارث بھی نہین ہوسکتا اور نہ اس لڑکے کے ذریعے سے اوسکے رشتہ داران طرفی جائداد مذکور کے وارث ہوسکتے ہین۔ پس ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار کی ہے یا وہان جائداد غیر منقولہ پیدا کی ہے تو اوس شخص سے و جائداد سے ولایت ہی کا قانون متعلق ہوگا۔ لیکن اگر وہ عارضی طور پر ولایت مین رہتا ہے تو اوسکے حقوق اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہونگے اس صورت مین بعض اوقات دونون ملکون کے قانون مین تضاد واقع ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مسلمان نے ایک نامسلمہ عورت سے دوسرے ملک مین وہان کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگا۔ کیونکہ شرع مین بھی مثل انگریزی قانون کے عقد نکاح کی قابلیت کا معیار متعاقدین کے ملک کا قانون ہے لیکن طریقہ عقد سے اوس ملک کا قانون متعلق ہوگا جہان عقد واقع ہوا۔ ایک انگریز مقنن کا قول ہے کہ عقد

نکاح کی صحت کی اہمیت کے لحاظ سے جس پر نظام معاشرت مبنی ہے جملہ متمدن و مہذب اقوام نے بالعموم یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ عقد نکاح کے لیے متعاقدین کی قابلیت کا معیار اوسکے ملک کا قانون ہے مگر طریقۂ عقد سے اوس ملک کا قانون متعلق ہوگا جہان نکاح ہوا۔ لارڈ کنیل صاحب نے ایک مقدمہ مین اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

"اس عام قاعدہ کے متعلق کچھ شبہ نہین ہوسکتا کہ غیر ملک کا نکاح اوس ملک کے قانون کے بموجب ہونا چاہیے جہان عقد فی الواقع کیا جاتا ہے لیکن ارکان عقد کا تصفیہ متعاقدین کے وطن کے قانون کی بموجب ہوگا۔ گو جس طریقہ سے عقد نکاح کیا گیا وہ اوس ملک کے طریقہ کے خلاف ہو جہان زوجین بعد نکاح مستقل طور پر رہین گے تاہم وہ نکاح صحیح ہوگا۔ لیکن اگر نکاح کے ارکان متعاقدین کے وطن کے قانون کے بموجب ناجائز ہون تو وہ نکاح اونکے وطن مین ناجائز ہوگا گو جس ملک مین نکاح واقع ہوا وہان کے قانون کے بموجب ناجائز نہ ہو۔ کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی مہذب سلطنت اس امر کو ہرگز جائز نہ رکھیگی کہ اوسکی کوئی رعایا چند دنون کے لیے کسی غیر ملک مین جاکر ایک ایسا معاہدہ کرے جسکا تعمیل کرنا اوسکے وطن مین قرار پایا ہو اور حال یہ ہے کہ وہ معاہدہ اوسکے وطن کے قانون کے بموجب اس وجہ سے ناجائز ہے کہ وہ خلاف تہذیب یا مذہب یا نظام معاشرت کے ہے" اسی طرح شرعاً متعاقدین نکاح کی قابلیت اسلامی اصول کے تابع ہوگی۔ لیکن اوس عقد کا انعقاد اوس خاص مقام کی رسم و رواج کے مطابق ہوگا جہان عقد کیا گیا۔ مثلاً ایک مسلمان شرعاً یہودن یا نصرانیہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے خواہ وہ نکاح عورت کے مذہبی رسوم کے مطابق ہو یا مثل ایک تمدنی معاہدہ کی سلطنت کے کسی افسر کے مواجہہ مین کیا جاوے جسکو سلطنت کیجانب سے اس قسم کے معاہدہ کی رسومات ادا کرنیکا اختیار دیا گیا ہو۔ اگر معاہدہ مقامی قانون و رسم و رواج کے بموجب عمل مین آیا ہے اور باہم متعاقدین کے نکاح کرنے مین کوئی امر شرعی مانع نہین ہے تو شرعاً وہ نکاح جائز ہے۔ اور انگریزی قانون کے بموجب بھی ایسا نکاح جائز ہے

انگریزی قانون کے بموجب زوجیت کا مکان شوہر کا مکان ہے۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ عورت نے ایک غیر ملک کے باشندہ سے نکاح کیا خواہ مخواہ یہ نتیجہ نہین پیدا ہوتا کہ عورت نے اپنا وطن چھوڑ کر اپنے شوہر کے وطن کی سکونت اختیار کی ہے۔ یہ امر کلیتہً فریقین کی نیت ومنشاء پر موقوف ہے۔ بالفاظ دیگر اگر یہ ثابت ہو کہ عورت نے کبھی اپنے وطن کے ترک کرنیکا ارادہ نہین کیا تھا یا آنکہ مرد نے اوسے یہ یقین دلا کر نکاح کیا تہا کہ عورت بعد نکاح بھی اپنے ملک کے قانون کے تابع رہیگی یا آنکہ خود وہ یعنی شوہر اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر زوجہ کے وطن مین سکونت اختیار کریگا تو صرف اس وجہ سے کہ شوہر نے اپنا وطن ترک نہین کیا اور گاہ گاہ اپنی زوجہ کو اپنے وطن مین لے گیا اور پھر واپس لایا زوجہ کے حقوق پر ان باتون کا کچھ اثر نہ پڑیگا اور نہ اوس معاہدہ پر کچھ اثر پڑے گا جو وقت نکاح شوہر نے عورت سے کیا تہا یعنی عورت کے حقوق اور معاہدہ سے عورت کے وطن کا قانون متعلق ہوگا۔

یہ مسئلہ کہ شوہر کا مکان زوجیت کا مکان ہے شرعاً محدود معنی مین مستعمل ہے اور اسکا صرف یہ مطلب ہے کہ شوہر زوجہ کو اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکے خلاف اوس نے کوئی شرط نہ کی ہو۔ اس سے زیادہ اسکا مطلب نہین۔ اسلئے اگر ایک ترکی شخص نے کسی ہندوستانی عورت سے نکاح کیا تو صرف نکاح سے عورت کا اصلی وطن متروک نہ ہوگا اور نہ اوس معاہدہ سے جو باہم ان کے ہوا ہے ترکی قانون متعلق ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی مسلمان نے ایک کتابیہ عورت سے جو دوسرے ملک کے باشندہ ہے نکاح کیا تو صرف نکاح سے عورت کی قومیت مین فرق نہ آئیگا اور نہ وہ شرع محمدی کے تابع ہو جائیگی۔ ایسی صورت مین عورت کی میراث عورت کے قومی وملکی قانون کے بموجب جاری ہوگی اور مرد کی میراث اوسکے ملک کے قانون کے بموجب مثلاً عورت بوجہہ اسکے کہ وہ مسلمان نہین ہے اپنے شوہر کی وارث نہ ہوگی مرد اگر سنّی ہو تو وہ اپنی زوجہ کا وارث ہوگا۔